سائرہ ظہیر شاہ
دل دنیا
آباد ہونے تک

دِل دنیا آباد ہونے تک

سائرہ ظہیر شاہ

عِلم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40-اُردو بازار، لاہور۔

فون: 37232336'37352332 فیکس: 37223584

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

کتاب کا نام	:	دِل دنیا آباد ہونے تک
مصنفہ	:	سائرہ ظہیر شاہ
اہتمام	:	علم وعرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	:	روشن پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	:	دلدار حسین
سن اشاعت	:	اگست 2017ء
قیمت	:	-/400 روپے

ملنے کے پتے......

علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی

اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

* اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
* جناح سپر مارکیٹ F-7 مرکز، اسلام آباد

خزینہ علم وادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

بیکن بکس

گلگشت کالونی، ملتان

رشید نیوز ایجنسی

اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اُس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اُس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے پوری طرح متفق ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کردیا جائے گا۔ (ناشر)

''زینی! تم ابھی تک سو رہی ہو، کالج نہیں جانا کیا؟''

چھوٹی ماں نے کمرے میں آ کر اس پر سے کمبل ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''جانا ہے ماں، ابھی بہت ٹائم ہے سونے دیں پلیز!''

زینی نے سُستی سے کمبل دوبارہ اوپر ڈالتے ہوئے کہا۔

''زینی! تم کالج سے لیٹ ہو چکی ہو اور تمہاری وین بھی آ کے جا چکی ہے۔''

چھوٹی ماں نے گویا اس کے ساعت پہ دھماکہ کیا۔

ان کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی اس کی ساری کاہلی اور سُستی اُڑن چُھو ہو گئی۔ اس نے کمبل اٹھا کے دور پھینکا اور بیڈ سے تقریباً چھلانگ لگائی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس کے جسم میں خون نہیں بجلی دوڑ رہی ہو۔

''ماں! آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں اٹھایا!''

زینی نے جھنجھلاتے ہوئے الماری سے یونیفارم نکالا۔

''میں تمہیں پہلے بھی اٹھا کے جا چکی ہوں۔ مجھے لگا کہ تم اُٹھ گئی ہو گی۔ وہ تو میں نے دعا کو اکیلے کالج جاتے ہوئے دیکھا تو اس لیے دوبارہ آ گئی، یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں تم چھٹی تو نہیں کر رہیں؟''

''نہیں ماں، میں چھٹی نہیں کر رہی اور نہ کر سکتی ہوں۔ میرا آج بہت امپورٹنٹ پریکٹیکل ہے۔''

یہ کہہ کر وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ جیسے تیسے تیار ہو کے بیگ سنبھالتی وہ نیچے آئی تو آگے فیضان ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا، جبکہ اذلان آفس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اذلان نے اِک سرسری سی نظر اس پہ ڈالی اور دادی ماں کے کمرے میں چلا گیا۔ یہ اس کی عادت تھی، وہ آفس جانے سے پہلے دادی ماں سے ضرور مل کے جاتا تھا۔ اذلان کے جاتے ہی وہ فیضان کے پاس آ گئی۔

''فیضان بھائی پلیز! یونیورسٹی جاتے ہوئے مجھے بھی کالج چھوڑ دیں پلیز!''

زینی نے ملتجی انداز میں کہا۔

''زینی! میں آل ریڈی یونیورسٹی سے لیٹ ہو رہا ہوں، تم ایسا کرو بھائی کے ساتھ چلی جاؤ۔ تمہارا کالج تو ویسے بھی ان کے آفس کے راستے میں آتا ہے۔''

اذلان کے ساتھ کالج جانے کا تصور ہی کر کے اس نے خوف سے جھرجھری لی، اور دوبارہ فیضان کی منت سماجت کرنے لگی۔

''نہیں، میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی، پلیز!''

''کیوں؟ بھائی کے ساتھ کیوں نہیں جاؤ گی، وہ کوئی بھوت ہیں کیا جو تمہیں کھا جائیں گے۔''

''کسی بھوت سے کم بھی نہیں ہیں!''

زینی کی منہ بنا کے کہی گئی بات پہ فیضان نے ایک بلند بانگ قہقہہ لگایا اور ازلان جو دادی ماں کے کمرے سے نکل رہا تھا، اس نے بھی زینی کی بات سن لی۔

چھوٹی ماں جو اتنی دیر سے زینی اور فیضان کی مبالغہ آرائی دیکھ رہی تھیں، ان کی نظر ازلان پہ پڑی۔ تو انہوں نے ازلان سے زینی کو کالج چھوڑنے کے لیے کہا۔ ان کے آگے تو انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں بنتی تھی۔ اس لیے اس نے ہامی بھرتے ہوئے اسے چلنے کے لیے کہا۔

مرتا کیا نہ کرتا والے مصداق پہ عمل کرتے ہوئے وہ ازلان کے ساتھ چل پڑی۔

''تمہارا کالج تو آٹھ بجے لگتا ہے نا؟'' ازلان نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی!''

اس نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا۔

پھر وہ سامنے دیکھ کر گاڑی چلانے لگا اور اس نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ کچھ دیر بعد اس نے زینی کو کالج کے گیٹ پہ اُتارا اور چلا گیا۔ اس کے کالج پہنچتے پہنچتے اس کا پہلا پیریڈ مس ہو چکا تھا۔ رات کھانے کی میز پہ سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ جب اچانک زینی کو صبح والا واقعہ یاد آ گیا۔

''دعا! صبح کالج جاتے ہوئے تم مجھے چھوڑ کر کیوں گئی تھیں؟'' زینی نے دعا کو کہنی مارتے ہوئے پوچھا۔

دعا، جو اپنے ہی خیالوں میں مگن کھانا کھانے میں مصروف تھی، اس اچانک ہونے والے حملہ پہ بوکھلا گئی۔ مگر پھر جلد ہی اس نے اپنی بوکھلاہٹ پہ قابو پا لیا۔

''میں نے تمہیں اتنی دفعہ اٹھایا تھا، لیکن تم پہ کوئی اثر ہی نہیں تھا۔ مجھے لگا شاید تمہارا چھٹی کا ارادہ ہو، اس لیے میں اکیلی ہی چلی گئی۔''

دعا نے لاپرواہی سے کہا۔ دعا کا لاپرواہ انداز دیکھ کر زینی کا تو جیسے خون ہی کھول گیا۔ مگر سب کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے اس نے دعا کو صرف گھورنے پر اکتفا کیا۔

دونوں کو کھسر پھسر کرتا دیکھ کر بڑے ابا ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کیا بات ہے بھئی؟ کس بات پر بحث ہو رہی ہے؟''

بڑے ابا نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

''کچھ خاص نہیں بڑے ابا! بس کالج کی کوئی بات کر رہے تھے۔''

زینی نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔ تو دعا نے حیرت سے اُسے تیور بدلتے دیکھا۔

''اچھا ٹھیک ہے، یہ بتاؤ پڑھائی کیسی جا رہی ہے تم دونوں کی!''

''بہت اچھی جا رہی ہے۔'' اس بار دعا نے جواب دیا۔

''کوئی مشکل تو نہیں ہو رہی نا!''

''نہیں، بالکل بھی نہیں۔''

''چلو یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن پھر بھی ایک بات کان کھول کر سن لو تم دونوں۔ سارا لاڈ پیار اپنی جگہ، لیکن پڑھائی کے معاملے میں نو کمپرومائز، او۔ کے!''

''جی!''

دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

پھر بڑے ابا، رومان اور ذیشان سے ان کی پڑھائی کے بارے میں پوچھنے لگے۔ جب ان دونوں کی طرف سے بھی وہ مطمئن ہو گئے تو وہ کھانے کی میز سے اٹھ گئے۔ ان کی تقلید کرتے ہوئے چھوٹے ابا اور اذلان بھی اُٹھ کر چلے گئے۔

ان تینوں کے اٹھ کر جاتے ہی رومان کو تو جیسے زینی کو چھیڑنے کا موقع مل گیا اور اس نے اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ رومان، زینی اور دعا سے صرف ایک سال بڑا تھا اور عمر کے اتنے تھوڑے فرق کی وجہ سے ان تینوں کی آپس میں خوب بنتی تھی۔

''زینی!''

اُڑتی اُڑتی خبر آئی تھی کہ تمہیں آج بنفس نفیس اذلان بھائی کی معیت میں کالج جانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ قسم سے یار جب سے یہ سنا تھا میرا تو سوچ سوچ کے دل ہلکان ہو رہا تھا کہ پتہ نہیں بچی پہ کیا بیتی ہوگی۔ تم بتاؤ تمہارے کیا تاثرات ہیں آج کے اس دلخراش واقعے پر!''

رومان نے ہاتھ کا مائیک بنا کر اس کے آگے رکھا۔

''بکواس مت کرو۔''

زینی نے رومان کا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

''میں تو ان کے ساتھ جا ہی نہیں رہی تھی، لیکن امی نے زبردستی بھیج دیا۔ جتنی دیر میں گاڑی میں بیٹھی رہی میری تو جان حلق میں اٹکی رہی۔ سارے راستے میں دعائیں مانگتی رہی کہ جلدی جلدی کالج آ جائے اور جیسے ہی کالج آیا تو پھر میں نے نہ آگے دیکھا اور نہ پیچھے، فٹافٹ گاڑی سے اُتری اور تقریباً بھاگتے ہوئے کالج کے اندر چلی گئی۔'' زینی کی آپ بیتی سن کر رومان اور دعا نے اس کے ساتھ مکمل

ہمدردی کا اظہار کیا۔

دادی ماں، جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھی اپنے لاڈلے پوتے کے بارے میں تبصرے سن رہی تھیں، ان سے مزید برداشت نہ ہوا اور وہ اس کی حمایت میں فوراً بولیں۔

''بس بھی کردو، بہت ہوگئیں میرے بچے کی برائیاں۔ تم لوگوں نے تو اسے ہوّا ہی بنالیا ہے۔ بس ذرا غصے کا تیز ہے ورنہ دل کا بُرا نہیں ہے میرا بچہ۔''

دادی ماں کے ایک ایک لفظ سے اذلان کے لیے محبت اور شفقت ٹپک رہی تھی۔

''میری پیاری دادی جان! دلوں کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، مگر بظاہر بھائی کا جو حال ہے نا، وہ لوگوں کو حال سے بے حال کر دیتا ہے۔''

رومان نے پیار سے دادی ماں کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے کہا۔ رومان کی بات پر وہ سب ہنسنے لگے۔

✡............✡............✡

مہرالنساء بیگم کے تین بچے تھے۔ دو بیٹے سکندر اور سالار، اور ایک بیٹی شکیلہ۔ ان کے بڑے بیٹے کی اولاد اذلان، فیضان، رومان اور دعا تھی۔ جبکہ سالار کے دو ہی بچے تھے، زینیا اور ذیشان۔ دونوں بھائیوں سکندر صاحب اور سالار صاحب میں بہت پیار تھا۔ وہ اسلام آباد کے ایک پوش علاقے میں اکٹھے رہتے تھے۔ مہرالنساء بیگم نے اپنے بیٹوں کی شادی اپنے بھائیوں کی بیٹیوں سے کروائی تھی اور کزنز ہونے کے ناطے ان دونوں میں بھی بہت پیار تھا اور شاید اسی پیار و محبت کی وجہ سے وہ سب آج تک اکٹھے رہ رہے تھے۔ اذلان سکندر، مہرالنساء بیگم کا پہلا پوتا تھا اور گھر کا پہلا پوتا ہونے کے ناطے اس نے سب سے خوب پیار سمیٹا۔ اتنا لاڈ پیار ملنے کے باوجود بھی وہ سکول میں بہت برائٹ سٹوڈنٹ تھا۔ کالج میں بھی وہ اساتذہ کی نگاہوں کی مرکز تھا۔ اذلان نے اسلام آباد کی کامسیٹ یونیورسٹی سے ایم۔ بی۔ اے کیا تھا اور اب اپنے بڑے ابا اور چھوٹے ابا کے ساتھ ان کے مشترکہ کاروبار کو سنبھال رہا تھا۔

وہ شروع ہی سے بہت سنجیدہ اور کم گو تھا اور اپنی عمر کے لڑکوں سے بہت الگ اور منفرد بھی۔ اور اپنی اسی انفرادیت کی وجہ سے وہ ہمیشہ لڑکیوں کی توجہ کا مرکز رہا۔ یونیورسٹی میں بھی لڑکیاں اذلان کی ذہانت اور خوداعتمادی کے ساتھ ساتھ اس کی خوبصورتی کی بھی مداح تھیں۔ اذلان سکندر بھرپور مردانہ وجاہت کا مالک تھا۔ اور اس کی اسی خوبصورتی سے متاثر ہوکر بہت سی لڑکیوں نے اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا مگر اس نے کبھی بھی کسی لڑکی کی حوصلہ افزائی نہیں کی، بلکہ اس کا سرد اور سخت رویہ لڑکیوں کو خود ہی پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیتا۔

✡............✡............✡

''امی...... امی......! اس کے چیخنے کی آواز سن کر سب اپنی اپنی جگہ ساکت ہوگئے۔ ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے سب ہی نفوس ناشتہ چھوڑ

کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کیونکہ سب ہی جانتے تھے کہ یہ آواز کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ یہ طوفان کبھی کبھی ہی آتا، مگر جب بھی آتا اپنے ساتھ بڑی تباہی لے کر آتا۔ اس لیے اس طوفان کا سامنا کرنے کی ہمت کوئی بھی اپنے اندر نہ پاتا سوائے بڑی ماں کے۔ اس وقت بھی بڑی ماں ہی اس سونامی کا مقابلہ کرنے کے لیے سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔ اذلان سمیت سب بچوں کے کمرے اوپر والے پورشن میں تھے۔ جبکہ بڑے نیچے والا حصہ استعمال کرتے تھے۔

''کیا بات ہے اذلان! کیوں شور مچا رہے ہو؟''

بڑی ماں نے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''امی! میں نے آپ سے کتنی دفعہ کہا ہے کہ میری چیزوں کو کوئی ہاتھ نہ لگایا کرے۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ میری اتنی سی بات کسی کو سمجھ کیوں نہیں آتی!''

اذلان نے اپنے غصے پہ قابو پاتے ہوئے کہا۔

''اب کس نے کس چیز کو چھیڑ دیا تمہاری!''

''میں نے بلو کلر کی شرٹ الماری میں رکھی تھی، اب نہیں ہے۔ آج آفس میں میری پریزینٹیشن ہے اور مجھے وہ شرٹ پریزنٹیشن میں پہن کے جانی ہے۔''

''اچھا تم رکو، میں خود دیکھتی ہوں، ادھر ہی ہوگی۔''

''نہیں ہے امی! میں دیکھ چکا ہوں۔''

''تو بیٹا، کوئی اور شرٹ پہن لو۔ اتنی ساری شرٹس تو ہیں تمہاری۔''

بڑی ماں نے اسے سمجھانے کی ناکام سی کوشش کی۔

''امی! میں بلو شرٹ کے لیے ذہن بنا چکا ہوں اور یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں اگر ایک دفعہ کسی چیز کے لیے ذہن بنا لوں تو وہی کرتا ہوں۔''

''اچھا ٹھیک ہے! تم آرام سے یہاں بیٹھو، میں ملازمہ سے پوچھتی ہوں اس نے نہ کہیں رکھ دی ہو۔''

بڑی ماں نے اسے بیڈ پہ بٹھایا اور خود نیچے آگئیں۔ کچھ دیر بعد وہ شرٹ لے کر اس کے کمرے میں آگئیں اور شرٹ اسے تھماتے ہوئے بولیں۔

''یہ لو اپنی شرٹ جس کے لیے تم نے اتنا شور مچا رکھا تھا۔''

''کہاں سے ملی آپ کو یہ شرٹ؟''

''ملازمہ نے پریس کر کے فیضان کے کپڑوں کے ساتھ اس کی الماری میں رکھ دی تھی، وہاں سے لے کر آئی ہوں۔''

''امی! میں نے آپ سے کتنی دفعہ کہا ہے کہ میری چیزوں کا خیال آپ خود رکھا کریں۔ یوں ملازموں کے سر پہ مت چھوڑا کریں۔'' اذلان نے برہم ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے! آئندہ میں خود دیکھا کروں گی تمہارے کام۔ اب جلدی سے تیار ہو کے نیچے آجاؤ، میں تمہارے لیے ناشتہ لگواتی ہوں۔''

بڑی ماں اسے ہدایت دے کر نیچے آگئیں اور وہ جلدی جلدی آفس کے لیے تیار ہونے لگا۔

فیضان کو ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھا دیکھ کر بڑی ماں سیدھا اس کے پاس ہی آگئیں۔

''زینی اور دعا کالج چلی گئیں؟''

بڑی ماں نے فیضان سے پوچھا، جو چائے پینے کے ساتھ ساتھ اخبار بھی دیکھ رہا تھا۔

''جی ماں! ان کی وین آگئی تھی اس لیے چلی گئیں۔ آپ بتائیں بھائی صبح صبح اتنے غصے میں کیوں ہیں۔''

فیضان نے اخبار ایک سائیڈ پر رکھی اور مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''بس بیٹا! تم تو جانتے ہو غصہ تو ہر وقت ناک پہ دھرا ہوتا ہے اس کی۔ بس ذرا سی شرٹ نہ ملنے پہ اتنا ہنگامہ برپا کیا ہوا تھا۔''

فیضان، بڑی ماں کی بات پر مسکراتا ہوا کرسی سے اٹھا اور انہیں اللہ حافظ کہتا یونیورسٹی چلا گیا۔ بڑی ماں اپنے اس ہنستے مسکراتے بیٹے کو دروازے تک چھوڑنے آئیں جو ایم۔ کام کے فائنل سمسٹر میں تھا۔ اذلان اور فیضان میں صرف دو سال کا فرق تھا، مگر ان دونوں کی عادتوں اور مزاج میں زمین آسمان کا تضاد تھا۔ فیضان، اذلان کی نسبت بہت نرم خُو اور دوستانہ مزاج کا مالک تھا اور اپنے اسی دوستانہ رویے کی وجہ سے وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں کافی پاپولر تھا۔

اذلان تیار ہو کر نیچے آیا تو سیدھا دادی ماں کے کمرے میں چلا گیا۔ ان سے ملنے کے بعد وہ باہر آیا تو بڑی ماں نے اسے ناشتے کے لیے کہا مگر وہ انکار کرتا اور یہ کہتا ہوا کہ ''آفس میں ہی کر لوں گا'' چلا گیا۔

بڑی ماں نے تاسف بھرے انداز میں اپنے اس لاڈلے بیٹے کو دیکھا جس کی انوکھی عادتیں اور شاہانہ مزاج اکثر انہیں پریشانی میں مبتلا کر دیتا تھا۔

''یار! آج کالج میں بہت کام تھا اس لیے تھک گئی۔''

دعا نے بیڈ پہ تقریباً گرنے والے انداز میں لیٹتے ہوئے کہا۔

"دعا! تم تو صرف تھک گئی، جبکہ میں تو تھکنے کے ساتھ ساتھ اُکتا بھی گئی۔"

"کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ میری ساری زندگی گھر سے کالج اور کالج سے گھر آتے جاتے ہی گزر جائے گی۔"

اس کے چہرے پہ اس وقت اتنی کوفت اور بیزاری تھی کہ دعا کو ہنسی آ گئی۔

"اور سونے پہ سہاگہ، بڑے ابا نے ہمارا ایڈمیشن بھی ایسے کالج میں کروایا ہے جہاں نہ کوئی تھرل ہے اور نہ مزہ، اتنے بور کالج میں میرا دل نہیں کرتا پڑھنے کو، اور اوپر سے بی۔ایس۔سی کے اتنے مشکل ٹیکنکس۔ اللہ اللہ کر کے ایف۔ایس۔سی کی تھی، بڑے ابا نے پھر سے بی۔ایس۔سی میں پھنسا دیا۔ کیا تھا اگر وہ مجھے بی۔اے میں ایڈمیشن لینے دیتے۔"

زینی نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ اس کی باتیں سن کے دعا سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔

"زینی! تم تو جانتی ہو کہ ابو کی کتنی خواہش ہے مجھے اور تمہیں ایم۔ایس۔سی کروانے کی۔ اور اسی لیے انہوں نے ہمیں شہر کے سب سے اچھا اور مشہور کالج میں ایڈمیشن لے کر دیا ہے تاکہ ہمارے نمبر اچھے آئیں اور ہمیں کسی بھی یونیورسٹی میں باآسانی داخلہ مل سکے۔"

دعا نے رسانیت سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ مگر وہ بھی زینی تھی، اپنے نام کی ایک۔ اس نے بھی اس کی ساری باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال کر اور اس کی ساری سنجیدگی اور رسانیت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی ہی کہنی شروع کی۔

"لیکن دعا! تم یہ بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے پڑھائی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا دل نہیں لگتا ان موٹی موٹی اور بے جان کتابوں میں۔ میرا من موجی ہے۔ اور میرا یہ موجی مَن مجھے کہتا ہے کہ میں آزاد فضاؤں میں پرندوں کی طرح اُڑوں، گھوموں، پھروں، ناچوں، گاؤں، وہ سب کچھ کروں جو میرا مَن کرے۔ مجھ سے یہ پابندی والی زندگی نہیں گزاری جاتی۔"

زینی نے پُر جوش انداز میں کہا۔ جبکہ دعا اسے دیکھ کر تاسف سے گردن ہلانے لگی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسے سمجھانا بجھانا بالکل بیکار تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے! اب اپنی یہ تقریر بند کرو اور اٹھ کر لائٹ آف کرو، مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔"

زینی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا جو آنکھوں پہ بازو رکھ کر لیٹ چکی تھی۔ زینی نے دل ہی دل میں اسے خوب صلواتیں سناتے ہوئے اٹھ کر لائٹ بند کی۔ پھر کمرے میں یونہی ادھر سے اُدھر ٹہلتے ہوئے جب اسے کرنے کے لیے کچھ سمجھ نہ سوجھا تو وہ بھی دعا کے ساتھ آ کے لیٹ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں سو گئی۔ کہنے کو تو دعا اور زینی کزنز تھیں لیکن دونوں کی عادات، مزاج اور پسند ناپسند ایک دوسرے سے بہت الگ تھیں۔ یوں سمجھ لیں کہ دعا اگر مشرق تو زینی مغرب تھی۔ دعا بہت سمجھدار، سنجیدہ، پڑھاکو اور ڈرپوک قسم کی لڑکی تھی۔ جبکہ زینی شوخ، چنچل، غیر ذمہ دار، منہ پھٹ اور نڈر۔ ایک دوسرے سے اتنا مختلف ہونے کے باوجود بھی دونوں میں بہت پیار، محبت اور انڈرسٹینڈنگ تھی۔

شام میں جب وہ دونوں سو کر اٹھیں تو فریش ہو کر نیچے آ گئیں۔

''بڑی ماں! کھانے میں کتنا ٹائم ہے، بھوک سے جان نکل رہی ہے۔''

زینی نے کچن میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ان کے گھر میں ہر کام کے لیے ملازم تھے۔ لیکن کوکنگ کا کام بڑی ماں اور چھوٹی ماں ہی کرتی تھیں۔ کیونکہ گھر والوں کو ان کے ہاتھ کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں آتا تھا۔

''بس بیٹا! کھانا تیار ہے۔ باقی سب بھی آ جائیں تو کھانا لگاتی ہوں۔''

''بہت بھوک لگی ہے ماں! دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا۔ کالج سے واپسی پہ تھک ہی اتنا گئے تھے کہ کھانے کا بھی ہوش نہیں رہا اور سو گئے۔''

دعا نے بھی دہائی دی۔

''بس تھوڑی دیر اور صبر کر لو، سب آ جائیں تو کھانا لگا رہی ہوں۔''

بڑی ماں نے انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں باقی سب کے آنے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگیں۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد سب آ گئے اور کھانا ڈائننگ ٹیبل پہ لگ گیا۔ کھانا سب نے بہت اچھے اور پُر سکون ماحول میں بیٹھ کر کھایا۔

کھانا کھانے کے بعد سب لاؤنج میں آ کے بیٹھ گئے۔ ملازمہ نے سب کو کافی سرو کی۔ کافی پیتے ہوئے سب آپس میں گپ شپ لگا رہے تھے کہ اچانک چھوٹے ابا نے اذلان کو مخاطب کر کے کہا۔

''بھئی اذلان میاں! آج کی تمہاری پریزنٹیشن بہت خوب تھی۔ وہاں ہال میں بیٹھے سب لوگ تمہاری بہت تعریف کر رہے تھے۔''

چھوٹے ابا کے منہ سے اپنی تعریف سن کر اس کی گھنی مونچھوں تلے گلابی ہونٹ مسکرانے لگے، اور ایسا کبھی کبھی ہی ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ بہت کم مسکراتا تھا۔

''صبح گھر میں جو طوفان اٹھا کر گئے تھے، اس سے لگ تو نہیں رہا تھا کہ پریزنٹیشن اچھی ہو گی۔''

رومان نے دعا اور زینی کے قریب کھسکتے ہوئے کہا اور شاید رومان کی بات اذلان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ تب ہی مسکراہٹ غائب ہو کر ماتھے کے بل نمودار ہو گئے تھے۔

''تم خود تو بھائی کے ہاتھوں مرو گے، ساتھ ہمیں بھی مرواؤ گے۔''

دعا نے ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھا، جس کی توجہ اب چھوٹے ابا اور بڑے ابا کی باتوں پر تھی۔ کھانا کھانے کے بعد ان دونوں کا واک کا موڈ بن گیا۔ جس کی اجازت لینے کے لیے وہ دادی ماں کے پاس آئیں۔

''دادی ماں! اگر آپ اجازت دیں تو میں اور دعا باہر واک پہ چلے جائیں۔ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔''

زینی نے پیار سے دادی ماں کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! ضرور جاؤ، لیکن جلدی آ جانا۔''

انہوں نے دونوں کو پیار کرتے ہوئے کہا۔ جیسے ہی وہ دونوں گیٹ سے باہر نکلیں تو تازہ ہوا کے جھونکے نے اس کا استقبال کیا۔ نومبر کے اولین دنوں کی یخ بستہ ہوا نے جہاں ان کو سردی کا احساس دلایا وہاں ان کے موڈ پہ بھی بہت خوشگوار اثر ڈالا۔

''یار! اندر کی نسبت باہر تو کافی ٹھنڈ ہے۔''

دعا نے سردی سے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں! مگر یہ ٹھنڈ بھلی لگ رہی ہے۔''

زینی نے سانس کھینچ کر تازہ ہوا اپنے اندر اُتاری۔ پھر وہ دونوں گھر کے باہر والی سڑک پہ آرام آرام سے چلنے لگیں۔ چلتے چلتے دعا نے زینی سے سرسری انداز میں کہا۔

''زینی! تمہیں نہیں لگتا کہ ہم لوگ خوامخواہ ہی ازلان بھائی سے ڈرتے ہیں۔ جبکہ انہوں نے ہمیں تو کبھی کچھ نہیں کہا۔''

''یار! ضروری نہیں ہے کہ انسان منہ سے ہی کچھ کہے، وہ جو ہر وقت شفقت چیمہ بن کے پھرتے رہتے ہیں، کیا وہ کافی نہیں ہے ہمارے ڈرنے کے لیے؟''

زینی نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے رکھائی سے جواب دیا۔

''زینی! یہ شفقت چیمہ کون ہے؟''

دعا شش و پنج میں مبتلا حیرت سے پوچھنے لگی۔ جبکہ زینی کا جی اس کی ناقص معلومات پہ ماتم کرنے کو چاہا۔

''کوئی نہیں، یہ تمہارے سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں۔ چلو کوئی اور بات کرتے ہیں۔''

دعا ابھی بھی شفقت چیمہ کو لے کر کشمکش میں مبتلا تھی۔

''دعا! کتنے دن ہو گئے ناں ہمیں کہیں آؤٹنگ پر گئے ہوئے۔ میں تو بور ہو گئی ہوں اس لف روٹین سے۔ چلو کہیں گھومنے پھرنے جانے کا پلان بناتے ہیں۔''

زینی نے دعا کا دھیان ہٹانے کے لیے کہا۔ اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئی۔

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اس سنڈے کو دامن کوہ کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ اس طرح ہمارے مائنڈ بھی فریش ہو جائیں گے اور پڑھائی بھی اچھے طریقے سے ہو گی۔''

دعا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ہاں ٹھیک ہے، لیکن میری ایک شرط ہے۔'' زینی نے شرارت بھری نظروں سے دعا کو دیکھا۔

’’شرط......! کیسی شرط؟‘‘ دعا نے حیرت سے پوچھا۔

’’شرط یہ ہے کہ دامن کوہ جاتے ہوئے گاڑی میں چلاؤں گی۔‘‘ زینی نے گویا اعلان کرتے ہوئے کہا۔ جبکہ دعا نے زینی کے اس اعلان کی بھرپور مخالفت کی۔

’’نہیں، بالکل بھی نہیں۔ ہمیں دامن کوہ جانا ہے، اوپر نہیں۔ ایک تو دامن کوہ کے راستے اتنے خطرناک ہیں اور اوپر سے تمہاری اتنی ریش ڈرائیونگ، نہ بابا نہ، تم اپنے یہ شوق کہیں اور جا کے پورے کرنا۔‘‘

’’دعا! ایک تو تم ڈرتی بہت ہو، کچھ نہیں ہوگا ایسا ویسا۔‘‘

ابھی ان دونوں کے درمیان یہ بحث جاری ہی تھی کہ سامنے سے ایک کتا آ گیا اور اسے دیکھتے ہی دعا نے ڈر کے چیخ ماری۔

’’کیا ہوا، کیوں چیخ رہی ہو؟‘‘

زینی نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ کیونکہ وہ دعا کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظر ابھی تک کتے پہ نہیں پڑی تھی۔

’’زینی! کت......تا......!‘‘ دعا نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ زینی نے مڑ کر کتے کو دیکھا جو ان دونوں کو دیکھ کر زور و شور سے بھونکنے لگا تھا۔ ڈر کے مارے انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ پھر جو خیال فوراً انہیں آیا، وہ بھاگنے کا آیا۔ دعا نے وقت ضائع کیے بغیر بھاگنا شروع کر دیا۔ دعا کو بھاگتے دیکھ کر زینی نے بھی بھاگنے کا سوچا۔ ان دونوں کو بھاگتے دیکھ کر کتے کو بھی غیرت آ گئی۔ کتا آگے پیچھے، اوپر نیچے اُچھل کر وارم اَپ ہونے کے بعد ان کے ساتھ ریس میں شامل ہو گیا۔ اب سب سے آگے دعا تھی، پھر زینی اور پھر کتا۔ انہیں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ان کے درمیان کوئی اولمپکس ریس ہو رہی ہو اور وہ تینوں جیت کے لیے کوشاں ہوں۔ اسی تگ و دو میں وہ دونوں بھاگتی بھاگتی گھر کے پاس پہنچ گئیں۔ صد شکر کہ گھر کا گیٹ کھلا تھا جسے دھکیل کر وہ جلدی جلدی اندر آ گئیں۔ جیسے ہی وہ دروازہ بند کر کے مُڑیں تو ان کی نظر لان میں کھڑے اذلان پہ پڑی جو فون پہ کسی سے بات کرتے ہوئے انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔ اذلان پہ نظر پڑتے ہی ان دونوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے اور جو تھوڑی بہت جسم میں جان باقی تھی، وہ بھی چلی گئی۔

’’کیا ہوا، یہ شور کیسا تھا؟‘‘ اذلان نے فون بند کر کے ان کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

اس کے پوچھے گئے سوال پہ وہ دونوں ہونقوں کی طرح ایک دوسری کی شکل دیکھنے لگیں۔ ان دونوں کو اس طرح خاموش دیکھ کر اسے بہت غصہ آیا اور اس نے غصے سے دانت پیستے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

’’میں تم دونوں سے کچھ پوچھ رہا ہوں؟ بتاؤ یہ شور کیسا تھا؟‘ اذلان کی طرف دیکھے بنا بھی وہ اس بات کا اندازہ لگا سکتی تھیں کہ وہ اس وقت بہت غصے میں تھا۔ اس لیے اس کے غصے کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو مزید ہوا دیے بغیر دعا نے ہمت کر کے جواب دے ہی دیا۔

’’وہ بھائی! ہمارے پیچھے کتا لگ گیا تھا۔‘‘

دعا نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔جبکہ زینی سوچ میں پڑ گئی کہ کیا ان کے پیچھے لگا تھا یا انہوں نے خود اسے اپنے پیچھے لگنے کی دعوت دی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے! اندر جاؤ، اور یہ کوئی وقت ہے گھر سے نکلنے کا۔''

اسے شاید ان دونوں کی حالت پہ ترس آ گیا تھا، اس لیے تھوڑا نرم پڑ گیا۔

ویسے بھی وہ زیادہ بولنے کا عادی نہیں تھا۔وہ زبان کا کام بھی آنکھوں سے ہی لیتا تھا۔اس کی آنکھیں بولتی تھیں۔اگر وہ غصے میں ہوتا تو اس کی آنکھیں ہی اگلے کی روح فنا کر دیا کرتی تھیں۔

اس کی طرف سے جانے کی اجازت ملتے ہی انہوں نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی اور شکر ادا کیا کہ بچ گئے۔

''دعا! تمہیں کیا ضرورت تھی چیخنے کی اور دوڑنے کی!''

زینی نے اپنی پھولی ہوئی سانسیں بحال کرتے ہوئے غصے سے کہا۔

''نہیں تو پھر میں کیا کرتی۔اس سے ہیلو ہائے کرتی، حال چال پوچھتی، اپنے ساتھ گھر چلنے کی دعوت دیتی؟ زینی! تم بھی نہ کبھی کبھی حد کرتی ہو۔''

دعا غصے سے کہتی کچن میں پانی پینے چلی گئی۔جبکہ زینی حیرت زدہ سی اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی۔

✡..........✡..........✡

اتوار چونکہ چھٹی والا دن تھا اس لیے اسے ہر کوئی اپنے انداز میں انجوائے کرتا تھا۔گھر میں بھی چھٹی والے دن کی مصروفیت عام دنوں سے ذرا ہٹ کے ہوتی تھی۔اس دن سب تھوڑا دیر سے اٹھتے تھے۔بڑی ماں اور چھوٹی ماں اتوار والے دن ذرا اسپیشل قسم کا ناشتہ بناتی تھیں جسے سب خوب انجوائے کرتے تھے۔اس وقت بھی وہ دونوں کچن میں آلو والے پراٹھے اور ساتھ پودینے کی چٹنی بنا رہی تھیں، اور وہ سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتے کے انتظار میں تھے۔ناشتے سے فارغ ہو کر سب اپنے اپنے مصروف ہو گئے۔بڑے ابا اور چھوٹے ابا ٹی۔وی پر کوئی نیوز چینل دیکھنے لگے، بڑی ماں اور چھوٹی ماں ملازمہ کے ساتھ کچن سنبھالنے لگ گئیں۔دادی ماں لاؤنج میں رکھے اپنے مخصوص پلنگ پر جا کے بیٹھ گئیں۔انہیں وہاں بیٹھا دیکھ کر اذلان اور فیضان بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔باقی رہی دعا اور زینی، تو وہ دونوں ایک کونے میں سر جوڑے بیٹھیں سنجیدگی سے ایک مسئلے پر غور کر رہی تھیں۔کافی دیر رومان کو پٹانے کی پلاننگ کرنے کے بعد بھی زینی کا دل شش و پنج میں مبتلا تھا۔اسے ابھی بھی تسلی نہیں ہو رہی تھی کہ رومان ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آئے گا بھی یا نہیں۔

''دعا! رومان ہمیں دامن کوہ لے جانے کے لیے مان تو جائے گا ناں!''

زینی نے یقین و بے یقینی کی کیفیت میں دعا سے پوچھا۔

''ہاں ہاں! مان جائے گا۔ آؤ اس سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔'' دعا نے اسے یقین دلایا۔

پھر وہ دونوں باہر کار پورچ میں آگئیں، جہاں وہ کار دھونے میں مصروف تھا۔

''رومان! کیا کر رہے ہو؟'' زینی نے بہت لگاوٹ سے احمقانہ سوال پوچھا۔

''نظر نہیں آرہا، گاڑی دھو رہا ہوں۔''

''ہم کچھ مدد کریں تمہاری!'' زینی نے رومان کے روکھے پھیکے جواب کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے لہجے میں شیرینی گھول کے دوبارہ پوچھا۔

''نہیں، میں خود ہی کرلوں گا۔'' اب کی بار رومان کچھ محتاط ہوگیا۔ کیونکہ اسے دال میں کچھ کچھ کالا لگ رہا تھا۔

''رومان! ہماری ایک بات مانو گے؟''

''ہاں بولو! ماننے والی ہوئی تو ضرور مانوں گا۔''

''شام کو ہمیں دامن کوہ لے چلو۔''

''اچھا تو یہ بات ہے!'' رومان نے اچھا کو تھوڑا لمبا کھینچا۔

''جب ہی تو میں کہوں تمہیں میری اتنی فکر کب سے ہونے لگی۔ ویسے بڑے ہی افسوس کی بات ہے، تم دونوں اتنی خود غرض ہو کہ جب بھی تمہیں مجھ سے کوئی کام ہوتا ہے تو یونہی میرے آگے پیچھے پھرتی ہو اور کام نکلوانے کے بعد تم دونوں مجھے پوچھتی بھی نہیں ہو۔''

رومان نے تاسف بھرے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

رومان کی بات سن کر زینی کو تو جیسے پتنگے لگ گئے۔

''لے کر جانا ہے تو ٹھیک، نہیں تو اتنی باتیں سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

زینی اپنی ٹون میں واپس آ گئی۔ پھر اس نے دعا کو کہنی مارتے ہوئے غصے سے کہا۔

''تم بھی اپنے منہ سے کچھ پھوٹ دو یا چپ کا روزہ رکھ کر آئی ہو۔ کب سے بُت بن کر کھڑی ہو۔''

''رومان پلیز، لے جاؤ نا! تم ہمارے اچھے بھائی نہیں ہو؟ اس گھر میں ایک تم ہی ہو جو ہماری ہر بات مانتے ہو۔ باقی تو کوئی ہمیں پوچھتا بھی نہیں ہے۔ اگر تم نے بھی آنکھیں پھیر لیں تو ہم کیا کریں گے، کہاں جائیں گے، اپنی باتیں کس سے منوائیں گے۔ رومان پلیز مان جاؤ!''

دعا نے اتنی مسکینوں والی شکل بنائی کہ رومان کو ماننا ہی پڑا۔

''اچھا ٹھیک ہے، زیادہ مکھن لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ شام کو تیار رہنا لے جاؤں گا۔''

''رومان! تم کتنے اچھے ہو۔'' وہ دونوں یہ کہہ کر اس سے لپٹ گئیں۔

''اچھا ٹھیک ہے، اب پیچھے ہٹو مجھے گاڑی دھونے دو۔''

وہ دونوں خوشی خوشی دادی ماں سے جانے کی اجازت لینے آ گئیں۔ دادی ماں کے پاس فیضان اور اذلان کے ساتھ ساتھ اب بڑے ابا اور چھوٹے ابا بھی تھے۔ وہ دونوں بھی دادی ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ اور بہت پیار سے جانے کی اجازت مانگنے لگیں۔

''دادی ماں! میں اور دعا رومان کے ساتھ دامن کوہ جائیں؟''

چھوٹی ماں اور بڑی ماں، جو چائے لے کر ادھر ہی آ رہی تھیں، انہوں نے آتے آتے زینی کی بات سن لی اور دادی ماں کے بولنے سے پہلے ہی بڑی ماں بول پڑیں۔

''نہیں، کوئی ضرورت نہیں ہے رومان کے ساتھ کہیں بھی جانے کی۔''

بڑی ماں نے دوٹوک انکار کرتے ہوئے کہا۔ ان کی طرف سے انکار سن کر وہ دونوں تو خاموش رہیں لیکن بڑے ابا بول پڑے۔

''کیوں بھئی! اس میں کیا مضائقہ ہے اگر وہ دونوں رومان کے ساتھ جانا چاہ رہی ہیں۔ آپ انہیں کیوں منع کر رہی ہیں جانے سے۔''

''میں انہیں جانے سے منع نہیں کر رہی بلکہ میں تو انہیں رومان کے ساتھ جانے سے منع کر رہی ہوں۔ رومان ابھی بچہ ہے، ناسمجھ ہے اور غیر ذمہ دار بھی۔ میں ان دونوں کو اس کے ساتھ جانے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی۔ اللہ نہ کرے کچھ کر کرا کے آ گئے تو!''

چھوٹی ماں نے بھی بڑی ماں کی بات کی مکمل تائید کی، جبکہ وہ دونوں مایوسی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

''امی! رومان اب بچہ نہیں ہے۔ اگر وہ اب بڑا نہیں ہوگا تو کب ہوگا۔ ہم لوگ اس پر ذمہ داری ڈالیں گے تو اسے ذمہ داری کا احساس ہوگا ناں! میرے خیال سے ان دونوں کو اس کے ساتھ جانا چاہیے تاکہ اس کے اندر احساس ذمہ داری پیدا ہو۔'' اذلان نے سنجیدگی اور متانت سے کہا۔

جبکہ وہ دونوں حیرت کی تصویر بنی اذلان کو دیکھنے لگیں، کیونکہ اذلان کا بولنا ان کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ انہیں اس بات کا بالکل گمان نہیں تھا کہ اذلان ان کے حق میں یوں آواز اٹھائے گا۔

''اذلان بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اگر بچیاں رومان کے ساتھ جانا چاہ رہی ہیں تو ہمیں انہیں منع نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں ماں جی! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا!''

چھوٹے ابا نے تصدیقی انداز میں دادی ماں کو دیکھا۔

''ہاں بالکل! ضرور جاؤ۔ میں نے آج سے پہلے تم لوگوں کو کسی بات سے منع کیا ہے جو اب کروں گی۔ مجھے اپنی بچیوں پہ پورا

بھروسہ ہے۔اس لیے جاؤ خوب جی بھر کے جیو اپنی زندگی۔''

دادی ماں نے دونوں کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

مہرالنساء بیگم عام بزرگوں کی نسبت بہت مختلف تھیں۔ وہ دقیانوسی خیالات اور رسم و رواج کی بالکل قائل نہیں تھیں۔ وہ بہت روشن خیال تھیں۔ان کا اپنی بہوؤں کے ساتھ رویہ بھی قابل ستائش تھا اور ان کی بہوئیں بھی انہیں ماں کا درجہ دیتی تھیں۔انہوں نے کبھی اپنے بیٹوں کی زندگی میں بے جا مداخلت نہیں کی تھی اور یہی اصول ان کا اپنے پوتے پوتیوں کے لیے بھی تھا۔شاید یہی وجہ تھی کہ ان کے پوتے پوتیوں کی ان کے ساتھ بڑی دل لگی اور دوستی تھی۔

شام میں جب وہ دونوں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں تو دعا نے اذلان کی حمایت میں بولتے ہوئے کہا۔

''زینی! میں تمہیں کہتی تھی ناکہ اذلان بھائی اتنے سخت نہیں ہیں جتنا ہم انہیں سمجھتے ہیں۔''

پتہ نہیں کیوں دعا کو اپنا یہ سنجیدہ اور کم گو قسم کا بھائی بہت اچھا لگتا تھا۔

''دعا! خیر تو ہے، تمہیں آج کل ان کی ہمدردی کا بڑا ابخار ہو رہا ہے۔''

زینی نے کوٹ شوز پہنتے ہوئے مضحکہ خیز مسکراہٹ اس کی جانب اُچھالی۔

''تو کیوں نہ ہو، میرے بھائی جو ہیں۔'' دعا نے بُرا مانتے ہوئے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے، اذلان بھائی کی شان میں قصیدے تم بعد میں پڑھنا، ابھی جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔ نیچے وہ تمہارا دوسرا بھائی غصے سے لال پیلا ہو رہا ہو گا۔''

پھر وہ دونوں جلدی جلدی تیار ہو کے نیچے آ گئیں جہاں رومان اور ذیشان ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔

''شکر ہے تم دونوں تشریف کا ٹوکرا خود ہی لے آئیں ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا کہ کہیں ایکس توپوں کی سلامی دینی پڑے گی دونوں مہارانیوں کو نیچے اُتارنے کے لیے۔اب جلدی کرو اور گاڑی میں چل کر بیٹھو، اندھیرا ہو گیا تو خاک مزہ آئے گا۔''

رومان نے دونوں کو ٹھیک ٹھاک جھاڑ پلاتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں چپ چاپ ان کے ساتھ گاڑی کی طرف چل دیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اس وقت ایک لفظ بھی منہ سے نکالنا اپنے پاؤں پہ خود کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا۔اس لیے انہوں نے اپنی گز گز لمبی زبانوں کو منہ میں ہی رکھتے ہوئے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

رومان گاڑی کے پاس پہنچ کر ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کے بیٹھنے ہی والا تھا کہ زینی نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''رومان! گاڑی کی چابی مجھے دو، گاڑی میں چلاؤں گی۔''

رومان نے بغیر کسی حیل وحجت کے گاڑی کی چابی زینی کے ہاتھ میں تھما دی۔ چابی زینی کے ہاتھ میں دیکھ کر دعا کے تو جیسے

چہرے کا رنگ ہی اُڑ گیا۔ پھر اس کے لاکھ احتجاج کرنے کے باوجود بھی زینی نے اس کی ایک نہ سنی اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس کی ساتھ والی سیٹ پر رومان بیٹھ گیا اور پچھلی سیٹ پر دعا اور ذیشان بیٹھ گئے۔ دعا نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کلمے اور دعائیں پڑھنا شروع کر دیں۔ دعا کو دیکھ کر ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی جنگی محاذ پر لڑنے جا رہی ہو اور یہ سب اس لیے تھا کیونکہ اسے زینی کی ڈرائیونگ سے بہت ڈر لگتا تھا۔

اب ان کی گاڑی اسلام آباد کی خوبصورت کشادہ اور صاف ستھری سڑکوں پر رواں دواں تھی۔

چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے سڑکوں پر رش معمول سے زیادہ تھا۔ رش ہونے کی وجہ سے زینی بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ اس کو احتیاط سے گاڑی چلاتا دیکھ کر دعا نے بھی سکون کا سانس لیا۔ مگر جونہی گاڑی مین ہائی وے سے دامن کوہ کے سائن بورڈ کی جانب مُڑی تو رش تھوڑا کم ہو گیا اور زینی بھی اپنی آئی پر آ گئی۔ زینی نے گاڑی سو کی سپیڈ پر دوڑانی شروع کر دی۔ جیسے ہی گاڑی کی سپیڈ زیادہ ہوئی تو دعا کے دل کی دھڑکن بھی زیادہ ہو گئی۔

''زینی پلیز! گاڑی آہستہ چلاؤ، میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔''

دعا نے التجا کی، جس کا زینی پر رتی بھر بھی اثر نہ ہوا۔

''دعا! کچھ نہیں ہوتا۔ تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟ بی بریو، لڑکیوں کو اتنا ڈرپوک نہیں ہونا چاہیے۔''

زینی نے دعا کے ڈر کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں دعا! زینی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تم اتنا ڈرتی کیوں ہو۔ زینی کو دیکھو، وہ بھی تو لڑکی ہے لیکن اسے تو ڈر نہیں لگتا۔''

رومان نے زینی کی بات کی تائید کرتے ہوئے دعا کو سمجھایا۔

یہ تو صرف شکل سے لڑکی لگتی ہے، ورنہ روح تو اس میں لڑکوں والی ہے۔'' دعا نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اس کا اس وقت زینی پہ بس نہیں چل رہا تھا۔

دعا کی بات پر زینی ہنسنے لگی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس وقت دعا کو اس پہ بہت غصہ آ رہا تھا۔

''اچھا چھوڑو، یہ سنو اپنی پسند کا گانا۔''

زینی نے دعا کا دھیان بٹانے کے لیے گاڑی میں اس کی پسند کا گانا چلا دیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہو گئی۔

''رومان بھائی! واپسی پہ گاڑی میں چلاؤں گا۔ آپی کو دیکھیں کتنی اچھی گاڑی چلاتی ہیں اور میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں، کالج جانے لگا ہوں، لیکن مجھے ابھی تک اتنی اچھی گاڑی چلانی نہیں آتی۔''

ذیشان نے ستائشی نظروں سے زینی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے یار! واپسی پہ گاڑی تم چلا لینا، چلو اب تو خوش ہو جاؤ۔''

رومان نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

ابھی وہ لوگ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ اچانک پیچھے سے ایک وائٹ کرولا گاڑی آئی اور انہیں کراس کرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

پھر ایک لڑکے نے گاڑی میں سے منہ نکال کر ان کی جانب مضحکہ خیز مسکراہٹ اُچھالی اور گاڑی کے اندر ہو گیا۔ یہ سب دیکھ کے زینی کے تو جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''اس کی اتنی جرأت کہ اس نے زینیا سالار کو کراس کیا!''

زینی نے غصے سے آگ بگولہ ہوتے ہوئے کہا۔

''زینی! سڑک ہمارے باپ کی نہیں ہے جو ہمیں کوئی کراس نہیں کر سکتا۔''

دعا، جو زینی کے خوفناک تیور دیکھ کر اس کے خطرناک عزائم بھانپ چکی تھی، اس لیے اس نے اسے سمجھانے کی ناکام سی سعی کی۔

''تم نے اس کی شکل دیکھی تھی، کیسے دانت نکال رہا تھا ہماری طرف۔''

زینی نے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس کی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''زینی! اس نے تمہیں گاڑی چلاتے دیکھ کر جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ تم ہمارے ملک کے لڑکوں کی چیپ منٹیلٹی سے تو اچھی طرح واقف ہو، چھوڑو دفع کرو۔''

رومان نے بھی زینی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''اب تم دیکھنا میں اس کا دماغ کیسے درست کرتی ہوں۔''

زینی نے تلملاتے ہوئے کہا اور پھر اس نے جارحانہ انداز میں گاڑی تیسرے سے چوتھے گیئر میں ڈالتے ہوئے ایک سو بیس کی سپیڈ سے دوڑانی شروع کر دی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی ہو۔

دعا نے چیخ چیخ کر آسمان زمین ایک کر دیا تھا مگر اس وقت اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اپنی ہی دھن میں لگی ہوئی تھی۔ پھر اچانک اس نے گاڑی کی اسپیڈ اور بڑھاتے ہوئے سائیڈ سے گاڑی نکال کے ان لڑکوں کی گاڑی کے آگے کر دی، پھر اس نے شیشے میں سے ہاتھ باہر نکال کر وکٹری کا نشان بنایا اور اپنا بدلہ لے لیا۔ دونوں لڑکے ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ کیونکہ انہیں ایک لڑکی سے ایسے بدلے کی امید ہرگز نہیں تھی۔

ان لڑکوں سے بدلہ لینے کے بعد اس نے خوشی اور سرشاری سے مسکراتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ قدرے کم کر دی۔

''سکون مل گیا تمہیں، ٹھنڈ پڑ گئی!''

دعا نے اسے مسکراتے دیکھ کر کہا۔ اس کی مسکراہٹ اسے اس وقت زہر لگ رہی تھی۔ زینی نے شیشے میں سے غصے سے بھڑی دعا کو دیکھا تو اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔ پھر دامن کوہ پہنچنے تک دعا کا موڈ بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ زینی نے گاڑی پارکنگ ایریا میں پارک کی۔ پارکنگ ایریا سے اوپر دامن کوہ تک بہت سا پیدل راستہ تھا جسے طے کرنے کے لیے وہ سب خراماں خراماں چلنے لگے۔ راستہ چڑھائی والا ہونے کی وجہ سے وہ چاروں بہت جلدی تھک گئے۔ پھر ایک جگہ رُک کر انہوں نے اپنی پھولی ہوئی سانسیں بحال کیں اور پھر چلنے لگے۔ کافی دیر پیدل چلنے کے بعد جب وہ لوگ اوپر پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔ ڈھلتے سورج کی روشنی میں دامن کوہ کا منظر بہت سحر انگیز لگ رہا تھا۔ دعا اور زینی سیڑھیاں اُتر کے اس جنگلے کے پاس آ گئیں جہاں سے پورے اسلام آباد کا منظر نظر آتا تھا۔ کافی دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد وہ لوگ ایک کافی شاپ کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں انہوں نے کافی کے ساتھ ساتھ کچھ سنیکس بھی لیے۔ شام چونکہ رات میں ڈھل چکی تھی اس لیے انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ واپسی پر گاڑی ذیشان نے چلائی۔ اس لیے ان کا واپسی کا سفر کافی پُرسکون گزرا۔ گھر پہنچنے تک وہ لوگ اتنا تھک چکے تھے کہ انہوں نے سیدھا اپنے اپنے کمروں کی راہ لی۔

✿..........✿..........✿

کالج سے واپس آ کر کھانا کھانے کے بعد وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گئی۔ جیسے ہی وہ کمرے میں آئی تو اس کی نظر دعا پر پڑی جو بیڈ پہ نوٹس پھیلائے بیٹھی تھی۔ دعا کو پڑھتے دیکھ کر زینی نے بُرا سا منہ بنایا اور کارپٹ پہ رکھے کشن پہ بیٹھ گئی۔ عموماً وہ کالج سے آ کر سو جایا کرتی تھی مگر اب چونکہ سردیاں تھیں اور دن بھی چھوٹے تھے، اس لیے دوپہر میں سونے والا کام ختم ہو گیا تھا۔ زینی کو یوں بیٹھے بیٹھے سخت بوریت کا احساس ہوا۔ پڑھنے کا تو اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے بوریت سے بچنے کے لیے اس نے چھت پہ جانے کا ارادہ کیا۔ دعا نے اک سرسری سی نظر اس پہ ڈالی اور دوبارہ نوٹس میں گم ہو گئی۔ دعا کو پڑھائی میں مگن دیکھ کر وہ اک سخت سی نظر اس پہ ڈال کے کھڑے ہو گئی، مگر جیسے ہی وہ کمرے سے باہر جانے لگی تو دعا نے اسے روک کر پوچھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''چھت پہ۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ میں بور ہو رہی ہوں۔''

زینی یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''اچھا رکو، میں بھی آ رہی ہوں۔''

دعا نے پیچھے سے آواز لگائی۔ زینی جب چھت پہ آئی تو ذیشان پتنگ اُڑا رہا تھا۔ اسے پتنگ اُڑاتا دیکھ کے وہ اس کے پاس چلی آئی۔

''ذیشان! پتنگ اُڑا رہے ہو۔''

''جی آپی! آپ کو نظر تو آ رہا ہے، پھر پوچھ کیوں رہی ہیں۔''

ذیشان نے اس کے بے تکے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے کچھ دنوں بعد کالج میں تمہارے ٹرمز ہیں اور تم چھت پہ پتنگ اڑا رہے ہو۔ ادھر دو''

زینی نے ذرا رعب سے اس کے ہاتھ سے پتنگ کی دوڑ کھینچی۔

''آپی! سیدھی طرح کہو نا کہ پتنگ تم نے اُڑانی ہے۔ اتنا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

ذیشان نے بُرا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد دعا بھی اوپر آ گئی اور زینی کو پتنگ اُڑاتا دیکھ کر اسے شدید کوفت محسوس ہوئی۔

''زینی! یہ کیا، میں تو چھت پہ تم سے باتیں کرنے آئی تھی اور تم ہو کہ پتنگ اُڑا رہی ہو۔''

دعا نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ اسے زینی کے یہ مردانہ شوق ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔

''یار! باتیں تو ہم ہر وقت کرتے ہیں، آؤ پتنگ اُڑاتے ہیں۔''

''نہیں، مجھے کوئی شوق نہیں ہے پتنگ اُڑانے کا، تم خود ہی اُڑاؤ۔''

دعا نے چھت پہ رکھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

''دعا! تم ہر وقت اتنی سڑی ہوئی کیوں رہتی ہو؟''

زینی نے اس کا بگڑتا موڈ دیکھ کر مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''کیونکہ تم ہر وقت مائی منڈا جو بنی رہتی ہو۔''

دعا نے دوبدو جواب دیا۔

''آپی! آپ لوگ بعد میں لڑ لینا۔ وہ دیکھیں وہ سرخ والی پتنگ بار بار آپ کی پتنگ کو کاٹنے کے لیے ادھر آ رہی ہے۔''

ذیشان نے زینی کی توجہ دوسری جانب مبذول کروائی۔

''تم صبر کرو، ابھی دیکھنا میں اس پتنگ کا کیا حال کرتی ہوں۔''

زینی نے جوش میں آتے ہوئے کہا۔

ایسی کسی بھی صورتحال میں اس کے اندر کا سلطان راہی فوراً ہی باہر آ جاتا۔ زینی کو پیچا لڑاتے دیکھ کر دعا بھی اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔

اذلان آج گھر پہ ہی تھا۔ اس کی طبیعت کچھ ناساز تھی جس کی وجہ سے وہ آفس نہ جا سکا۔ کمرے میں لیٹے لیٹے جب وہ تھک گیا تو

تھوڑی دیر دھوپ میں بیٹھنے کے خیال سے وہ چھت پہ آ گیا۔ جیسے ہی اس نے چھت پہ قدم رکھا تو اس کی نظر ذیشان، دعا اور زینی پہ پڑی۔ زینی پتنگ اُڑا رہی تھی جبکہ دعا اور ذیشان اس کے ساتھ کھڑے تھے۔ اذلان ان دونوں کو دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا۔ ان تینوں کی اس کی جانب سے پشت تھی۔ اس لیے وہ اسے آتا ہوا نہ دیکھ پائے۔ مگر جیسے ہی وہ ان کے قریب پہنچا تو ذیشان اور دعا نے اسے دیکھ لیا اور اسے دیکھتے ہی وہ دونوں بھاگ کھڑے ہوئے، جبکہ وہ اپنے پیچ میں اس قدر مگن تھی کہ نہ تو اسے دعا اور ذیشان کے بھاگنے کا پتہ چلا اور نہ ہی اذلان کے آنے کا، اور اس کے پاس آ کے کھڑے ہونے کا۔ اذلان نے پہلے نظر اٹھا کر آسمان پہ اس کی پتنگ کو دیکھا اور پھر اسے دیکھا۔ اسے یوں مہارت سے پتنگ اُڑاتا دیکھ کر اذلان کی نظروں میں اس کے لیے ستائش کا تاثر اُبھرا۔ اس کا یہ انوکھا سا رُوپ دیکھ کر ایک دلکش سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کے ٹھہر گئی۔ اذلان پتنگ اُڑاتی زینی کا بغور جائزہ لینے لگا۔ اس نے جینز کی پینٹ پہ لانگ شرٹ اور جیکٹ پہنی ہوئی تھی جسے اس نے آستینوں سے فولڈ کیا ہوا تھا۔ دوپٹہ اس نے مفلر کی طرح گلے میں لپیٹا ہوا تھا اور اس کے بالوں کی چند آوارہ لٹیں ہوا کے زور سے بار بار اس کے چہرے پہ آ رہی تھیں جنہیں وہ سر جھٹک کر پیچھے کر رہی تھی۔ ''بوکاٹا!''

زینی نے اپنے مخالف کی پتنگ کاٹتے ہوئے خوشی سے نعرہ لگایا۔ پتنگ کاٹ کر وہ اتنی خوش ہوئی کہ خوشی سے اُچھلنے لگی۔ اُچھلتے اُچھلتے اچانک اس کی نظر اپنے ساتھ کھڑے اذلان پہ پڑی تو اس کی خوشی کو بریک لگ گئی۔ وہ حیرت سے اپنے ساتھ کھڑے اذلان کو دیکھنے لگی جو سفید شلوار قمیض کے اوپر کالی اون کی چادر لپیٹے کھڑا بڑی محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کو ان دونوں کی نظریں ملیں اور وہ نظریں جھکا گئی۔ پھر زینی نے نظریں گھما کر پوری چھت پر دیکھا، مگر اسے دعا اور ذیشان کہیں نظر نہ آئے۔ ان دونوں کو غائب دیکھ کر زینی نے دل ہی دل میں انہیں خوب گالیاں دیں اور پھر معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس نے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔ بھاگنے کا خیال آتے ہی اس نے پتنگ کی ڈور اذلان کے ہاتھ میں تھمائی اور خود بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اُتر گئی۔ اذلان نے حیرت سے پہلے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ڈور کو دیکھا اور پھر سیڑھیاں اُترتی زینی کو۔ اس کے یوں ڈر کے بھاگنے پہ وہ کتنی دیر کھڑا مسکراتا رہا۔ زینی تیزی سے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ جیسے ہی وہ کمرے میں آئی تو اس کی نظر کمرے میں بے چینی سے ٹہلتی ہوئی دعا پہ پڑی۔ دعا کو دیکھتے ہی اسے شدید غصہ آیا، مگر وہ اسے نظر انداز کرتی بیڈ پر جا کے بیٹھ گئی۔ دعا نے زینی کو بیڈ پہ بیٹھتے دیکھا تو وہ خود ہی اس کے پاس چلی آئی۔

''کیا ہوا زینی! بھائی سے ڈانٹ پڑی ہے؟''

دعا نے اس کے بگڑے ہوئے موڈ کو دیکھ کر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''نہیں!''

زینی نے مختصر سا جواب دیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دعا کا سر پھاڑ دے۔ اگر وہ اسے بھی اذلان کے آنے کا پتا دے دیتی تو کم از کم وہ سب نہ ہوتا جو ابھی کچھ دیر پہلے ہوا تھا۔

''زینی! تم مجھ سے ناراض ہو؟''

دعا نے زینی کو خاموش دیکھ کر دوبارہ پوچھا۔

''نہیں نہیں، میں تو بہت خوش ہوں۔ تم مجھے موت کے منہ میں اکیلا جو چھوڑ آئی تھی۔''

زینی نے تپ کے جواب دیا۔

''تو میں کیا کرتی، بھائی اتنی اچانک چھت پہ آ گئے تھے کہ مجھے اور ذیشان کو کچھ سمجھ ہی نہیں آیا اور ہم دونوں وہاں سے بھاگ گئے۔ ہمارے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ بھائی اس طرح یوں اچانک چھت پہ آ جائیں گے اور جہاں تک بات ہے تمہاری، تو تم پتنگ اُڑانے میں اتنی مگن تھیں کہ تمہیں اپنے اردگرد کا ہوش ہی کہاں تھا۔''

دعا نے اپنی پوزیشن کلیئر کرتے ہوئے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

''ہاں، واقعی! ہوش تو مجھے اس وقت آیا جب میں نے پتنگ کاٹنے کی خوشی میں اُچھلتے ہوئے تمہاری جگہ تمہارے بھائی کو کھڑے دیکھا۔''

زینی نے اپنی بے خبری پہ شرمندہ ہوتے ہوئے بتایا۔

''پھر......؟ پھر کیا ہوا......؟'' دعا متجسس ہوئی۔

''پھر کیا، مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ جلدی جلدی میں، میں نے پتنگ کی ڈور ان کے ہاتھ میں پکڑائی اور بھاگ کے نیچے آ گئی۔''

زینی کی حواس باختگی کی داستان سن کے بے ساختہ اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ جس پہ وہ مزید شرمندہ ہو گئی۔

''دعا! اب کیا ہو گا۔ مجھے تو ان سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا۔ اب اس واقعے کے بعد میں ان کا سامنا کیسے کروں گی۔ میری تو یہی سوچ سوچ کے جان نکلی جا رہی ہے۔''

زینی نے دعا کو خاموش دیکھ کر بے چارگی سے کہا۔ اسے تو خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہے۔ کیونکہ معاملہ ہی اس قدر سنگین تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا، تم ایسا کرنا کہ ایک دو دن ان کے سامنے مت آنا۔''

''جب تم ان کے سامنے نہیں آؤ گی تو وہ خود ہی بھول جائیں گے اس بات کو۔''

دعا نے زینی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اس وقت اس کی شکل اتنی روہانسی ہو رہی تھی کہ اسے اس پہ ترس آنے لگا۔

''دعا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے میں ان کے سامنے نہ آؤں۔''

''چلو ٹھیک ہے، آگے پیچھے میں ایسا کر بھی لوں، لیکن ڈائننگ ٹیبل پہ تو میرا ان سے سامنا ہوگا نا!''

زینی نے اس کی بات سے اختلاف کیا۔

''اس بات کا بھی حل ہے میرے پاس۔''

دعا نے پُر سوچ انداز میں کہا۔

''تم ایسا کرنا کہ ابھی رات کے کھانے پہ نیچے نہ جانا، میں کوئی نہ کوئی بہانا کردوں گی، ٹھیک! پھر صبح ہمارا ویسے ہی ان سے سامنا نہیں ہوگا کہ وہ آفس لیٹ جائیں گے۔ پھر جب ہم کالج سے واپس آئیں گے تو وہ آفس میں ہوں گے، پھر رات کے کھانے پہ بھی ہم کوئی نہ کوئی بہانہ کردیں گے۔ اس طرح دو دن گزر جائیں گے اور بات آئی گئی ہوجائے گی۔ کیسا؟''

دعا نے سارا پلان بنا کر آخر میں خوش ہوتے ہوئے داد طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔''

دعا کا پلان اسے بھی بہت پسند آیا تھا۔ اس لیے اب وہ کچھ مطمئن سی ہوگئی تھی۔

چھت پہ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد جب اسے وہاں بھی چین نہ آیا تو وہ نیچے آگیا۔ نیچے آنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے سیدھا لاؤنج میں آگیا اور دادی اماں کے تخت پوش پہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

''کیا بات ہے اذلان! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے!''

دادی ماں نے پیار سے اس کے سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''جی بس، سر میں تھوڑا درد ہے۔''

اذلان نے دادی ماں کا ہاتھ اپنے ماتھے پہ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

دادی ماں تسبیح پہ کچھ پڑھ کر اس پہ پھونکنے لگیں۔ اسی اثناء میں اندر سے بڑی ماں آگئیں اور انہوں نے آتے ہی اسے ڈانٹنا شروع کردیا۔

''اذلان! یہ کیا طریقہ ہے، تم اپنے ساتھ اتنی لاپرواہی کیوں کرتے ہو۔ صبح سے تمہاری طبیعت خراب ہے اور تم نے ابھی تک دوائی بھی نہیں لی۔ اس طرح تو تمہاری طبیعت مزید بگڑ جائے گی۔ اب تم چھوٹے تو نہیں ہو کہ میں زبردستی تمہیں دوائی کھلاؤں۔''

بڑی ماں نے ناراضگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا ماں! آپ ناراض نہ ہوں، میں ابھی ٹیبلٹ لے لوں گا۔''

اذلان نے بڑی ماں کو بہلانے کے لیے کہا، حالانکہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اسے تو دوائیاں کھانے سے چڑ تھی۔

''نہیں، اب میں تمہاری ایک نہیں سنوں گی۔ میں ابھی چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے کر آتی ہوں اور وہ تمہیں میری آنکھوں کے سامنے کھانی ہوگی۔''

وہ اسے وارننگ دیتی ہوئی کچن میں چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

وہ اسی طرح دادی ماں کی گود میں آنکھیں بند کیے لیٹا رہا اور دادی ماں اس پر پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہیں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ چھوٹی ماں بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور اس کا سر دبانے لگیں۔ اس نے آنکھیں کھول کر چھوٹی ماں کو دیکھا۔

''چھوٹی ماں! یہ آپ کیا کر رہی ہیں، رہنے دیں۔''

وہ جھجک کر بولا۔

''نہیں بیٹا! کوئی بات نہیں، اس طرح تمہیں سکون ملے گا۔''

چھوٹی ماں نے پیار سے اس کا سر دباتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ دیر اسی طرح اس کا سر دباتی رہیں اور ان کے سر دبانے اسے واقعی بہت سکون ملا۔ پھر مغرب کی اذان ہوگئی تو وہ اور دادی ماں اُٹھ کر نماز پڑھنے چلی گئیں۔ کچھ دیر وہاں لیٹے رہنے کے بعد اذلان بھی ہمت کر کے اٹھا اور مغرب کی نماز ادا کر کے واپس تخت پوش پہ آ کے لیٹ گیا۔

ان کے گھرانے کا تعلق ایک اپر کلاس سوسائٹی سے تھا، اور ایک اپر کلاس سوسائٹی سے تعلق رکھنے کے باوجود بھی وہ لوگ اس سوسائٹی سے بہت مختلف تھے۔ شاید یہ ان کی دادی ماں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہ سب لوگ نماز اور روزے کے بہت پابند تھے۔ اور ان میں وہ بہت سی برائیاں نہیں تھیں جو اس سوسائٹی کے بچوں میں پائی جاتی تھیں۔

''اذلان! یہ لو چائے اور ٹیبلٹ۔''

بڑی ماں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پکارا۔

''ماں! آپ رکھ دیں، میں لے لوں گا۔''

اذلان نے آنکھیں موندے ہوئے ہی کہا۔

''نہیں، ابھی اٹھو اور میری آنکھوں کے سامنے لو۔''

بڑی ماں کا انداز بالکل بے لچک تھا۔ اس لیے چار و ناچار اسے اٹھنا ہی پڑا۔

ٹیبلیٹ لیتے ہوئے اس نے اتنا بُرا منہ بنایا کہ بڑی ماں کو ہنسی آ گئی۔

ابھی وہ چائے ہی پی رہا تھا کہ بڑے ابا اور چھوٹے ابا بھی آفس سے آ گئے اور اس سے اس کی طبیعت کا پوچھ کر اپنے اپنے کمروں

میں فریش ہونے چلے گئے۔

چائے پی کے وہ بھی دوبارہ لیٹ گیا۔

''بھائی! کیا ہوا؟ امی بتا رہی تھیں کہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔''

فیضان یونیورسٹی سے واپس آیا تو سیدھا اس کے پاس چلا آیا۔

''ہاں یار! بس سر میں تھوڑا درد ہے۔ امی تو خواہ مخواہ ہی پریشان ہو رہی ہیں۔''

وہ ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''تو کیوں نہ پریشان ہوں، آپ ان کے لاڈلے جو ٹھہرے۔''

فیضان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا میری چھوڑو، اپنی بتاؤ۔ کہاں غائب ہو آج کل نظر ہی نہیں آتے۔''

اذلان نے فیضان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''کہاں غائب ہونا ہے بھائی! آپ کو تو پتہ ہے یونیورسٹی لائف کتنی مصروف ہوتی ہے۔''

''ہاں! ہوتی تو ہے، پر اتنی بھی نہیں جتنی تمہاری ہے۔ میں بھی تو اسی یونیورسٹی سے پڑھا ہوں، لیکن میں تو اتنا مصروف کبھی نہیں رہا۔''

اذلان نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''بھائی! آپ اپنی بات تو رہنے ہی دیں۔''

فیضان نے کھسیانی انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''آپ نے تو یونیورسٹی میں پڑھائی کم اور توڑ پھوڑ زیادہ کی ہے۔ کتنی معصوم اور خوبصورت لڑکیوں کے دل توڑے ہیں آپ نے۔ قسم سے بھائی! آج بھی یونیورسٹی میں لڑکیاں آپ کی خوبصورتی اور ایٹی ٹیوڈ کی دیوانی ہیں۔''

فیضان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے آنکھ ماری۔

اذلان کو یونیورسٹی چھوڑے ابھی صرف ڈیڑھ سال ہی ہوا تھا۔

''ویسے بھائی! ایک بات تو بتائیں، کیا آج تک آپ کو ایسی کوئی لڑکی نہیں ملی جسے دیکھ کر آپ کا یہ پتھر دل موم ہوا ہو؟''

فیضان نے اس کے قریب کھسکتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

''نہیں!''

اذلان نے اسے ایک گھوری سے نوازا، جس پہ اس کا قہقہہ فلک شگاف تھا۔

''فیضان بیٹا! کیا بات ہے، بہت ہنسی آ رہی ہے آپ کو!''

چھوٹے ابا نے لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''جی چھوٹے ابا! بھائی نے لطیفہ سنایا تھا، بس اسی پہ ہی ہنس رہا تھا۔''

فیضان نے اپنی ہنسی کو بریک لگاتے ہوئے شرارت سے ازلان کو دیکھا جو اس کے جھوٹ بولنے پہ اسے ہی گھور رہا تھا۔

''اچھا! بڑی بات ہے کہ ازلان نے آپ کو لطیفہ سنایا ہے۔''

چھوٹے ابا نے حیرت سے ازلان کی طرف دیکھا۔ ان کے لیے یہ بات ہضم کرنا تھوڑا مشکل ہو رہا تھا۔

''آپ کو حیرت ہو رہی ہے نا؟ مجھے بھی بڑی حیرت ہوئی تھی جب بھائی نے مجھے لطیفہ سنایا تھا۔''

فیضان مسلسل اس کے صبر کو آزما رہا تھا اور وہ بڑی مشکل سے خود پہ ضبط کیے بیٹھا صرف اسے گھوری سے نواز رہا تھا۔ پتہ نہیں چھوٹے ابا فیضان کی شرارت سمجھے تھے یا نہیں، البتہ اب کی بار انہوں نے کوئی جواب دینے کے بجائے صرف مسکرانے پہ ہی اکتفا کیا تھا۔

ازلان آفس سے واپس آیا تو وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ اس نے کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے کا رُخ کیا۔ کمرے میں آتے ہی وہ بیڈ پر گرنے والے انداز میں لیٹ گیا۔ کچھ دیر ایسے ہی لیٹے رہنے کے بعد وہ اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ جب وہ باتھ روم سے باہر نکلا تو وہ نائٹ ڈریس میں ملبوس تھا۔

کمرے میں آتے ہوئے وہ بڑی ماں سے کافی کا کہہ آیا تھا۔ اس پہ تھوڑی ہی دیر بعد ملازمہ کافی لے آئی۔ جسے وہ لے کر ٹیرس پہ آ گیا۔ ٹیرس کا گلاس ڈور کھولتے ہی تازہ اور سرد ہوا نے اس کا استقبال کیا۔ جس نے اس کے وجود میں تازگی اور طمانیت کا احساس بخشا۔ باہر کے خشک اور سرد ماحول میں اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا کافی کا بھاپ اُڑاتا ہوا مگ اسے کافی گرمائش فراہم کر رہا تھا۔

وہ گرما گرم کافی کے سِپ لیتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ جب اس کی نظر سامنے سڑک پر پڑی جہاں زینی بائیک پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ جبکہ رومان اور دعا اس کے پاس کھڑے تھے۔ زینی کو بائیک پہ بیٹھا ہوا دیکھ کے ازلان کے چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔ وہ حیرت سے زینی کے بارے میں سوچنے لگا جو کبھی پتنگ اُڑا کے اور کبھی بائیک چلا کے اسے چونکا رہی تھی۔

ازلان زینی کے بارے میں یہ سوچنے پہ مجبور تھا کہ کیا وہ شروع سے ہی ایسی تھی؟ اگر ہاں، تو پھر ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ اس سے اتنا غافل کیسے تھا۔ بہر حال جو بھی تھا اسے زینی میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی اور یہ اس کے لیے کافی اچنبھے کی بات تھی۔

کیونکہ آج سے پہلے اسے کبھی کسی لڑکی میں دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ یا یوں کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ آج سے پہلے اسے زینی جیسی کوئی لڑکی ملی ہی نہیں۔

وہ بہت منفرد تھی، اور شاید یہی وجہ تھی کہ ازلان اس کی طرف مائل ہو رہا تھا۔ کیونکہ ازلان سکندر کو اپنی جانب کھینچنا کسی عام شخصیت

کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ زینیا سالا رہی تھی جو بہت غیر محسوس انداز میں اس کے دل و دماغ میں جگہ بنا رہی تھی۔

جیسے جیسے رات بیت رہی تھی ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی۔ کافی کے ختم ہوتے ہی وہ اندر کمرے میں واپس چلا گیا۔ جاتے جاتے بھی اس کی نظر سامنے سڑک پر ہی تھی جہاں وہ تینوں ابھی بھی موجود تھے۔

''دعا! آؤ میرے پیچھے بیٹھو، میں تمہیں وہاں تک چکر دلوا کے لاتی ہوں۔''

زینی نے ہاتھ سے سامنے والی سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں، تمہارا کیا بھروسہ مجھے کہیں گرا ہی نہ دو۔''

دعا نے صاف کہا۔

''ارے نہیں گراؤں گی، تم بیٹھو تو سہی۔''

زینی نے اسے یقین دہانی کرائی۔

''نہیں، مجھے تم پہ بالکل یقین نہیں ہے۔''

''آج آخری دفعہ یقین کر کے دیکھ لو!''

زینی نے اصرار کیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، ایک شرط پہ بیٹھوں گی، اگر تم بائیک تیز نہیں چلاؤ گی تو۔''

دعا نے اپنی شرط بتائی۔

''ٹھیک ہے، نہیں تیز چلاؤں گی، اب بیٹھو۔''

زینی نے اس کی شرط مان لی۔

دعا بہت احتیاط سے زینی کے پیچھے بیٹھ گئی اور اس نے زینی کو کس کے پکڑ لیا۔

زینی کو اس کے اس طرح پکڑنے پہ ہنسی تو بہت آئی مگر وہ کنٹرول کر کے بائیک چلانے لگی۔ جاتے ہوئے اس نے بہت آہستہ آہستہ بائیک چلائی، جس پہ دعا مطمئن ہو گئی اور ذرا ریلیکس ہو کے بیٹھ گئی۔ مگر جیسے ہی اس نے واپسی کی راہ لی تو پتہ نہیں اسے کیا شرارت سوجھی کہ اس نے بائیک کو سڑک کے بیچ و بیچ زِگ زیگ کی صورت چلانا شروع کر دیا۔ کبھی وہ بائیک سے ہاتھ اٹھا لیتی اور کبھی پاؤں۔ یہ سب دیکھ کے دعا کے تو ہاتھوں کے طوطے ہی اُڑ گئے۔ اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کے چیخنے چلانے کا بھی اس پہ کوئی اثر نہیں تو اس نے اسے دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔

''زینی! اگر تم نے بائیک صحیح طرح نہ چلائی تو میں بائیک سے چھلانگ لگا دوں گی۔''

دعا کی دھمکی اس پر اثر کر گئی اور اس نے بائیک آہستہ کر دی۔ جیسے ہی گھر قریب آیا تو دعا نے بائیک سے چھلانگ لگا دی اور کھڑے ہو کر زور زور سے سانس لینے لگی اور جب اس کے دل کی دھڑکن ذرا نارمل ہوئی تو وہ تو جیسے زینی پہ پھٹ ہی پڑی جو بائیک کے پاس کھڑی اس کی حالت دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

''تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔ زیادہ سپر وومین بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔ آئندہ میں تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کروں گی اور نہ ہی تمہارے ان کارناموں میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ جو بھی کرنا ہو اکیلی کرنا، سمجھی!''

دعا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہنستی ہوئی زینی کا سر پھاڑ دے۔

''دعا! میں تو صرف مذاق کر رہی تھی تمہارے ساتھ۔ تم اتنا ہائپر کیوں ہو رہی ہو؟''

زینی نے اپنی بتیسی کو اندر کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہیں ہر چیز مذاق لگتی ہے۔ اگر ڈر سے مجھے کچھ ہو جاتا تو۔''

دعا کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

''ایک تو تم ہر چیز سے ڈرتی ہو۔ مجھے دیکھو، میں بھی تو تمہاری طرح ایک لڑکی ہی ہوں۔ لیکن میں تو کسی سے نہیں ڈرتی۔ جب میرے دل میں کسی قسم کا کوئی ڈر خوف نہیں ہے تو پھر تمہارے دل میں کیوں ہے؟''

زینی کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے بھی اسے خوب کھری کھری سنائیں۔

''میری ایک بات یاد رکھنا دعا! آج کل کا جو وقت ہے اس میں ہم لڑکیوں کو کسی بھی چیز سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ ہم جتنا ڈریں گی، یہ زمانہ ہمیں اتنا ڈرائے گا۔ اس لیے یہ ڈرنا ورنا چھوڑو اور بہادر بنو۔''

زینی نے دعا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اچھا! تو تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ تم کسی سے بھی نہیں ڈرتی۔''

دعا کا انداز یکسر تبدیل تھا۔

''ہاں! میں یہ کہہ رہی ہوں کہ میں کسی سے نہیں ڈرتی۔''

زینی نے اکڑ کر کہا۔

''اچھا تو تم ایسے کہہ رہی ہو کہ جیسے مجھے تو کچھ پتہ ہی نہیں۔''

دعا کا لہجہ کچھ جتانے والا تھا۔

''کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔''

زینی کو واقعی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔

''بقول تمہارے کہ تم کسی سے نہیں ڈرتی، تو پھر اذلان بھائی سے کیوں ڈرتی ہو، انہیں دیکھ کر تمہاری جان کیوں نکل جاتی ہے؟''

دعا نے مسکراتے ہوئے اس پہ طنز کیا۔

''میں ان سے ڈرتی نہیں ہوں، وہ مجھ سے بڑے ہیں، میں بس ان کی عزت کرتی ہوں۔''

زینی نے بات بناتے ہوئے کہا۔ جبکہ حقیقت یہی تھی کہ اذلان سے اس کی جان جاتی تھی۔

''واقعی!''

دعا کے چہرے پہ سجی طنزیہ مسکراہٹ اسے زہر لگ رہی تھی۔

''اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو اس میں، میں کچھ نہیں کر سکتی۔''

زینی نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

''مجھے ایک صورت میں یقین آ جائے گا۔''

وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''کس صورت میں؟''

زینی نے لاپرواہ انداز میں پوچھا۔

''اس صورت میں کہ میں تمہیں تین چیلنجز دیتی ہوں۔ اگر تم نے انہیں پورا کر دیا تو میں یہ مان لوں گی کہ تم کسی سے نہیں ڈرتی اور اگر پورا نہ کیا تو آئندہ میرے سامنے یہ ڈائیلاگز مت بولنا کہ میں کسی سے نہیں ڈرتی اور بلاں بلاں۔''

دعا کا انداز اسے جوش دلانے والا تھا۔

''دعا! تم تو جانتی ہو کہ مجھے چیلنجز لینا اور انہیں پورا کرنا کتنا پسند ہے۔ بولو کیا چیلنجز ہیں۔''

زینی نے مسکراتے ہوئے تفاخر بھرے انداز میں کہا۔

''تو پھر سنو!''

چیلنج نمبر 1:۔ آج تک ہم میں سے کوئی بھی اذلان بھائی کے کمرے میں ان کے ہوتے ہوئے نہیں گیا، تم جاؤ گی۔''

چیلنج نمبر 2:۔ آج تک اذلان بھائی نے اپنی گاڑی کسی کو بھی ڈرائیو کرنے کے لیے نہیں دی، تم لو گی۔''

چیلنج نمبر 3:۔ آج تک ہم میں سے کسی نے اذلان بھائی کی کہی ہوئی بات سے انکار نہیں کیا، تم کرو گی۔''

''کہو منظور ہے!''

دعا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں، منظور ہے!'' زینی نے جوش میں آ کے چیلنجز قبول کر لیے۔

''رات بہت ہو گئی ہے، آؤ اندر چلیں۔''

رومان، جو سائیڈ پہ کھڑا کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا، ان دونوں کے قریب آ کے بولا۔

✡.........✡.........✡

''دعا! بس بھی کرو، ایک تو اتنی دیر سے تمہاری تیاری مکمل نہیں ہو رہی۔''

زینی نے دعا کو پھر سے شیشے کے آگے کھڑا ہوتا دیکھ کر کہا۔ آج ان دونوں کے کالج میں فن فیئر تھا، جس کے لیے وہ تیار ہو رہی تھیں۔ زینی کی تیاری تو گن کے پانچ منٹ کی تھی جبکہ دعا کی تیاری کسی صورت مکمل نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بار بار شیشے کے سامنے جا کے کھڑی ہو جاتی اور اپنی تیاری میں کوئی نہ کوئی نقص نکال کے اسے ٹھیک کرنے لگتی۔ پہلے تو زینی نے بہت صبر کا مظاہرہ کیا اور چپ چاپ اسے تیار ہوتے دیکھتی رہی، لیکن جب وہ چوتھی مرتبہ شیشے کے سامنے آ کے کھڑی ہوئی تو زینی کا صبر جواب دے دیا۔ اس نے دعا کو خوب کھری کھری سنائیں۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اس کی شیشے کے سامنے آخری دفعہ تھی۔ خود پہ اک طائرانہ نگاہ ڈال کے وہ زینی کے ساتھ نیچے آ گئی۔ جب وہ تیار ہو کے نیچے آئیں تو اذلان اور دادی ماں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ جبکہ چھوٹے ابا اور بڑے ابا آفس، فیضان یونیورسٹی، رومان اور ذیشان کالج جا چکے تھے۔

وہ دونوں بھی آ کے ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ گئیں۔ چھوٹی ماں نے ان کے آگے ناشتہ رکھا جسے کرنے کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں کہ اب کالج کیسے جائیں۔ کیونکہ آج وین والے نے نہیں آنا تھا۔ اور اس وقت گھر میں صرف ایک گاڑی تھی اور وہ بھی اذلان کی، جس پر جانے کی انہیں ہرگز کوئی امید نہیں تھی۔

اذلان ناشتہ کر کے اٹھ چکا تھا اور آفس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

''اذلان بیٹا! ان دونوں کو بھی کالج چھوڑ دو۔ آج ان کے کالج میں فنکشن ہے اس لیے وین نہیں آئی۔''

دادی اماں ان دونوں کی پریشانی سمجھتے ہوئے بولیں۔ انہیں پتہ تھا کہ آج وین نہیں آئے گی۔

''جی دادی ماں!'' وہ فرمانبرداری سے کہہ کر باہر نکل گیا۔

اگر دادی ماں کے علاوہ اسے کوئی اور یہ فرمان جاری کرتا تو وہ کبھی بھی بجا نہ لاتا، لیکن چونکہ وہ دادی ماں کی کسی بات کو رد نہیں کرتا تھا اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہامی بھرنا پڑی۔

وہ دونوں بھی دادی ماں سے پیار لینے کے بعد گاڑی کی طرف بڑھ گئیں۔ جہاں اذلان کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اذلان بے

خیالی میں گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا ہاتھ میں چابی گھما رہا تھا کہ جب اس کی نظر سامنے سے آتی ہوئی زینی پہ پڑی۔اس نے وائٹ اور لیمن کمبینیشن کا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا جو اس کی گوری رنگت، متناسب جسامت اور لمبے قد پہ بہت کھل رہا تھا۔اسکے سلکی براؤن بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔سلیقے سے کیے گئے نیچرل میک اَپ کے ساتھ وہ اتنی پیاری اور مختلف لگ رہی تھی کہ اذلان سکندر کی اٹھی ہوئی نظریں جھکنا بھول گئیں۔

وہ دونوں پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئیں۔

''میں تم دونوں کا شوفر نہیں ہوں، تم میں سے ایک آگے آ کے بیٹھے۔''

ان دونوں کو پیچھے بیٹھا دیکھ کر اس نے غصے سے کہا۔

اسے غصے میں دیکھ کر دعا جلدی جلدی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کے بیٹھ گئی اور اس کے بیٹھتے ہی اذلان نے گاڑی چلانا شروع کر دی۔

''اور سناؤ! پڑھائی کیسی جا رہی ہے تم دونوں کی۔'' انہیں خاموش دیکھ کر اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''ٹھیک جا رہی ہے بھائی۔'' دعا نے جواب دیا جبکہ زینی خاموش ہی بیٹھی رہی۔زینی کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے بیک ویو مرر سے اسے دیکھا، جو شیشے سے باہر دیکھنے میں مگن تھی۔اس کی نظریں بار بار بھٹک کر پچھلی سیٹ کی طرف جا رہی تھیں جبکہ وہ اس کی بھٹکتی ہوئی نظروں سے بے خبر باہر کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔گاڑی کچھ دیر بعد سگنل پہ رُک گئی اور گاڑی کے رکتے ہی ایک عورت بچی کے ساتھ ان کی گاڑی کی طرف آ گئی۔بچی کے ہاتھ میں پھول تھے اور شاید وہ دونوں سگنل پر کھڑے ہو کے پھول بیچتی تھیں۔

بچی نے گاڑی کے شیشے پر ناک کیا تو اس نے شیشہ نیچے کر دیا۔

''انکل! یہ لے لیں۔'' بچی نے اس کی طرف پھول بڑھاتے ہوئے بڑی آس سے کہا۔

اس نے ایک شفیق سی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے پھول لے لیے اور پیسے دیتے ہوئے اس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''بیٹا! تم سکول جاتی ہو؟'' بچی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اس کے ''کیوں'' پوچھنے پر بچی کی جگہ اس کی ماں نے جواب دیا۔

''صاحب جی! لڑکی ذات ہے، پڑھ لکھ کر کیا کرے گی۔کل کو شادی ہو جائے گی تو گھر اور بچے ہی سنبھالے گی۔''

اذلان کو بچی کی ماں کا جواب سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ آجکل کے دور میں بھی ایسے لوگ ہیں جو لڑکیوں کی تعلیم کے نہ صرف خلاف ہیں بلکہ اسے ایک بیکار چیز سمجھتے ہیں۔

''ایک پڑھی لکھی بچی کے گھر اور بچے سنبھالنے اور ایک اَن پڑھ بچی کے گھر اور بچے سنبھالنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا

ہے۔اگر آپ کی بچی تعلیم یافتہ ہوگی تو وہ اپنی آنے والی نسل کی اچھی تعلیم و تربیت اور پرورش کرے گی۔انہیں کامیاب بنائے گی۔آپ اپنی بچی کو سکول بھیجیں اور اسے تعلیم دلوائیں تا کہ اس کی آنے والی نسل اس طرح سگنل پہ کھڑے ہو کے پھول نہ بیچے۔"

ازلان نے بچی کی ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔پتہ نہیں اس عورت کی سمجھ میں کچھ آیا تھا یا نہیں، مگر اس نے اثبات میں سر ضرور ہلا دیا تھا۔پھر سگنل کھل گیا اور وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔

"بھائی! ہمارے ملک میں آج بھی بہت سے لوگ صرف اس لیے لڑکیوں کو تعلیم نہیں دلواتے کہ کل کو شادی کے بعد انہیں گھر اور بچے ہی سنبھالنے ہیں تو ان کی تعلیم پر پیسہ اور وقت کیوں ضائع کریں۔"

دعا نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہمارے ملک کا یہی تو المیہ ہے کہ ہم لوگ لڑکیوں کی تعلیم کی اہمیت کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔ہم لوگ آج تک یہ بات سمجھ ہی نہیں پائے کہ ایک مہذب اور تعلیم یافتہ ماں ہی اپنی اولاد کی صحیح تربیت کر سکتی ہے۔ایک عورت صرف ماں نہیں ہوتی، بلکہ نسلوں کی امین ہوتی ہے۔اس کی گود میں ایک نسل پروان چڑھتی ہے اور ایک تعلیم یافتہ ماں ہی کی گود میں سکندر اعظم، شیواجی جیسی اولاد پرورش پاتی ہے۔وہ کیا کہتے ہیں کہ:

"ہر کامیاب شخص کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔"

انگریز اس بات کو یوں لکھتے ہیں کہ:

"The hands that rock the cradle, rule the world."

"جو ہاتھ جھولا جھلاتے ہیں حقیقتاً وہی ہاتھ اس دنیا پر راج کرتے ہیں۔"

ازلان نے مسکراتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"بھائی! آپ کی سپیکنگ پاور کتنی اچھی ہے۔آپ کسی بھی موضوع پہ بہت اچھا بول لیتے ہیں۔"

دعا نے ازلان کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔دعا کی تعریف پہ ازلان کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔اس نے کن اکھیوں سے پیچھے بیٹھی ہوئی زینی کو دیکھا، جو ابھی بھی خاموش بیٹھی ہوئی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ان دونوں کی باتیں سننے کے بعد وہ اپنا تجزیہ کرنے لگی۔وہ سوچنے لگی کہ وہ بھی تو عام لوگوں کی طرح پڑھائی کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔وہ بھی تو پڑھائی سے جان چھڑاتی ہے۔ازلان کی باتوں نے اس کے دل پہ بہت گہرا اثر کیا اور اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے ہی دل میں تہیہ کر لیا کہ اب وہ بھی خوب دل لگا کے پڑھے گی اور کبھی بھی کسی کو پڑھائی کے حوالے سے شکایت کا موقع نہیں دے گی۔باتوں ہی باتوں میں ان کا کالج آ گیا اور وہ دونوں اسے اللہ حافظ کہتی کالج کے اندر چلی گئیں۔انہیں اندر جاتا دیکھ کر اس نے بھی اپنے آفس کی راہ لی۔

دعا جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تو آگے زینی کو پڑھتا دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ فوراً اس کے قریب چلی آئی۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' دعا نے زینی کے ماتھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں ٹھیک ہے!'' زینی نے کچھ نا سمجھی کی حالت میں اس کی طرف دیکھا۔

''تو پھر آج سورج یقیناً مغرب سے نکلا ہوگا'' دعا نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

زینی، جو اس کی بات کا مطلب کچھ کچھ سمجھ چکی تھی، اس کی جانب مسکرا کر بولی۔

''نہیں، آج سورج بھی مشرق سے ہی نکلا ہے۔''

''تو پھر یہ انہونی کیسے ہوگئی کہ زینیا سالار، جو پڑھائی کے نام سے بھی چڑتی تھی، آج بیٹھی کتابوں کو شرف ملاقات بخش رہی ہے۔''

دعا نے حیرت سے آنکھیں مزید بڑی کرتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھ لو! معجزے بھی اسی دنیا پر ہی ہوتے ہیں۔'' زینی نے دعا کی حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

دعا سے زینی کا یوں اتنی شرافت سے پڑھنا ہضم نہیں ہو رہا تھا اس لیے وہ تیزی سے اس کے پاس آئی اور بولی۔

''زینی! سچ سچ بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے؟ یہ معجزہ کب، کیسے اور کہاں ہوا؟''

دعا کی بے چینی عروج پر تھی۔

''کیا مطلب؟ یہ سب کیا ہے، اور جہاں تک بات معجزے کی ہے تو وہ تو کبھی بھی اور کہیں بھی ہو سکتے ہیں۔''

زینی نے اس کی بے چینی سے حظ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''زینی پلیز! زیادہ سسپنس کری ایٹ نہ کرو اور مجھے بتاؤ یہ سب کیسے ہوا؟''

دعا کی بے چینی اس کے چہرے سے عیاں تھی اس لیے اس نے اسے مزید تنگ کرنے کا فیصلہ ترک کر کے اسے وہ سب بتا دیا جو اس نے اس دن گاڑی میں محسوس کیا۔ زینی نے دعا کو بتایا کہ کیسے اس کی اور ازلان کی باتیں اس کے دل پہ اثر کر گئیں اور اس نے وہیں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے دل لگا کر پڑھنے اور کچھ بننے کا فیصلہ کر لیا۔ زینی کی بات سن کر دعا کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

''یہ کی نا خوش کرنے والی بات!'' دعا نے ایکٹنگ کرنے کے انداز میں ڈائیلاگ مارا۔

دعا کا ڈائیلاگ سن کر زینی کی ہنسی چھوٹ گئی۔ زینی کو ہنستا دیکھ کر دعا بھی ہنسنے لگی اور خوشی سے ہنستے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔

✡..........✡..........✡

''زینی! کیا کر رہی ہو؟'' دعا نے کمرے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''موبائل پر گیم کھیل رہی ہوں۔''

زینی نے گود میں رکھے پیکٹ میں سے چپس نکال کر کھاتے ہوئے جواب دیا۔

دعا کمرے کے اندر آ گئی اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی اس نے گود میں رکھا ہوا چپس کا پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا، جسے اس نے تھینکس کہہ کر تھام لیا۔

''زینی! تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں کچھ چیلنج دیئے تھے؟''

دعا نے چپس کھاتے ہوئے پُرسوچ انداز میں اسے یاددہانی کرائی۔

''کون سے چیلنج؟''

زینی نے گیم کھیلتے ہوئے مصروف انداز میں پوچھا۔

''تم اتنی جلدی بھول گئی!''

دعا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اچھا ہاں! یاد آیا، دیئے تھے، تو؟''

زینی نے گیم چھوڑ کے مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تو یہ کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تم ان میں سے ایک چیلنج کو پورا کرو۔''

دعا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں، کر دوں گی، اتنی جلدی بھی کیا ہے۔''

زینی نے اس سے نظریں چرائیں۔

''جلدی۔'' دعا نے لفظ جلدی پر زور دیا۔

''میڈم! اس بات کو گزرے کتنے دن ہو چکے اور تم کہہ رہی ہو جلدی۔ تم ایک چیلنج پورا کرنے میں اتنا وقت لگا رہی ہو، باقی کب پورے کرو گی۔''

دعا کی یاددہانی پہ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اس نے جوش میں آ کے چیلنج قبول تو کر لیے تھے مگر اب وہ شیر کی کچھار میں جائے تو کیسے۔

''کیا سوچنے لگیں؟'' دعا نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، کچھ نہیں۔ بس میں یہ سوچ رہی تھی کہ ایک دو دن ٹھہر جاؤ، پھر میں پورا کر دوں گی چیلنج۔'' زینی نے وقتی طور پر جان بچانے کے لیے کہا۔

''نہیں، آج اور ابھی!''

دعا کا لہجہ اٹل تھا۔

''اگر تم نے ابھی چیلنج پورا نہ کیا تو میں یہ سمجھوں گی کہ تم ہار گئی اور تمہارے سارے دعویٰ اور ساری باتیں پانی کا بُلبلہ تھیں جو ہوا کے ساتھ اُڑ گئیں۔'' دعا نے اسے جوش دلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں، ایسے کیسے ہار گئی۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں چیلنج پورا نہیں کروں گی۔ میں تو بس ایک دو دن ٹھہرنے کا کہہ رہی تھی، لیکن اگر تمہاری یہی مرضی ہے کہ میں اسے ابھی پورا کروں تو ابھی سہی، اس میں کون سی بڑی بات ہے۔''

دعا کی لگائی ہوئی ضرب نے بڑا کاری وار کیا اور وہ فوراً ہی جوش میں آ گئی۔ وہ ایسی ہی تھی۔ ہوش سے زیادہ جوش سے کام لینے والی۔

''چلو ٹھیک ہے، یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ پھر تم ایسا کرو کہ تم ابھی ہی بھائی کے کمرے میں چلی جاؤ۔ کیونکہ میں نے اوپر آتے ہوئے انہیں اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔''

''اچھا!'' زینی نے اس کے مشورے پہ سعادت مندی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ مگر فوراً ہی واپس بھی آ گئی۔

''دعا! میں کمرے میں جا کر ان سے کہوں گی کیا؟''

اس نے معصوم سی شکل بناتے ہوئے اس سے پوچھا۔ جس پہ اسے ہنسی بھی آ گئی مگر وہ ضبط کر گئی۔

''یہ تمہارا مسئلہ ہے کہ تم ان سے کیا کہو گی۔''

دعا نے لاپرواہی سے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔ تو وہ مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔

وہ اس کے کمرے کے باہر کھڑی وہ تمام سورتیں اور دعائیں اپنے اوپر پڑھ کر پھونکنے لگی جو بچپن میں اسے یاد کروائی گئی تھیں۔ یہ سب کرنے کے بعد اس نے بڑی آہستگی سے اس کے کمرے کے بند دروازے کو اندر کی جانب دھکیلا جو بعد میں خود ہی کھلتا چلا گیا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے کمرے میں قدم رکھا۔ جیسے ہی اس نے کمرے میں قدم رکھا تو گمبھیر خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

اس نے کمرے میں چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا، مگر وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آیا۔ جب اسے اس کے کمرے میں نہ ہونے کا مکمل طور پر یقین ہو گیا تو وہ خود بخود پُرسکون ہو گئی۔ اس نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے واپسی کے لیے دوڑ لگانی چاہی مگر دعا کا خیال آتے ہی وہ تھم گئی۔

''اگر میں اتنی جلدی واپس چلی گئی تو دعا کو شک ہو جائے گا۔''

اس نے یہ سوچ کے کچھ دیر کے لیے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا۔

وہ کمرے میں چاروں جانب گھوم کے کمر کا جائزہ لینے لگی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی سامنے بیڈ تھا جس کے بائیں جانب

ڈریسنگ اور دائیں جانب کمپیوٹر ٹیبل اور چیئر تھی اور سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک صوفہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے کمرے میں بہت زیادہ کچھ تو نہیں مگر جتنا بھی تھا وہ بہت اعلیٰ اور قیمتی تھا۔ یوں ہی اس کی نظر ڈریسنگ پہ رکھی قیمتی اور برانڈڈ پرفیومز اور سپرے پہ پڑی تو وہ گھوم کے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آ گئی۔ وہاں ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی پرفیوم رکھی ہوئی تھی جو اپنے لگانے والے کے اعلیٰ ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ اس نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر ایک قیمتی پرفیوم اٹھا لی اور سونگھنے لگی۔ اسی اثناء میں وہ واش روم کا دروازہ کھول کے باہر آ گیا۔ اس نے صرف ٹراؤزر اور ویسٹ پہنی ہوئی تھی۔ وہ بے دھیانی میں چلتا ہوا بیڈ کے پاس آیا تو اچانک ہی اس کی نظر ڈریسنگ کے پاس کھڑی زینی پر پڑی۔ اسے اپنے حلیے کی نامناسبت کا شدت سے احساس ہوا اور اسی شرمندگی میں اس نے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کے بیڈ سے اپنی شرٹ اٹھا کے پہن لی۔

باتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس نے بے ساختہ مُڑ کے پیچھے دیکھا تو اس کی نظر ازلان پہ پڑی۔ اس پہ نظر پڑتے ہی اس کی تو جیسے سٹی ہی گم ہو گئی۔ پھر یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا اور بوکھلاہٹ کے مارے پرفیوم کی شیشی اس کے ہاتھ سے گر کے ٹوٹ گئی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس نے شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے جھنجلا کے پوچھا۔

اس کے تو وہم و گمان بھی اس کی موجودگی کا تصور نہیں تھا، کیونکہ آج سے پہلے اس کے کمرے میں اس کی موجودگی میں آنے کی جرأت کسی نے نہیں کی تھی۔

اس کے پوچھے گئے سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لیے گھبراہٹ کے مارے اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو وہ بیٹھ کے کرچیاں چننے لگی۔ کرچیاں چنتے ہوئے اس کے ہاتھ مسلسل کپکپا رہے تھے اور اسی کپکپاہٹ میں اس کے ہاتھ پہ کٹ لگ گیا اور خون بہنے لگا۔

''چھوڑ دو، ملازمہ صاف کر دے گی۔''

ازلان نے اسے کرچیاں چنتے دیکھ کر منع کیا۔

مگر پھر جیسے ہی اس کی نظر اس کے ہاتھ سے بہتے خون پہ پڑی تو وہ تیزی سے اس کے پاس آیا۔ اسے دونوں بازوؤں سے تھام کے اٹھا کے بیڈ پہ بٹھایا اور الماری سے فسٹ ایڈ باکس نکال لایا۔ اس نے روئی سے اس کا خون صاف کرنے کے لیے جیسے ہی اس کا ہاتھ پکڑا تو اس کا ہاتھ برف کی طرف ٹھنڈا تھا۔ اس نے چونک کے اس کی طرف دیکھا جو نظریں جھکائے بیٹھی آہستہ آہستہ کانپ رہی تھی۔ اسے اس کی حالت دیکھ کے بہت ترس آیا۔

''آر یو آل رائٹ؟ تمہارے ہاتھ اتنے ٹھنڈے کیوں ہیں؟''

ازلان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

وہ جو اس کی جانب سے غصے کی منتظر تھی، اس کے یوں نرمی سے پوچھنے پہ اپنا ضبط کھو بیٹھی اور دو آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کے اس کے رخساروں پر بہہ گئے، جنہیں اس نے فوراً ہی اپنے ہاتھ کی پشت سے صاف کر لیا۔

''وہ، میں ڈر گئی تھی۔ مجھے لگا کہ آپ مجھے ڈانٹیں گے۔ میں نے آپ کی اتنی قیمتی پرفیوم جو توڑ دی۔'' اس نے نظریں جھکا کے ڈرتے ڈرتے کہا اور وہ اس کی بات سن کے حیرت زدہ سا گیا۔

''میرے لیے چیزوں سے زیادہ انسان قیمتی ہیں۔ تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں ایک عام سی چیز کے لیے تمہیں ڈانٹوں گا۔ ٹوٹنے کی چیز تھی، ٹوٹ گئی۔''

اس نے بہت نرمی اور متانت سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ حیران تھا کہ وہ اس کے بارے میں یہ گمان رکھتی تھی۔

''اور جہاں تک بات ہے ڈانٹنے کی، تو وہ میں تمہیں ضرور ڈانٹوں گا۔ لیکن پرفیوم کے لیے نہیں۔''

اس نے بات ادھوری چھوڑ کے مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

''پھر کس لیے؟'' اس نے سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ زینی کی نظروں میں پتا نہیں ایسا کیا تاثر تھا کہ اس کا دل ڈوبنے لگا۔

''اس لیے کہ ایک عام سی پرفیوم کے لیے تم نے اپنا اتنا خون بہایا۔'' اس نے تیزی سے نظریں چراتے ہوئے مسکرا کے کہا۔

اسے مسکراتا دیکھ کر جہاں اس کے حلق میں اٹکا ہوا سانس بحال ہوا، وہیں اسے حیرت بھی ہوئی اور اسی حیرت سے وہ ٹکٹکی باندھ کے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

اسے مسلسل اپنی جانب دیکھتا پا کے اس نے پوچھا۔

اس کے نرم رویے اور شائستہ انداز نے اس کے دل سے اس ڈر اور خوف کو نکال دیا تھا جو وہ اس کے لیے محسوس کرتی تھی۔

''یہی، کہ آپ مسکراتے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں۔''

زینی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اعتماد سے کہا۔

وہ ایسی ہی تھی، جو دل میں آتا کہہ دیتی۔ اس کی اتنی خود اعتمادی پہ اس نے چونک کے اس کی طرف دیکھا اور اس کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

وہ پٹی کر کے اس کے پاس سے اٹھ گیا اور وہ بھی بہت آہستگی سے اٹھ کے واپسی کے لیے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''ایک منٹ رکو!''

اسے جاتا دیکھ کے اذلان نے پیچھے سے پکارا۔ وہ اس کی پکار پہ انہیں قدموں پہ بل کھا کے مڑی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''تم میرے کمرے میں کیوں آئی تھیں؟''

اس کے اس طرح اچانک پوچھنے پہ اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ وہ ہڑبڑا کے اسے دیکھنے لگی جو اس کے جواب کا منتظر کھڑا تھا۔ پھر جیسے ہی اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا تو اس نے اک ادا سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''اس لیے۔'' اس نے اپنا پٹی والا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا اور جھپاک سے کمرے سے نکل گئی۔ جبکہ وہ الجھن بھری نظروں سے اسے جاتا ہوا دیکھنے لگا۔

''کہاں رہ گئی تھیں تم، اتنی دیر کر دی آنے میں؟'' دعا نے اسے کمرے میں آتے دیکھ کے بے چینی سے پوچھا۔

''کیا ہوا، بھائی تھے کمرے میں؟ تم نے کیا کہا ان سے؟ اور یہ تمہارے ہاتھ پہ کیا ہوا ہے؟'' اس نے ایک ہی سانس میں بہت سے سوال پوچھ ڈالے۔

''صبر کرو، سانس تو لینے دو۔'' اس نے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے اسے ٹوکا۔

پھر زینی نے اسے ستائے بغیر پورا واقعہ حرف بہ حرف اس کے گوش گزار کر دیا، جسے سننے کے بعد حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ویسے دعا! تم ٹھیک کہتی تھیں، اذلان بھائی اتنے بُرے بھی نہیں ہیں جتنا ہم انہیں سمجھتے تھے۔''

اس نے مسکراتے ہوئے پُر سوچ انداز میں کہا۔ اور دعا جو پہلے ہی اسکی ''ڈائی ہارٹ فین'' تھی، اس کی بات پہ زور و شور سے سر ہلاتے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگی۔

✿..........✿..........✿

وہ دونوں اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھیں کہ جب ذیشان ان کے کمرے میں آیا اور انہیں نیچے آنے کا کہہ کر جلدی جلدی چلا گیا۔ وہ دونوں اپنی کتابیں سمیٹتی ہوئی نیچے آئیں تو سب لاؤنج میں بیٹھے خوش گپیاں لگا رہے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ آ کے بیٹھ گئیں۔

''زینی، دعا! تم دونوں کے پیپرز کب تک ختم ہو رہے ہیں؟'' ان کے آ کے بیٹھتے ہی دادی ماں نے ان کے ہونے والے پیپرز کے بارے میں پوچھا۔

''اس مہینے کے آخر تک ختم ہو جائیں گے دادی ماں!''

زینی نے فٹافٹ باادب انداز میں جواب دیا، جس پہ دادی ماں نے محض پُر سوچ انداز میں 'ہوں' کہا۔

''آج شکیلہ کا فون آیا تھا۔ اس نے حارث کی شادی کی اگلے مہینے کی 10 تاریخ رکھی ہے۔''

دادی ماں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''حارث بھائی کی شادی! واؤ کتنا مزہ آئے گا۔''

زینی نے ان کی بات کاٹ کے پُر جوش ہوتے ہوئے نعرہ بلند کیا، مگر پھر جلد ہی اسے غلطی کا احساس بھی ہوگیا۔اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے سب کی طرف دیکھا جو ملامت بھری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔وہ کھسیانی انداز میں ہنستے ہوئے نظریں جھکا گئی۔

دادی ماں نے پھر سے اپنی بات جاری کی۔

''شکیلہ کہہ رہی تھی کہ انہوں نے حارث کی شادی سردیوں کی چھٹیوں میں رکھی ہے تاکہ بچے آرام وسکون سے شادی انجوائے کر سکیں۔اس نے ہم سب کو شادی سے کچھ دن پہلے آنے کا کہا ہے اور خاص طور پہ بچوں کو۔اب تم سب مشورہ کرلو کہ کون کب اور کیسے جائے گا۔''

دادی ماں نے بڑے ابا اور چھوٹے ابا کی طرف دیکھتے ہوئے بات مکمل کی اور پھر فیصلہ بھی ان پر ہی چھوڑ دیا۔

''ماں جی! میں اور سالار تو اتنے دن پہلے نہیں جاسکتے۔کیونکہ ہمارے کام کا مسئلہ ہے۔باقی آپ لوگ جیسے ہی بچوں کی چھٹیاں ہوں، تو چلے جائیں۔ہم لوگ بھی شادی سے ایک دو دن پہلے آجائیں گے۔ٹھیک ہے!''

بڑے ابا نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا۔

''جی بھائی صاحب! یہ ٹھیک ہے۔اس طرح ان سب کی آؤٹنگ بھی ہوجائے گی اور شادی بھی اٹینڈ ہوجائے گی۔''

چھوٹے ابا نے ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''میری تو یونیورسٹی کا مسئلہ ہے۔یونیورسٹی میں چھٹیاں نہیں ہیں اور آپ سب جانتے ہیں کہ میرا لاسٹ سمسٹر ہے، اس لیے میں بھی نہیں جاسکتا۔''

فیضان نے اپنی مجبوری بتاتے ہوئے کہا۔اس کا مسئلہ چونکہ جائز تھا، اس لیے سب خاموش ہوگئے۔

''میرے بھی آفس کا مسئلہ ہے۔''

فیضان کے بعد ازلان نے بھی عذر تراشا۔اسکا عذر محض اپنی جان چھڑانے کے لیے تھا، جو بخوبی سب سمجھتے تھے، اس لیے اس کے عذر کو کوئی بھی کسی کھاتے میں نہ لایا۔

''فیضان کی تو یونیورسٹی کا مسئلہ ہے اس لیے وہ ہمارے ساتھ آجائے گا، اور جہاں تک تمہارے آفس کی بات ہے تو تم اس کی فکر نہ کرو، وہ میں اور سالار دیکھ لیں گے۔تم جاؤ، تمہارا ان سب کے ساتھ جانا زیادہ ضروری ہے۔''

بڑے ابا نے اس کے بہانے کا حل پیش کرتے ہوئے کہا جس کے بعد اب انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔اس لیے اس نے مجبوری کا نام شکریہ سمجھ کر یہ سب قبول کرلیا۔

''اذلان بیٹا! چلے جاؤ، یہی دن ہیں گھومنے پھرنے کے۔ کل کو شادی ہو جائے گی تو ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی، پھر کہاں نکلا جائے گا۔''

چھوٹے ابا نے پیار سے اسے دلاسہ دیتے ہوئے سمجھایا۔

پھر بڑے ابا اور چھوٹے ابا تو اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے، لیکن دادی ماں شروع ہو گئیں۔

''اذلان! مجھے تمہاری شادی کا بہت ارمان ہے بیٹا۔ حارث کو دیکھو، تمہارا ہی ہم عمر ہے۔ اس کی شادی ہو رہی ہے۔ اگر تم کہو تو میں تمہارے لیے بھی کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کے بات چلاؤں؟''

انہوں نے پیار سے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ انہیں اس کی شادی کا بہت شوق تھا۔ کیونکہ وہ ان کا پہلا اور لاڈلا پوتا تھا۔ لیکن وہ مانتا تو پھر ناں!

''رہنے دیں ماں! ڈیڑھ سال ہو گیا ہے اس کی پڑھائی ختم ہوئے اور میں اس وقت سے شادی کے لیے اس کے پیچھے پڑی ہوں، مگر یہ مانتا ہی نہیں۔ میں تو کہہ کہہ کے تھک گئی ہوں۔ اب تو میں نے اسے کہنا ہی چھوڑ دیا ہے۔''

بڑی ماں نے بھی موقع دیکھ کے اپنی خفگی کا اظہار کر دیا۔

''اذلان! اگر تمہیں کوئی پسند ہے تو تم وہ بتا دو، ہم وہاں کروا دیں گے تمہاری شادی۔''

چھوٹی ماں نے بھی لوہا گرم دیکھ کے چوٹ کرتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''نہیں چھوٹی ماں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جب مجھے شادی کرنی ہو گی تو میں کر لوں گا۔ ابھی میں نے اس بارے میں کچھ سوچا نہیں۔''

اس نے جھجکتے ہوئے انکار کیا۔ اسے اپنی ذات کا موضوع گفتگو بننا بہت ناگوار گزر رہا تھا جو اس کے چہرے سے صاف واضح تھا۔ اس کے اتنے سخت انکار پہ دادی ماں کے چہرے پہ افسردگی پھیل گئی، جسے دور کرنے کے لیے رومان نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''ویسے دادی ماں! جب آپ بھائی کا رشتہ دیکھنے جائیں ناں، تو کوئی نرم و نازک اور ڈرپوک سی لڑکی کا رشتہ مت دیکھیے گا، بلکہ کوئی پھولن دیوی ٹائپ دیکھیے گا تاکہ جو بھائی کے ساتھ گزارا کر سکے۔ کیونکہ اگر کوئی ڈرپوک سی لڑکی ہوئی تو وہ بھائی کے غصے کے ٹریلر پہ ہی اللہ کو پیاری ہو جائے گی۔ یہاں ایک کے لیے راضی نہیں ہو رہے تو دوسری کہاں سے ڈھونڈیں گے؟''

رومان کی بات سن کے دادی ماں سمیت سب ہنس پڑے جبکہ اذلان اُسے غصے سے گھورنے لگا۔

''یہ تو رومانس بھی اتنے غصے سے کیا کریں گے کہ وہ بیچاری کنفیوز ہو جایا کرے گی کہ رومانس کر رہے ہیں یا غصہ۔''

زینی محظوظ ہوتے ہوئے آہستگی سے دُعا اور رومان سے بولی اس کی اذلان کے مستقبل کے بارے میں قیاس آرائی سُن کے وہ

دونوں بے ساختہ ہنس پڑے جبکہ ازلان زیرِ لب مسکرانے لگا کیونکہ وہ بھی اس کی بات سن چکا تھا اور حیران کن طور پہ اسے اس کی بات پہ غصہ نہیں آیا تھا بلکہ وہ بہت محظوظ ہوا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد رومان اٹھ کے باہر نکل گیا۔ دادی ماں بھی اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھیں تو دعا انہیں سہارا دیتے ہوئے کمرے تک چھوڑنے چلی گئی۔ بڑی ماں اور چھوٹی ماں حارث کی شادی کے حوالے سے باتیں کرنے میں مگن تھیں۔ جبکہ زینی صوفے پہ اکیلی بیٹھی تھی۔ ازلان اپنے کمرے میں جانے کے ارادے سے اٹھا اور جاتے جاتے اچانک ہی رُک گیا۔ پھر اس نے بہت دلچسپی سے اسے دیکھا اور بے ساختہ اس کے قریب جھکتے ہوئے بولا ''بے فکر رہو، رومانس میں غصے سے نہیں کروں گا۔''

وہ یہ کہہ کے زیرِ لب مسکراتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا جبکہ زینی حواس باختہ سی بیٹھی اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی۔

٭..........٭..........٭

زینی اور دعا کے کالج میں پیپرز ہو رہے تھے اور وہ دونوں پوری دلجمعی کے ساتھ پڑھ رہی تھیں۔ خلافِ معمول زینی نے اپنی تمام تر خفیہ سرگرمیاں پیپر تک ملتوی کر رکھی تھیں اور اس دفعہ وہ خوب دل لگا کے پڑھ رہی تھی۔ وہ دونوں جلدی جلدی پیپرز ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ کیونکہ پیپرز ختم ہونے کے بعد انہیں چھٹیاں ہونی تھیں اور چھٹیوں میں انہیں لاہور حارث کی شادی میں جانا تھا۔ ان دونوں نے حارث کی شادی کے حوالے سے بہت پلانز بنا رکھے تھے، اور وہ بہت بے صبری سے شادی کا انتظار کر رہی تھیں۔ تانیہ اور رانیہ کا ہر دوسرے دن فون آتا اور وہ فون پر شادی کے حوالے سے ہونے والی ہر تیاری کا انہیں بتاتیں۔ وہ دونوں بہنیں بھی بہت بے چینی سے ان کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں، اور کیوں نہ کرتیں، وہ ان کی اکلوتی کزنز جو تھیں۔

شکیلہ بیگم، زینی اور دعا کی اکلوتی پھوپھو تھیں اور ان کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا حارث، جس کی شادی تھی، پھر حازق اور پھر تانیہ اور رانیہ۔ شکیلہ پھوپھو کے شوہر اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ اس لیے ان کے بچوں کے پاس ددھیال نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ تانیہ اور رانیہ کے دادا، دادی بھی ان کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ اسی لیے وہ اپنے ننھیال کے ساتھ بہت اٹیچ تھے۔ اور ددھیال کے حصے کا پیار بھی وہ ننھیال کو ہی دیتے اور لیتے تھے۔ تانیہ، دعا اور زینی کی ہم عمر تھی۔ جبکہ رانیہ ان سے ڈیڑھ سال چھوٹی تھی۔ عمروں کا زیادہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی آپس میں خوب بنتی تھی۔ ان سب کی آپس میں زیادہ بننے کی شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی عادات اور مزاج تقریباً ایک جیسا تھا۔ انہیں بھی دعا اور زینی کی طرح شغل، مستی اور ہلا گلا بہت پسند تھا اور جب بھی یہ چاروں اکٹھی ہوتیں تو آسمان زمین ایک کر دیتیں۔

٭..........٭..........٭

''زینی، دعا! جلدی کرو، ہمیں شام سے پہلے پہلے گھر واپس بھی آنا ہے۔''

چھوٹی ماں ان کے کمرے میں آتے ہوئے بولیں۔

''ارے! یہ کیا، تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں، چلو اٹھو جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔''

چھوٹی ماں نے زینی کو بیڈ پہ آرام سے بیٹھا دیکھ کے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''امی! میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جا رہی، کیونکہ میں بازار جا کے بور ہو جاتی ہوں۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لیکن زینی! شادی کے لیے کپڑے اور جوتے لینے کے لیے تو جانا پڑے گا۔''

چھوٹی ماں نے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے پیار سے سمجھایا۔

''تو آپ لوگ جا رہے ہیں ناں، میرے لیے بھی لے آنا۔''

''پہننا تم نے نے ہے تو چوائس بھی تمہاری ہونی چاہیے۔ چلو اٹھو تیار ہو جاؤ۔''

دعا نے اس کے انکار پہ مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''دعا! تمہیں تو پتہ ہے کپڑوں اور جوتوں وغیرہ میں میری چوائس بالکل زیرو ہے۔ مجھے تو بازار جا کے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا کہ کیا لوں اور کیا نہیں، سب کچھ ایک جیسا ہی لگتا ہے۔ تمہاری چوائس تو بہت اچھی ہے نا، تم جو کچھ اپنے لیے لو گی میرے لیے بھی لے لینا پلیز!''

زینی نے اس کی خوشامد کی۔

''چلو نا یار! مزہ آئے گا شاپنگ کرنے کا۔''

''میں نے کہہ دیا ناں کہ مجھے نہیں جانا، تو نہیں جانا۔ اب آپ لوگ پلیز مجھے تنگ نہ کریں۔''

دعا کے اصرار کرنے پہ اس نے آنکھیں ماتھے پہ رکھتے ہوئے کہا اور ہینڈ فری کانوں میں لگا کے گانے سننے لگی۔ اس کے اتنے بدلحاظ انداز پہ دعا کا تو جیسے خون کھول اٹھا۔

''چلیں چھوٹی ماں! ہم بھی اس کے لیے کچھ نہیں لائیں گے۔''

وہ یہ کہہ کے غصے سے پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ کچھ دیر یونہی بیڈ پہ لیٹے لیٹے گانے سنتی رہی پھر جب بور ہو گئی تو نیچے آ گئی۔ نیچے آئی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ لوگ بازار جا چکے تھے۔ وہ سیدھا دادی ماں کے کمرے میں آ گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں ہوں گی۔ جب وہ ان کے کمرے میں آئی تو وہ سو رہی تھیں۔ انہیں سوتا دیکھ کر وہ بھی ان کے پاس آ کے لیٹ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ بھی سو گئی۔

ازلان آج آفس سے جلدی گھر آ گیا تھا۔ لیکن جب وہ گھر آیا تو گھر پہ کوئی نہیں تھا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کپڑے بدلنے اور فریش ہونے کے بعد جب وہ نیچے آیا تو اس وقت بھی گھر پہ کوئی نہیں تھا۔ وہ پورے گھر میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد دادی ماں کے

کمرے میں آ گیا۔جیسے ہی وہ دادی ماں کے کمرے میں آیا تو اس کی نظر سامنے بیڈ پر سوئی ہوئی زینی پر پڑی، جو سکڑ کر لیٹی ہوئی تھی۔اس کے اوپر کمبل نہیں تھا، اور شاید اسے سردی لگ رہی تھی۔وہ یہ سوچ کر اس کے قریب آ گیا اور بیڈ پہ رکھا ہوا کمبل اس پہ ڈال دیا۔وہ کمبل ڈال کر مڑنے ہی والا تھا کہ جب اس نے محسوس کیا کہ اس کے بالوں کی چند آوارہ لٹیں اس کے چہرے پہ بکھری ہوئی اسے تنگ کر رہی تھیں۔اس نے آگے بڑھ کر ان لٹوں کو ہاتھ سے پیچھے کر دیا۔وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔جو سوئی اتنی معصوم اور پیاری لگ رہی تھی کہ وہ اس پر سے نظریں ہٹانا ہی بھول گیا۔اس کا دل سینے میں بہت زور زور سے دھڑکنے لگا اور وہ اپنی دھڑکنوں کے شور سے گھبرا کے فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔وہ باہر لاؤنج میں آ کے بیٹھ گیا اور ایل۔ای۔ڈی آن کر کے چینل سرچ کرنے لگا۔

کچھ دیر گزرنے کے بعد جب دادی اماں اپنے کمرے سے وضو کر کے باہر آئیں تو اسے یوں بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس آ گئیں۔

''اذلان بیٹا! تم کب آئے؟''

''مجھے تو کافی دیر ہو گئی گھر آئے ہوئے، لیکن گھر پہ کوئی نہیں ہے۔کہاں ہیں سب لوگ۔''

وہ اپنی آمد کا بتا کے سب کی غیر موجودگی کے بارے میں پوچھنے لگا۔

''باقی سب تو بازار گئے ہیں، بس ایک زینی گھر پہ ہے، وہ بھی نجانے کب میرے کمرے میں آ کے سوئی۔اچھا تم بیٹھو میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔''

وہ اس کے سوال کا جواب دے کر اپنے کمرے میں نماز پڑھنے چلی گئیں۔

زینی کی آنکھ کھلی تو اس نے کمرے میں دادی ماں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔وہ بھی فوراً اٹھی اور واش روم میں چلی گئی۔وضو کر کے باہر آئی اور نماز پڑھنے لگی۔نماز پڑھنے کے بعد اس نے جائے نماز تہہ کر کے رکھی اور ان کے پاس آ کے بیٹھ گئی۔

''دادی ماں! میں کچن میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔آپ کے لیے بھی بنا دوں۔''

زینی نے انہیں سلام پھیرتے دیکھ کے فوراً پوچھا۔وہ یہ بات بہت اچھے سے جانتی تھی کہ وہ شام میں چائے پینے کی عادی تھیں۔

''ہاں بیٹا! میرے لیے بھی بنا دو۔''

دادی ماں نے اسے شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

وہ کمرے سے باہر نکلی تو اس کی نظر لاؤنج میں بیٹھے ہوئے اذلان پہ پڑی۔وہ اس پہ ایک سرسری سی نظر ڈال کے کچن میں چلی گئی اور چائے بنانے لگی۔اذلان نے اسے کچن میں جاتے دیکھا تو وہ بھی اس کے پیچھے آ گیا۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''چائے بنا رہی ہوں۔'' زینی نے اس کی طرف دیکھے بغیر ہی مصروف انداز میں جواب دیا۔

''اچھا، ایک کپ میرے لیے بھی بنا دینا۔''

وہ یہ کہہ کر کچن سے باہر نکل گیا۔ اس نے چائے بنا کر تین کپوں میں ڈالی۔ ایک کپ وہ دادی ماں کے لیے ان کے کمرے میں لے گئی جو وہاں بیٹھی وظیفہ کر رہی تھیں۔ انہیں چائے دے کر وہ واپس کچن میں آئی اور باقی دو کپ اٹھا کر لاؤنج میں آ گئی۔ ایک کپ اس نے اذلان کو دیا اور دوسرا کپ اپنے ہاتھ میں ہی لے کر اس کے قریب والے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ اس نے گرم گرم چائے ہی پینا شروع کر دی، جبکہ وہ اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگی، پھر اچانک ہی وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

''چائے کیسی بنی ہے؟''

''اچھی ہے۔ ان فیکٹ مجھے بہت طلب ہو رہی تھی چائے کی۔''

اذلان نے اس کی طرف دیکھ کے مسکراتے ہوئے تعریف کی۔

''اچھا! اگر انسان کو کسی چیز کی طلب ہو رہی ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی وہ طلب پوری کر دے تو پھر یہ تو طلب پوری کرنے والے کا طلب کرنے والے پہ احسان ہوا ناں!''

اس نے بہت سوچ سوچ کے کہنا شروع کیا۔

''ہاں! ہوا تو۔'' اذلان نے کچھ نا سمجھی کے عالم میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایسے تو میں نے بھی ابھی آپ کی طلب پوری کی ہے، تو پھر میرا بھی آپ پہ احسان ہوا ہے ناں!''

''ہاں!'' اذلان نے ہاں پہ زور دیتے ہوئے چونک کے اس کی طرف دیکھا۔

''اور احسان کا بدلہ تو احسان سے ہی چکایا جاتا ہے، ہے ناں؟''

''ہاں!'' وہ مزید الجھا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیا کہنا چاہ رہی تھی۔

''تو پھر میں اس بات کی امید رکھوں کہ جب کبھی مجھے کسی چیز کی طلب ہو گی تو آپ بھی میری طلب پوری کریں گے۔''

زینی نے پُر امید نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! ضرور رکھو، میں تمہاری سوچ سے بھی بڑھ کے تمہاری طلب کو پورا کروں گا، کیونکہ اذلان سکندر کبھی اپنے اوپر کسی کا احسان نہیں رکھتا۔

اس نے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

زینی اس کی بات سن کے خوش ہو گئی۔ کیونکہ اس نے اپنے اگلے چیلنج کے لیے راہ ہموار کر لی تھی۔ اس نے اذلان کے ساتھ اتنی لمبی تمہید صرف اپنے دوسرے چیلنج کے لیے باندھی تھی، جو دعا نے اسے دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ دعا صرف پیپرز ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

اب جبکہ پیپرز ختم ہو چکے تھے تو دعا نے اسے دوسرا چیلنج پورا کرنے کے لیے کہنا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے کہتی، اس نے خود ہی دوسرے چیلنج کو پورا کرنے کے لیے دماغ لڑانا شروع کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ بھی شاپنگ کر کے واپس آ گئے۔ ان لوگوں کو آتے آتے مغرب ہو چکی تھی۔ ان کے آتے ہی وہ اس کے پاس سے اٹھ کے چلی گئی اور ان کی لائی ہوئی چیزیں دیکھنے لگی۔

وہ ابھی بھی وہیں بیٹھا مسلسل اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ جتنا اس کے بارے میں سوچتا اتنا ہی الجھتا جاتا۔ اس کی حرکتیں، اس کی باتیں، باقی لڑکیوں سے بہت مختلف تھیں اور شاید اس کی یہی انفرادیت اسے اس کی جانب مائل کر رہی تھی۔

۞.........۞.........۞

''اپنی ساری پیکنگ دھیان سے کرنا، دیکھنا کوئی چیز رہ نہ جائے۔''

وہ دونوں اپنے کمرے میں پیکنگ کر رہی تھیں جب بڑی ماں ان کے کمرے میں آ کے فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

''جی بڑی ماں! ہم لوگ دھیان سے کریں گے، آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔''

زینی نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا جو اپنی تسلی کے لیے بیگ میں رکھی ہوئی چیزیں چیک کر رہی تھیں۔

''اور ہاں! صبح ہمیں جلدی نکلنا ہے۔ اس لیے اپنی ساری تیاری ابھی ہی مکمل کر کے سونا، ایسا نہ ہو کہ صبح صبح افراتفری مچائی ہو تم دونوں نے۔''

انہوں نے ان دونوں کو ''آج کا کام کل پہ مت چھوڑو'' کی نصیحت کرتے ہوئے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''اچھا امی! آپ ٹینشن نہ لیں، ہم لوگ کر لیں گے۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ نے اپنی پیکنگ کر لی؟'' دعا نے انہیں بیڈ پہ بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں، اپنی پیکنگ تو کر لی ہے، بس رومان اور اذلان کی رہتی ہے۔ تم دونوں کے بعد ان کی طرف ہی جاؤں گی۔''

''اچھا آپ ہماری فکر نہ کریں۔ ہم سب کچھ رکھ لیں گے۔ آپ جائیں اور بھائی کی پیکنگ کریں۔ اور رومان کی فکر بھی آپ رہنے دیں۔ اپنی پیکنگ کر کے ہم لوگ اس کی بھی کر دیں گے۔ بس آپ بھائی کی فکر کریں، ورنہ ان کا غصہ تو آپ جانتی ہیں۔''

دعا نے ان کا بوجھ ہلکا کرتے ہوئے انہیں اذلان کی طرف سے چوکنا کیا۔

''جی بڑی ماں! آپ جائیں، ہم لوگ اپنی پیکنگ کرنے کے بعد رومان کی بھی کر دیں گے۔ آپ خود کو اتنا ہلکان مت کریں ورنہ آپ تھک جائیں گی اور صبح آپ کو سفر بھی کرنا ہے۔''

زینی نے ان کی فکر میں گھلتے ہوئے کہا اور لاڈ سے ان کے کندھے پہ بازو رکھتے ہوئے انہیں کمرے کے دروازے تک لے آئی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں، تم دونوں دھیان سے اپنی پیکنگ کرنا۔''

وہ ان دونوں کو پیار کرتی ہوئی باہر نکل گئیں مگر جاتے جاتے بھی انہیں نصیحت کرنا نہ بھولیں۔

ان دونوں نے جلدی جلدی اپنی پیکنگ نمٹائی اور رومان کے کمرے میں چلی گئیں، جو اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔

''زہے نصیب، زہے نصیب! آج تو میرے کمرے کے بھاگ ہی جاگ اٹھے۔ محترمہ دعا اور زینی صاحبہ نے جو رونق بخشی ہے اس ناچیز کو۔''

ان دونوں کو آتا دیکھ کر اس نے خوشگوار موڈ میں انہیں چھیڑتے ہوئے خوش آمدید کہا۔

''زیادہ چھچھورا پن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہارے کمرے میں صرف پیکنگ کرنے آئے ہیں، ورنہ تمہارے کمرے کے اتنے اچھے نصیب کہاں۔''

زینی نے اِک شانِ بے نیازی سے کہتے ہوئے اسے آئینہ دکھایا۔

''لاؤ بیگ اور چیزیں دو۔'' اب کی بار اس نے بارعب انداز میں کہا۔

''اچھا دیتا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر بُرا سا منہ بناتا ہوا الماری کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے جان بوجھ کے جوابی کاروائی کرنے سے گریز کیا کیونکہ وہ جانتا تھا اگر اس نے ایسا کوئی بھی قدم اٹھایا تو وہ پیکنگ چھوڑ کے چلی جائیں گی اور وہ یہ رسک لینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''یار! مجھے تو حارث بھائی کی شادی کا صرف اس لیے انتظار ہے کہ ان کی شادی میں ایک سے بڑھ کر ایک حسینہ جو دیکھنے کو ملے گی۔''

اس نے الماری سے چیزیں پکڑاتے ہوئے ان کی طرف آنکھ مار کے کہا۔ وہ اپنی عادت سے مجبور انہیں چھیڑتا تھا۔ کیونکہ وہ انہیں چھیڑے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

''اور اگر غلطی سے بھی ان حسیناؤں میں سے کوئی ایک حسینہ بھی میری جیسی ہوئی تو تمہارا وہ حال کرے گی کہ سارا ٹھرک پن دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔''

زینی نے جارحانہ انداز میں آستین چڑھا کے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دعا پیکنگ کرتے ہوئے مسلسل ان دونوں کی چھیڑ چھاڑ پہ مسکرا رہی تھی۔

''اللہ نہ کرے! ایسی بد دعائیں تو نہ دو کہ ان میں سے کوئی ایک بھی تم جیسی ہو۔''

رومان نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے دہلنے کی ایکٹنگ کی تو اس کے اس زنانہ انداز پہ وہ دونوں بے ساختہ کھلکھلا کے ہنس پڑیں۔

اسی اثناء میں ساتھ والے کمرے سے بڑی ماں کی آواز آئی۔ وہ دعا کو بلا رہی تھیں۔ ساتھ والا کمرہ اذلان کا تھا۔ دعا، رومان کی

پیکنگ کر رہی تھی اس لیے اس نے اسے جانے کا کہا جو ناک منہ چڑھاتی اُٹھ کر چلی گئی۔

''جی بڑی ماں!'' اس نے کمرے کے دروازے پہ ہی کھڑے ہو کے پوچھا۔

''زینی! دعا کہاں ہے؟''

بڑی ماں نے اس سے دعا کے بارے میں پوچھا۔

''بڑی ماں! وہ تو رومان کی پیکنگ کر رہی ہے۔ اگر آپ کو کوئی کام ہے تو آپ مجھے بتا دیں۔''

''ہاں! کام تو ہے، تم ایسا کرو کہ تم ازلان کے ساتھ اس کی پیکنگ کروا دو۔ مجھے نیچے ماں جی بلا رہی ہیں، شاید انہیں مجھ سے کوئی کام ہے۔ میں ذرا نیچے جا رہی ہوں۔''

وہ اسے ازلان کی پیکنگ کی بھاری ذمہ داری سونپ کے کمرے سے چلی گئیں۔

وہ بہت آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے پاس آ گئی جو الماری کھولے کسی سوچ میں گم کھڑا تھا۔

''کیا ہوا، کوئی پرابلم ہے؟''

زینی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے الماری میں جھانک کے پوچھا۔

''ارے تم! تم کب آئی؟''

اس نے چونک کے اسے دیکھا، وہ جو اپنی ہی سوچوں میں گم کھڑا تھا اسے اس کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔

''میں ابھی آئی ہوں۔ وہ دراصل دادی ماں بڑی ماں کو نیچے بلا رہی تھیں اس لیے انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ پیکنگ کروانے کا کہا ہے۔''

اس نے بے جھجک فٹافٹ اپنی غیر متوقع آمد کی وضاحت دی۔

''اچھا!''

اس نے ہنوز اسی انداز میں کہا اور کچھ یاد آنے پہ اس کی طرف دیکھ کے بولا۔

''نہیں، پرابلم تو کوئی نہیں ہے، بس ولیمے کے لیے ڈریس سلیکٹ نہیں ہو پا رہا۔ سمجھ نہیں آ رہا کہ ان میں سے کون سا رکھوں۔''

اس نے الجھن بھری نظروں سے الماری میں لگے کپڑوں کی جانب اشارہ کیا۔

''اگر آپ کہیں تو میں کچھ ہیلپ کر دوں!''

اس نے فراخدلی سے اس کی مدد کے لیے خود کو پیش کیا۔

''ہاں، شیور۔'' اس نے خوشی خوشی الماری کے آگے سے ہٹتے ہوئے کہا اور اس کے لیے جگہ بنائی۔

اس نے الماری میں لگے تمام کپڑے ایک ایک کر کے دیکھنے شروع کیے اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک بلیک کلر کا تھری پیس سوٹ نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

''یہ رکھ لیں، یہ میرا فیورٹ کلر ہے۔ اور آپ پہ سوٹ بھی بہت کرے گا۔''

زینی نے سوٹ اسے تھماتے ہوئے بہت سنجیدگی سے اپنی رائے دی۔

''چلو ٹھیک ہے، ویسے بلیک میرا بھی فیورٹ کلر ہے۔''

اس نے سوٹ اس کے ہاتھ سے لے کر مسکراتے ہوئے اسے اپنی پسند سے آگاہ کیا، جس پہ اک مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو بھی چھو گئی۔

بلیک اور وائٹ کلر اذلان کے فیورٹ کلرز تھے اور حادثاتی طور پہ یہ دونوں کلرز اسے بھی بہت پسند تھے۔

اذلان نے سوٹ لے کے بیڈ پہ چھوڑا اور خود ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیومز اٹھانے لگا۔ اس نے وہاں سے دو تین پرفیومز چن کے اٹھائیں اور بیڈ پہ کپڑوں کے پاس لا کے رکھ دیں۔ وہ جو بیڈ کے پاس کھڑی اس کی ساری کارروائی دیکھ رہی تھی، بیڈ پہ رکھے بیگ کو کھول کے کپڑے اس میں ڈالنے لگی۔

''تم رہنے دو، میں کر لوں گا۔'' اذلان نے اسے کپڑے ڈالتے دیکھ کے منع کرنا چاہا۔

''کوئی بات نہیں، یہ کون سا کوئی بہت بڑا کام ہے۔''

وہ لاپرواہی سے مسکرائی۔

''ویسے آپ کی ڈریسنگ سینس اور پرفیوم کولیکشن بہت اچھی ہے۔ لگتا ہے آپ کو پرفیومز بہت پسند ہیں۔''

اس نے ایک ستائشی نگاہ اس کے کپڑوں اور چیزوں پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں! مجھے خوشبوؤں میں مہکنا بہت پسند ہے۔'' اذلان نے کھلے دل سے اس کی تعریف وصول کرتے ہوئے مسکرا کے جواب دیا۔

اسے اس کی باتیں بہت اچھی لگنے لگی تھیں۔ وہ بہت سادہ اور بے ریا باتیں کرتی تھی۔ وہ دل میں کچھ نہیں رکھتی تھی، جو دل میں آتا کہہ دیتی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اسے اس سے باتیں کرنا اچھا لگنے لگا تھا۔

''تم بتاؤ، تمہیں کیا پسند ہے؟'' وہ اس کی ذات میں دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔

''مجھے ہیوی بائیک اور سپورٹس کار پسند ہے۔'' اس نے تصور میں دیکھتے ہوئے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

''کیا تمہیں یہ سب پسند ہے؟'' اسے حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا۔

''جبکہ تمہاری عمر کی لڑکیوں کو تو کپڑے، جیولری اور میک اپ پسند ہوتا ہے۔''

ازلان نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کس قسم کی لڑکی تھی، وہ یہ بات ہی سمجھنے سے قاصر تھا۔

''ہاں! لیکن میں عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہوں۔ مجھے یہ سب نہیں پسند۔ ان فیکٹ میرے اندر کوئی بھی لڑکیوں والا شوق نہیں ہے۔''

زینی نے اس کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے اپنے بارے میں بتایا۔ جسے سن کر وہ مبہوت سا اسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔

''ہاں واقعی! تم عام لڑکی نہیں ہو، بلکہ بہت خاص ہو۔ کیونکہ ازلان سکندر کو اچھی لگنے والی لڑکی عام نہیں ہو سکتی۔''

''اچھا، اگر تمہیں سپورٹس کار پسند ہے تو پھر سپورٹس بھی پسند ہوگی۔ سپورٹس میں کیا پسند ہے؟''

ازلان نے فوراً ہی اپنی سوچوں کو جھٹکتے ہوئے اس سے اسی کی ٹائپ کا سوال کیا۔

''کرکٹ، مجھے سپورٹس میں کرکٹ بہت پسند ہے۔ دیکھنا بھی اور کھیلنا بھی۔ آپ کو پتہ ہے جب پاکستان اور انڈیا کا میچ ہو رہا ہوتا ہے تو میرا بس نہیں چلتا کہ میں گراؤنڈ میں جا کے خود ہی کھیلنا شروع کر دوں۔''

اس نے ہنستے ہوئے اسے اپنی احمقانہ سوچ کے بارے میں بتایا۔

''تمہیں کرکٹ بھی کھیلنا آتا ہے؟''

ازلان نے دم بخود ہو کے پوچھا۔

''ہاں! اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔''

زینی نے اچنبھے سے اس کی حیرت کو دیکھ کے لاپرواہی سے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔

''نہیں، بس ایسے ہی۔ اچھا یہ بتاؤ، کھلاڑی کون سا پسند ہے؟'' اس نے اپنی حیرت پہ قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ اسے اس کی باتیں سننے میں مزہ آ رہا تھا۔

''شاہد خان آفریدی!'' اس نے ایک جذب کے عالم میں اس کا نام لیتے ہوئے کہا۔

''مجھے بڑا شوق ہے آفریدی کی طرح آل راؤنڈر بننے کا۔ بیٹنگ کرنی تو آتی ہے مجھے، لیکن باؤلنگ نہیں آتی اور کتنی دفعہ اس رومان کے بچے سے کہا ہے کہ مجھے باؤلنگ کرنا سکھا دے، لیکن وہ سنتا ہی نہیں۔''

وہ بہت نارمل انداز میں بات کرتے کرتے جارحانہ انداز میں آ گئی۔ رومان کے ذکر پہ اس کا غصہ خود بخود عود آیا۔ اس کی غصے میں کہی ہوئی بات پہ وہ بے ساختہ ہنسنے لگا، جبکہ وہ اپنا غصہ بھول کے ہکا بکا کھڑی اسے دیکھنے لگی۔ کیونکہ زینی نے اسے ہنستے ہوئے پہلی بار دیکھا تھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو!'' اذلان نے اس کی حیرت نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ آپ ہنستے بھی ہیں۔'' زینی نے اپنی آنکھیں مزید بڑی کرتے ہوئے بمشکل کہا۔

''ہاں! ہنسنے والی بات پہ ضرور ہنستا ہوں۔'' وہ اس کی حیرت سے محظوظ ہوا۔

''لیکن میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی کہ جس پہ آپ کو ہنسی آئے۔''

زینی نے اس کے جواب پہ اُلجھتے ہوئے پوچھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس نے ایسی کون سی بات کی تھی کہ جس پہ وہ ہنس رہا تھا۔

''اچھا چھوڑو اس بات کو۔ میں رومان کو کہہ دوں گا وہ تمہیں باؤلنگ بھی سکھا دے گا۔'' وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''آپ کہیں گے؟'' اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔

''ہاں! کیوں، میں نہیں کہہ سکتا؟'' اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، کہہ تو سکتے ہیں، لیکن۔'' اس نے خود ہی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''لیکن کیا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''مجھے لگا کہ شاید آپ کو یہ سب پسند نہ ہو۔''

اس نے جھجکتے ہوئے اپنے دل میں اُبھرنے والے خیال کا اظہار کیا۔

''کیوں؟ مجھے کیوں پسند نہ ہو۔ مجھے بھی تمہاری طرح کرکٹ دیکھنا اور کھیلنا بہت پسند ہے۔''

اذلان نے اس کی جھجک دور کرنے کے لیے بہت نارمل انداز میں کہا۔

''اچھا، واقعی! پھر آپ کا پسندیدہ کھلاڑی کون سا ہے؟''

اس نے فوراً ہی جوش میں آتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے بھی شاید آفریدی بہت پسند ہے۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ آفریدی سب کو ہی بہت پسند ہوگا۔''

اس نے خود سے اندازہ لگایا۔

''ہاں، کیوں نہ ہو، وہ کھیلتا جو اتنا اچھا ہے۔ اگر وہ ٹیم میں ہو تو ٹیم کتنی مکمل اور اچھی لگتی ہے ناں! اور اگر وہ نہ ہو تو میرا تو میچ ہی دیکھنے کو دل نہیں کرتا۔''

زینی نے اس کی بات پہ دل و جان سے اتفاق کرتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

''ہاں یہ تو ہے!'' اس نے اک مدھم سی مسکراہٹ چہرے پہ سجاتے ہوئے کہا۔

''ہو گئی پیکنگ'' زینی نے بیگ بند کرتے ہوئے خوشدلی سے کہا اور واپسی کے لیے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اذلان نے

اسے واپس جاتے دیکھا تو بے اختیار اسے پکار بیٹھا۔

''سنو!'' زینی نے مڑ کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جو جز بز کا شکار نظر آ رہا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیا کہے۔ وہ اپنی بے خودی پہ جی بھر کر خود کو کوس رہا تھا۔

پھر اس نے کمال مہارت سے اِک دلکش سی مسکراہٹ چہرے پہ سجاتے ہوئے جلدی جلدی اسے تھینکس کہا جس پہ اس نے اِک جاندار سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور کمرے سے چلی گئی۔

اس نے گزرتے ہوئے رومان کے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا جو بند تھا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ جب کمرے میں آئی تو دعا سونے کے لیے لیٹ چکی تھی۔ وہ بھی بیڈ پہ آ کے لیٹ گئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

''زینی، دعا! اب اُٹھ بھی جاؤ، نو بج گئے ہیں۔ ہمیں نکلنا بھی ہے، دیر ہو جائے گی۔''

چھوٹی ماں نے ان دونوں کے اوپر سے کمبل کھینچتے ہوئے کہا۔

''اچھا چھوٹی ماں! اٹھ رہے ہیں۔'' دعا نے سستی سے کمبل دوبارہ اپنے اوپر ڈالا۔

''نہیں، ابھی میرے سامنے اٹھو تم دونوں۔'' انہوں نے کمبل دوبارہ کھینچتے ہوئے کہا۔

''یہ لیں، اب خوش۔'' وہ دونوں جھنجھلاتے ہوئے اٹھ کے بیٹھ گئیں۔

''ہاں! چلو اب اٹھو اور فٹافٹ تیار ہو کے نیچے آ جاؤ۔ زیادہ ٹائم نہ لگانا تیار ہونے میں۔'' وہ اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے یہ کہہ کر چلی گئیں۔

زینی اٹھ کے الماری کی طرف بڑھ گئی اور الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے شاور لینے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد جب وہ تیار ہو کے باہر آئی تو دعا اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

''تم کون سا مراقبہ کر رہی ہو؟ تیار نہیں ہونا کیا؟''

''میں کچھ سوچ رہی ہوں۔'' دعا نے اسی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' زینی نے بالوں میں برش کرتے ہوئے شیشے سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ اذلان بھائی ہمارے ساتھ لاہور جا رہے ہیں اور لاہور جا کے تمہارے پاس بڑا اچھا موقع ہوگا اپنا دوسرا چیلنج پورا کرنے کا۔ وہاں تو تم کسی بھی بہانے ان سے گاڑی لے سکتی ہو۔''

''اچھا، یہ بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی تم اٹھو اور تیار ہو جاؤ۔'' زینی نے لاپرواہی سے اس کی بات کو سنا اَن سنا کرتے ہوئے کہا۔

اس نے دعا کو نہیں بتایا کہ اس کے دماغ میں اس وقت کیا پلاننگ چل رہی تھی۔ دعا تیار ہو کے آئی تو وہ دونوں نیچے آ گئیں۔ جیسے

ہی وہ نیچے آئیں تو سب ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ وہ بھی بیٹھ کے ناشتہ کرنے لگیں۔ ناشتے سے فارغ ہو کے بڑے ابا کچھ سوچتے ہوئے اذلان سے مخاطب ہوئے۔

''اذلان! زینی، دعا اور ذیشان تمہاری گاڑی میں جائیں گے اور باقی رومان کے ساتھ۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ ساری شیطان کی ٹولی ایک ساتھ جائے۔''

انہوں نے رومان، زینی اور دعا کی طرف مسکرا کے دیکھا۔

''جی ابو! جیسے آپ کو ٹھیک لگے۔''

اذلان نے بڑی سعادتمندی سے کہتے ہوئے سر ہلایا۔

پھر کچھ دیر بعد بڑے ابا اور چھوٹے ابا ان لوگوں سے مل کے آفس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اذلان لاؤنج میں آ کے بیٹھ گیا اور ان سب کے تیار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اخبار پڑھتے ہوئے اِک سرسری سی نظر ان کی تیاری پہ بھی ڈال رہا تھا اور پھر جب اسے لگا کہ ان کی تیاری مکمل ہونے والی ہے تو وہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

''آپ سب لوگ جلدی جلدی تیار ہو جائیں، میں گاڑی میں پانی چیک کر کے سامان رکھوا کے آتا ہوں، تو بس پھر ہم نکلتے ہیں۔'' اس نے گاڑی کی چابی نکالنے کے لیے جیکٹ میں ہاتھ ڈالا۔ مگر پھر ساری جیکٹ ٹٹولنے کے بعد بھی جب اسے گاڑی کی چابی نہ ملی تو اسے یاد آیا کہ چابی تو کمرے میں تھی۔

''دعا! میرے کمرے سے گاڑی کی چابی لے آؤ۔'' اس نے پاس کھڑی دعا پہ حکم چلاتے ہوئے کہا۔

زینی کا دماغ بہت تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ دعا کے چابی لانے سے پہلے ہی کار پورچ میں دیوار کے ساتھ جا کے کھڑی ہو گئی اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔ اور پھر جیسے ہی وہ اس کے پاس سے گزرا تو اس نے ہاتھ بڑھا کے اسے اپنی جانب کھینچ لیا۔ وہ جو اس اچانک ہونے والے حملے کے لیے تیار نہیں تھا، اپنا توازن برقرار نہ رکھ پایا اور سیدھا جا کے دیوار کے ساتھ کھڑی زینی پہ گرنے ہی والا تھا کہ اس نے دیوار پہ ہاتھ رکھ کے دیوار کا سہارا لے لیا۔ اس کا ایک ہاتھ دیوار پہ تھا اور دوسرا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں۔ اس کے اتنے قریب کھڑے ہونے کی وجہ سے اس کی جسم میں جیسے بجلی دوڑنے لگی اور وہ ایک دم ہی پیچھے ہٹ گیا۔ اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''آئی ایم سوری! وہ مجھے آپ سے بات کرنی تھی اس لیے میں نے اس طرح......''

زینی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ بہت شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

''اٹس او۔ کے! کوئی بات نہیں، بولو کیا کہنا تھا۔''

ازلان نے اس کی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''وہ مجھے آپ کی گاڑی کی چابی چاہیے تھی۔''

اس نے اٹک اٹک کے کہنا شروع کیا۔

''مگر کس لیے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''اس لیے کہ جاتے ہوئے آپ کی گاڑی میں چلاؤں گی۔''

اس نے کن اکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے کہا، جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''واٹ!'' ازلان کو اس کی بات سن کے حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟''

وہ اس کی احمقانہ بات سن کے نہ چاہتے ہوئے بھی غصے میں آ گیا۔ اسے غصے میں دیکھ کے اس نے ڈر سے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور اس کی یہ ادا اسے اتنی اچھی لگی کہ وہ اپنا غصہ بھول کے بے ساختہ مسکرانے لگا۔ مگر پھر جلد ہی اس نے اپنی مسکراہٹ چھپا لی۔

''میرا دماغ تو ٹھیک ہے مگر آپ اپنی کہی ہوئی بات اتنی جلدی بھول جائیں گے، مجھے نہیں پتا تھا۔''

اس نے جھکی ہوئی نظروں سے گلہ کیا۔ اس کا رعب ہی اتنا تھا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی نظریں نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

''کون سی بات؟'' اس نے ذہن پہ زور دیتے ہوئے الجھ کے پوچھا۔ اسے باوجود کوشش کے بھی کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

''وہی، جو اس دن چائے بنا کر میں نے آپ پر احسان کیا تھا اور آپ نے کہا تھا کہ اس احسان کا بدلہ میں تمہاری سوچ سے بھی بڑھ کر دوں گا۔''

اس نے معصومیت کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے اس کی ذات پہ اپنا احسان عظیم جتلایا۔

اس کی بات سن کے ازلان کا قہقہہ لگانے کو جی چاہا مگر اس نے صرف کھل کے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔ اسے زینی کی اس دن والی باتیں یاد آنے لگیں اور اسے اب سمجھ میں آیا کہ وہ اس دن ایسی باتیں کیوں کر رہی تھی۔

''مجھے یاد ہے اپنی کہی ہوئی بات اور میں اس پہ قائم بھی ہوں، مگر تم کچھ اور مانگ لو۔ مین ہائی وے پہ گاڑی چلانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔''

ازلان نے اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بچی نہیں ہوں میں، اور جس مین ہائے وے سے آپ مجھے ڈرا رہے ہیں اس پہ میں بہت دفعہ گاڑی چلا چکی ہوں اور آپ سے اچھی گاڑی چلا لیتی ہوں۔''

زینی نے اس کی طرف ناراضگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے اس کی آخری بات بہت چبھی تھی جس پہ بے اختیار اسے غصہ آ گیا۔

''اور ہاں! زینیا سالار کے لیے گاڑی چلانا واقعی بچوں کا ہی کھیل ہے۔ آپ نے گاڑی کی چابی نہیں دینی تو نہ دیں، رکھیں اپنے پاس۔''

اس نے نڈر انداز میں انگلی اٹھا کے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اسے باور کرایا اور غصے سے کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ ابھی وہ دو قدم ہی چلی تھی کہ وہ اس کے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا اور دلچسپی سے آنکھوں میں حیرت لیے اسے دیکھنے لگا۔

''اذلان سکندر کبھی اپنی کہی ہوئی بات سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ اگر تمہاری طلب میری گاڑی چلانے میں ہے تو یہ لو!''

اس نے اپنی گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

اس نے حیرت سے سر اٹھا کے اس کی جانب دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پتہ نہیں اس کی آنکھوں میں ایسا کیا تھا کہ وہ اس کی آنکھوں میں زیادہ دیر نہ دیکھ پائی اور فوراً ہی نظریں جھکا گئی۔ اس نے جلدی جلدی اس کے ہاتھ سے چابی لی اور بنا کچھ کہے ہی اندر چلی گئی۔ اندر آ کے بھی وہ کتنی ہی دیر ہاتھ میں پکڑی ہوئی گاڑی کی چابی کو دیکھتی رہی۔ کیونکہ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اسے گاڑی کی چابی دے دی تھی۔

وہ وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ اس کی آنکھوں میں ناراضگی دیکھ کے اس قدر بے چین ہو گیا تھا کہ بنا کچھ سوچے سمجھے ہی اس نے اپنی گاڑی کی چابی اسے دے دی۔ وہ اذلان سکندر جو اپنی چیزوں کو کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتا تھا، وہ اس کے سامنے اتنا بے بس کیسے ہو گیا، وہ یہ سوچ سوچ کے حیران تھا۔

''زینی! تم کہاں رہ گئی تھیں میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔''

دعا نے اسے لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کے فکرمندی سے پوچھا۔

''یہ دیکھو، یہ کیا ہے!'' زینی نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے گاڑی کی چابی ہوا میں اس کے آگے لہرائی۔

''یہ تو اذلان بھائی کی گاڑی کی چابی ہے۔ یہ تمہارے پاس کیا کر رہی ہے؟''

دعا نے پہچانتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''یہ میں نے اپنا دوسری چیلنج پورا کرنے کے لیے لی ہے۔''

اس نے چابی ہاتھ میں گھماتے ہوئے چہک کے کہا۔

''کیا؟ لیکن تم نے ان سے چابی لی کیسے، اور انہوں نے تمہیں دی کیسے؟'' دعا نے حیران ہوتے ہوئے کئی سوال کر ڈالے۔

''بس دیکھ لو!'' اس نے معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بتاؤ نا یار! مجھے تو بڑی حیرت ہو رہی ہے یہ دیکھ کے کہ انہوں نے اپنی گاڑی کی چابی تمہیں دے دی۔ آخر تم نے ان سے ایسا کیا کہا۔''

پھر اس نے دعا کی بے چینی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس دن والی ساری بات بتا دی جسے سن کے وہ ہکا بکا اسے دیکھنے لگی۔

''زینی! تم کتنی تیز ہو، ایک کپ چائے کے بدلے تم نے بھائی سے گاڑی کی چابی لے لی!''

دعا نے اس سے متاثر ہوتے ہوئے کہا اور کیوں نہ متاثر ہوتی، اس نے اتنا بڑا معرکہ جو مارا تھا۔

''وہ تو میں ہوں۔'' اس کے دوبدو جواب پہ وہ دونوں کھلکھلا کے ہنسنے لگیں۔ وہ گاڑی چیک کرنے اور سامان رکھنے کے بعد اندر آیا اور ان سب سے نکلنے کے لیے کہا۔ اس نے پہلے دادی ماں، بڑی ماں اور چھوٹی ماں کو رومان کی گاڑی میں بٹھایا اور انہیں روانہ کیا۔ پھر وہ اپنی گاڑی کی طرف آیا۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کے اس نے دعا اور ذیشان کو بٹھایا اور خود فرنٹ سیٹ پہ آ کے بیٹھ گیا۔ اسے بیٹھتے دیکھ کے وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پہ آ کے بیٹھ گئی اور بہت پروفیشنل انداز میں گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے گاڑی چلانے لگی۔

اذلان جو اسے ہی نوٹ کر رہا تھا اسے اتنے اچھے انداز میں گاڑی چلاتا دیکھ کے حیران رہ گیا۔ اس نے کن اکھیوں سے اس سے متاثر ہوتے ہوئے اسے دیکھا جو سرخ شلوار قمیض کے اوپر کالی جینز کی جیکٹ پہنے ہوئے تھی اور ہمیشہ کی طرح جیکٹ کے بازو اس نے اوپر کی جانب فولڈ کیے ہوئے تھے۔ کلائی میں اس نے ایک بہت خوبصورت اور قیمتی گھڑی باندھ رکھی تھی۔ دوپٹے کی جگہ آج اس نے ملٹی کلرز کی شال اپنے اردگرد لپیٹی ہوئی تھی۔ بالوں کو اس نے ہائی ٹیل کی صورت پونی میں جکڑا ہوا تھا، مگر پھر بھی اس کی کٹنگ کے بال اس کے چہرے کے اردگرد بکھرے ہوئے تھے جو اس کے چہرے کو مزید دلکش بنا رہے تھے۔ کانوں میں اس نے بلیک کلر کے چھوٹے سے ٹاپس ڈالے ہوئے تھے جو اس کے چہرے کے سفید رنگ کو مزید نمایاں کر رہے تھے۔ وہ گاڑی چلاتی ہوئی اذلان کو اتنی پیاری لگی کہ اس کے دل کی ایک بیٹ مس ہو گئی۔

زینی نے سامنے ڈیش بورڈ پہ اس کے بلیک گلاسز رکھے دیکھے تو بغیر اجازت اٹھا کے پہن لیے جس پہ اس نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا جو گلاسز پہن کے سیٹی بجاتے ہوئے سامنے دیکھنے میں مگن تھی۔ اس کے اس لاابالی پن پہ اس کے لبوں کی مسکراہ مزید گہری ہو گئی۔ وہ شاید زندگی میں اتنا نہیں مسکرایا ہو گا جتنا وہ ان کچھ دنوں میں اس کی اوٹ پٹانگ حرکتیں انجوائے کر کے مسکرایا تھا۔ اس نے سر جھٹک کے سامنے دیکھتے ہوئے جیکٹ سے سگریٹ نکال کے سلگا لیا۔ اچانک ہی اس کی نظر اذلان پہ پڑی تو وہ بے ساختہ سیٹی بجاتے بجاتے رک گئی اور حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آپ بھی سگریٹ پیتے ہیں؟''

''ہاں! کبھی کبھی۔'' وہ اس کی حیرت سے حظ اٹھاتے ہوئے بولا۔

''ہائے، میرا بھی بڑا دل کرتا ہے سگریٹ ٹرائی کرنے کو۔''

''زینیا! تمہارا کوئی لڑکیوں والا کام بھی کرنے کو دل کرتا ہے یا سب لڑکوں والے کام ہی پسند ہیں تمہیں!''

ازلان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ لڑکی قدم قدم پہ اسے حیران کر رہی تھی۔

''نہیں، میرا کوئی بھی لڑکیوں والا کام کرنے کو دل نہیں کرتا۔ لڑکیوں کی بھی کوئی زندگی ہے۔ مزے کی زندگی تو لڑکوں کی ہے ہر وقت موج مستی، ہلہ گلہ۔ کاش کہ میں بھی لڑکا ہوتی۔'' اس نے حسرت سے آہ بھری۔

''تم ابھی بھی خود کو لڑکا ہی سمجھو، کیونکہ تمہارے سارے شوق لڑکوں والے ہی ہیں۔''

دعا نے اس پہ طنز کیا۔ وہ پیچھے بیٹھی اس کے تمام نادر خیالات سن رہی تھی۔

دعا کی بات سن کے اس نے شیشے سے اس کی طرف منہ چڑایا جس پہ وہ بے ساختہ مسکرانے لگا۔ پھر وہ اسے اگنور کرتی بہت سنجیدگی سے دوبارہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''ویسے اگر آپ چاہیں تو آپ بھی مجھے ''زینی'' کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ تمام لوگ جو میرے کلوز ہیں اور میری ساری فرینڈز مجھے زینی کہتی ہیں۔''

اس نے کھلے دل سے اسے آفر دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن میں تو نہ تمہارے کلوز ہوں اور نہ ہی تمہارا دوست، تو پھر مجھ پہ یہ عنایت کیوں؟''

ازلان نے ابرو چڑھا کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔

''ہاں! یہ بات بھی ہے۔'' وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

''چلیں کوئی بات نہیں، دوست نہیں ہیں تو کیا ہوا، دوست بن تو سکتے ہیں ناں!''

اس نے فوری حل نکالتے ہوئے تجویز پیش کی۔

''ویسے میں نے کبھی کسی لڑکے کو دوست نہیں بنایا اور اپنے سے بڑے دوست تو کبھی بھی نہیں۔ لیکن چلیں زینیا سالار آپ پہ احسان کرتے ہوئے آپ کو اپنا دوست بنا لیتی ہے۔ جائیں آپ بھی کیا یاد کریں گے۔''

اس نے شاہانہ انداز میں کہتے ہوئے اس پہ ایک اور احسان عظیم کیا۔ پتہ نہیں وہ اتنے بڑے بڑے احسان کر کیسے لیتی تھی؟ اور اس احسان کا بدلہ وہ کیسے چکائے گا، وہ نہیں جانتا تھا۔

''فرینڈز۔!اس نے اپنا ہاتھ ازلان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جسے اس نے ہنستے ہوئے فوراً ہی تھام لیا۔

''بے فکر رہو، ازلان سکندر تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولے گا۔''

ازلان نے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''لیکن میری دوستی کے کچھ اصول ہیں جو آپ کو بھی فالو کرنے پڑیں گے۔''

وہ شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں بولو!'' وہ تھوڑا سا اس کی طرف گھوم کے مکمل طور پہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

رُول نمبر 1:- میں اگر کسی سے دوستی کرتی ہوں تو پھر اسے کبھی بھی نہیں توڑتی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ میں ہر حال میں اپنی دوستی نبھاتی ہوں۔

رُول نمبر 2:- میں اور میرے دوست ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپاتے۔ سب کچھ شیئر کرتے ہیں آپس میں۔

رُول نمبر 3:- میرے اور میرے دوستوں میں کچھ بھی میرا تیرا نہیں ہوتا، بلکہ ہمارا ہوتا ہے۔ اس لیے آج سے میرا سب کچھ آپ کا اور آپ کا سب کچھ میرا۔

''اگر آپ کو یہ رُولز منظور ہیں تو بولیں۔''

زینی نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! مجھے منظور ہیں۔'' اس نے کچھ سوچ کے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

''چلیں اگر آپ کو منظور ہے تو پھر آج سے ہماری دوستی شروع۔''

وہ خوشی ہوئی مگر پھر ایک دم ہی سنجیدہ ہو گئی

''اب چونکہ ہماری دوستی ہو چکی ہے تو میں چاہتی ہوں کہ ہماری دوستی سچائی پہ ہو اس لیے مجھے آپ کو ایک سچ بتانا ہے۔''

''ہاں! بتاؤ کیا بتانا ہے۔''

وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔

پہلے جب ہم ایک دوسرے سے اتنی بات نہیں کرتے تھے تو مجھے لگتا تھا کہ آپ بہت بُرے اور غصے والے ہیں، مگر اب......!'' وہ بات کرتے کرتے رک کے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی۔

''مگر اب کیا؟'' اذلان نے اسے خاموش دیکھ کے بے چینی سے پوچھا۔

''مگر اب مجھے لگتا ہے کہ آپ بہت اچھے ہیں۔''

اس نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی۔ زینی کے منہ سے اپنی تعریف سن کے اس کی خوشی کی کوئی حد نہیں تھی۔ یونیورسٹی میں اس کی تعریف ہر دوسری لڑکی کرتی تھی لیکن اسے کبھی بھی خوشی نہیں ہوئی، مگر آج پتہ نہیں کیوں اس کے منہ سے اپنی تعریف سن کے اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''میں بھی تمہیں ایک سچ بتاؤں!''

''کیا؟'' اس نے متجسس ہوئی۔

''یہی کہ تم بھی بہت اچھی ہو۔'' اذلان نے اس کی طرف جھکتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''ہاں! مجھے پتا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے لاپرواہ انداز میں کہا، جس پہ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی خوداعتمادی کبھی کبھی اسے چونکنے پہ مجبور کردیتی تھی۔ اسے مسلسل اپنی جانب دیکھتا پا کے اس نے اشارے سے وجہ پوچھی تو اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

دعا اور ذیشان پچھلی سیٹ پہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ذیشان نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپی! سی۔ڈی پلیئر ہی آن کردو۔''

زینی نے اس کہنے پہ سی۔ڈی پلیئر آن کردیا اور سی۔ڈی پلیئر آن کرتے ہی عاطف اسلم کی آواز گاڑی میں گونجنے لگی۔

عاطف اسلم، زینی اور دعا کا فیورٹ سنگر تھا اور راستے کے لیے انہوں نے اسی کی ایک سی۔ڈی اپنے بیگ میں رکھ لی تھی جو گاڑی میں بیٹھتے ہی انہوں نے سی۔ڈی پلیئر میں ڈال دی تھی۔

دہلیز پہ میرے دل کی

جو رکھے ہیں تو نے قدم

تیرے نام پہ میری زندگی

لکھ دی میرے ہمدم

ہاں سیکھا میں نے جینا جینا کیسے جینا

ہاں سیکھا میں نے جینا میرے ہمدم

عاطف اسلم میرا فیورٹ سنگر ہے اور اس کا یہ گانا ابھی ابھی ریلیز ہوا ہے۔'' زینی نے میوزک کے درمیان اسے بتایا۔

گانے سنتے ہوئے اس کے ذہن میں بار بار اسی کا خیال آ رہا تھا۔ پتہ ہیں کیوں وہ اسے کچھ ہی دنوں میں بہت اچھی لگنے لگی تھی۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے اسے مزہ آتا تھا۔ اس کی زندگی سے بھرپور ہنسی سن کے اسے اپنی زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ اس کی سادگی میں کی گئی احمقانہ باتوں پہ وہ بے ساختہ مسکرانے لگتا تھا اور حیرت انگیز طور پہ اسے اس کی بچگانہ حرکتوں پہ غصہ نہیں آتا تھا بلکہ وہ بہت محظوظ ہوتا تھا۔ وہ اس کی کمپنی میں بہت خوش رہتا تھا۔ اس کے احساسات بدل رہے تھے اور وہ اپنے بدلتے احساسات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

جہلم کے پل پر سے گزرتے ہوئے اذلان نے اسے ٹیولپ ہوٹل جہلم پہ گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ جب ہوٹل آیا تو اس نے گاڑی روک دی۔ وہ اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔ اسے باہر نکلتا دیکھ کے وہ تینوں بھی گاڑی سے اتر گئے۔

''ہم لوگ یہاں کیوں رُکے ہیں؟''

زینی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''لنچ کرنے کے لیے۔'' اس نے گاڑی لاک کرتے ہوئے مصروف انداز میں جواب دیا۔

''اس وقت؟ ابھی تو صرف ایک بجا ہے۔ ابھی لنچ کا بالکل بھی موڈ نہیں ہے۔''

زینی کی بات سن کے ان دونوں نے بھی اس کی تائید کی۔

''پھر آگے روڈ سائیڈ پہ کوئی اتنا اچھا ہوٹل نہیں ہے، دیکھ لو۔'' اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

''کوئی بات نہیں، ویسے بھی ہمیں لنچ کرنا ہوا تو ہم کسی ہوٹل پہ نہیں بلکہ کسی ڈھابے پہ کریں گے۔''

''اتنا اچھا ہوٹل چھوڑ کے کسی ڈھابے پہ کیوں؟''

وہ الجھن بھری نظروں سے زینی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیونکہ ہوٹل پہ کھانا تو ہم اکثر کھاتے ہیں لیکن ڈھابے پہ کبھی نہیں کھایا۔ تو کیوں نہ کچھ ایڈونچرس کیا جائے جو پہلے کبھی نہ کیا ہو۔''

اس نے پُرجوش ہوتے ہوئے ان تینوں کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ اس کا یہ انوکھا سا خیال ان دونوں کو بھی بہت پسند آیا۔ اور وہ بھی ایکسائیٹڈ ہو گئے اور پھر انہوں نے بھی ہوٹل پہ ڈھابے کو ترجیح دی۔

''تم اپنا یہ ایڈونچر پھر کبھی کر لینا لیکن آج نہیں۔'' ازلان نے اسے ٹالتے ہوئے انکار کیا۔

''نہیں، نہیں آج ہی۔'' وہ تینوں تقریباً چیختے ہوئے اس کی جانب لپکے، پھر وہ تینوں اس کے ساتھ چپکے ہوئے اسے منانے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کی اتنی تمنا دیکھ کے مجبوراً اسے ماننا ہی پڑا۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے، کھانا نہیں کھا رہے تو کچھ اور کھا لو۔'' ازلان نے ان کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں آئسکریم کھاؤں گی۔'' زینی نے بلا تکلف فرمائش کی۔

''اتنی سردی میں آئسکریم!'' ازلان تھوڑا حیران ہوا۔

''آئسکریم کھانے کا مزہ سردی میں ہی آتا ہے۔'' اس نے گویا اس کی ناقص معلومات میں اضافہ کیا۔

پھر دعا اور ذیشان نے بھی آئسکریم کی فرمائش کی۔ وہ آئسکریم لینے اندر چلا گیا اور وہ تینوں باہر گاڑی کے پاس کھڑے رہے۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ایک ہاتھ میں ان تینوں کے پسندیدہ فلیورز کی آئسکریم تھی جبکہ دوسرے ہاتھ میں اپنے لیے کافی۔ اس نے آئسکریم لا کے انہیں دی تو انہوں نے وہیں کھڑے ہو کے کھانا شروع کر دی۔ ان تینوں کی آئسکریم کے فلیورز مختلف تھے، اس لیے وہ اپنی آئسکریم کھانے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی آئسکریم بھی ٹیسٹ کر رہے تھے۔ وہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا کافی پی رہا تھا

اور وقتاً فوقتاً ان تینوں کی حرکتیں دیکھ کے مسکرا رہا تھا کہ اچانک ہی زینی کی نظر گاڑی کے پاس کھڑے اذلان پہ پڑی تو وہ بہت آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے ساتھ آ کے کھڑی ہو گئی۔

پتہ نہیں لوگ کافی کیسے پی لیتے ہیں!'' زینی نے سامنے دیکھتے ہوئے اسے سنایا۔

''جیسے لوگ سردی میں آئسکریم کھا لیتے ہیں۔''

اس نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔ اس کی اتنی حاضر جوابی پہ وہ بے ساختہ مسکرانے لگی۔ پھر اچانک ہی اس کے شیطانی دماغ میں ایک خیال آیا تو وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''چلیں ایک کام کرتے ہیں، آپ میری آئسکریم ٹرائی کریں، میں آپ کی کافی ٹرائی کرتی ہوں۔ مزہ آئے گا۔''

بات کرتے وقت اس کی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی۔

''یہ تمہیں کیا ہر وقت الٹی سیدھی سوجھتی رہتی ہیں۔ کبھی کوئی ڈھنگ کا کام بھی کر لیا کرو۔''

اذلان نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''کرتے ہیں نا! مزہ آئے گا۔ ویسے بھی انسان کو کچھ نہ کچھ نیا کرتے رہنا چاہیے۔''

زینی نے اس کے انکار کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا ہی فلسفہ جھاڑا۔

پھر اس نے اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود آئسکریم کی چمچ بھر کے اس کے منہ میں ڈال دی۔ اس کے چہرے سے صاف واضح تھا کہ اسے کافی کے بیچ آئسکریم کھانا بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ زینی اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ کے بے ساختہ ہنسنے لگی۔ وہ اسے دیکھ کے زور زور سے پاگلوں کی طرح ہنس رہی تھی۔ اسے اتنا ہنستے دیکھ کے اذلان کو پھر اس کی باری کا خیال آیا۔ اس نے بھی زبردستی اسے کافی پلائی اور اب ہنسنے کی باری اس کی تھی۔ اسے کافی بہت بُری اور کڑوی لگی تھی۔ اس نے بے دھیانی میں اپنے منہ کے ایسے ایسے ڈیزائن بنائے کہ اذلان کے لیے خود پہ قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔ اذلان کو ہنستے دیکھ کے اسے اپنی خفت کا احساس ہوا تو وہ جھینپتے ہوئے بولی۔

''اب اتنی بھی کوئی ہنسنے والی بات نہیں۔''

''جی جی، بالکل! ویسے کافی کیسی لگی؟ مزہ آیا نا؟'' اس نے اپنی ہنسی دبانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، بالکل بھی نہیں! بہت کڑوی تھی۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

اس کے اس طرح منہ بنا کے کہنے پہ وہ پھر سے ہنسنے لگا اور اسے اس طرح ہنستے دیکھ کے پہلے تو اس نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور پھر وہ خود بھی اس کے ساتھ مل کے اپنے اس ایڈونچر پہ ہنسنے لگی۔

ان دونوں کو ہنستے دیکھ کے دعا اور ذیشان بھی ان کے پاس آ گئے۔

''کیا ہوا بھائی! آپ اتنا ہنس کیوں رہے ہیں؟'' دعا نے حیرت سے اسے ہنستے ہوئے دیکھ کے پوچھا۔

''نہیں، کچھ خاص نہیں۔'' اذلان نے کافی کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

''چلو اب تم لوگ بھی اپنی اپنی آئسکریم ختم کرو اور گاڑی میں آ کے بیٹھو۔''

وہ انہیں کہتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کے بیٹھ گیا۔ ان تینوں نے بھی جلدی جلدی آئسکریم ختم کی اور گاڑی میں آ کے بیٹھ گئے۔ اب کی بار انہوں نے بیٹھنے کی پوزیشن چینج کی۔ ذیشان آگے زینی کی جگہ آ کے بیٹھ گیا اور وہ دعا کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئی۔ ان تینوں کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی چلانا شروع کر دی۔ گاڑی چلاتے ہوئے اذلان کا دل مسلسل عجیب وغریب سی کیفیت کا شکار تھا۔ اس کا دھیان بار بار بھٹک کے زینی کی طرف جا رہا تھا، جو کچھ دیر پہلے اس سیٹ پہ بیٹھی تھی۔ اسے سٹیئرنگ پہ رکھے اپنے ہاتھوں میں اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔ اچانک ہی اس کا دل اس کے اختیار سے باہر ہونے لگا۔ اس نے گھبرا کے شیشے سے اسے دیکھا جو ہر چیز سے بے نیاز دعا سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ اذلان نے ایک گہری سی نظر اس پہ ڈالی اور پھر سامنے دیکھنے لگا۔ اس نے جلد ہی اپنے دل اور سوچوں پہ قابو پا لیا تھا کیونکہ وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا اور وہ زیادہ دیر تک کسی چیز کو خود پہ حاوی نہیں رہنے دیتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے ایسا ہی کیا اور نارمل ہو کے گاڑی چلانے لگا۔

اذلان نے تقریباً تین بجے وزیرآباد کے قریب ایک ڈھابے پہ گاڑی روک دی۔ پھر اس نے ان تینوں کو اُترنے کا کہا اور خود بھی اُتر کے گاڑی لاک کرنے لگا۔ گاڑی لاک کرنے کے بعد وہ ڈھابے کی طرف چل دیا۔ وہ تینوں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ وہ ایک چھوٹا مگر صاف اور خوبصورت ڈھابہ تھا۔ جس کے صحن میں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ وہ چاروں ان چارپائیوں میں سے دو پہ بیٹھ گئے۔ اس نے ڈھابے پر کام کرنے والے آدمی کو بلا کر کھانا آرڈر کیا۔ کھانے میں اس نے دال، سبزی، چکن، روٹیاں اور لسی لانے کو کہا۔ آدمی آرڈر نوٹ کر کے چلا گیا۔ جبکہ وہ لوگ وہیں بیٹھے کھانا آنے کا انتظار کرنے لگے۔ وہ تینوں کافی خوش اور ایکسائیٹڈ لگ رہے تھے۔ کیونکہ وہ پہلی مرتبہ اس طرح کسی ڈھابے پہ کھانا کھانے آئے تھے۔ کچھ دیر بعد کھانا آ گیا۔ انہوں نے کھانا بہت لطف اندوز ہو کے کھایا۔ کیونکہ کھانا بہت لذیذ اور مزے کا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے سب کے لیے چائے منگوائی کیونکہ لسی پینے سے انہیں ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی اور سورج غروب ہونے کی وجہ سے موسم بھی کافی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ گرما گرم چائے پینے سے انہیں بہت راحت پہنچی اور سردی کی شدت میں بھی کمی آئی۔ چائے پینے کے بعد وہ تینوں جا کے گاڑی میں بیٹھ گئے، جبکہ اذلان بل پے کرنے لگا۔ بل پے کرنے کے بعد جب وہ گاڑی میں آ کے بیٹھا تو ان تینوں نے مل کر اس ایڈونچر کے لیے اس کا شکریہ ادا کیا، جسے اس نے مسکرا کے قبول کر لیا۔ پھر وہ راستے میں کہیں نہیں رکے اور سیدھا لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب وہ لاہور پہنچے تو رومان لوگ ان سے کافی دیر پہلے پہنچ چکے تھے۔ سب سے ملنے ملانے کے بعد ان سب نے بہت خوشگوار ماحول میں بیٹھ کر چائے پی۔

پھوپھو کی فیملی ان سب کی آمد پہ بہت خوش تھی اور وہ سب بھی ان سے مل کے بہت مسرور تھے۔ باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا اور رات کے دس بج گئے۔ پھر پھوپھو نے آ کے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں تانیہ اور رانیہ کے کمرے میں چلی گئیں۔ جبکہ باقی سب باہر بیٹھ کے کافی پینے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ سب بھی اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے، کیونکہ سفر کی وجہ سے انہیں اتنی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی کہ وہ بس سونا چاہتے تھے۔

⚝..........⚝..........⚝

وہ صبح سو کر اٹھی تو دس بج رہے تھے۔ اس نے اپنے ساتھ سوئی ہوئی دعا پہ نظر ڈالی اور اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ جب وہ باہر آئی تو دادی ماں، بڑی ماں، چھوٹی ماں اور پھوپھو بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر دادی ماں حیرت سے بولیں۔

”زینی! کیا ہوا، آج اتنی جلدی اٹھ گئیں؟“

”جی، دادی ماں! آپ کو تو پتہ ہے کہ اپنے کمرے کے بغیر مجھے نیند نہیں آتی۔ کب سے کروٹیں بدل رہی تھی، پھر سوچا باہر آ جاؤں شاید آپ لوگ جاگ رہے ہوں۔“

اس نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے سستی سے جواب دیا۔

”چلو اچھا کیا، یہ بتاؤ چائے پیو گی؟“ شکیلہ پھوپھو نے اس کی سستی دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں پھوپھو، دل نہیں چاہ رہا۔“

”اچھا چلو تھوڑی دیر تک باقی سب بھی اٹھ جائیں تو میں ناشتہ لگواتی ہوں۔“

انہوں نے پیار سے کہا۔

پھر وہ سب آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ کچھ دیر بعد باقی سب بھی ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔ جب سب تقریباً اُٹھ گئے تو پھوپھو نے ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتہ لگوا دیا۔ ڈائننگ ٹیبل ناشتے کے لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔ حلوہ پوری، پائے، چنے، نان اور لسی، غرض یہ کہ خالص لاہوری ناشتے سے میز سجا ہوا تھا۔ سب نے بہت رغبت سے ناشتہ کیا۔ ناشتے کے بعد سب اپنی اپنی چائے لے کے باہر لان میں آ گئے اور دھوپ کے ساتھ ساتھ باتوں کے بھی مزے لینے لگے۔

”حارث بھائی! ابھی آپ کی شادی میں بہت دن ہیں۔ اس لیے کوئی بہانہ نہیں چلے گا اور آپ ہی ہمیں پورے لاہور کی سیر کروائیں گے، اچھا!“

زینی نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ میں نے پہلے کبھی تمہاری کسی بات سے انکار کیا ہے جو اب کروں گا؟“

وہ پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

زینی حارث کی بہت لاڈلی تھی۔ وہ اسے اور دعا کو بالکل رانیہ اور تانیہ کی طرح چاہتا تھا۔ اسی لیے وہ اپنی تمام الٹی سیدھی فرمائشیں اسی سے پوری کرواتی تھی اور وہ بھی بغیر کسی حیل وحجت کے اس کی مانتا تھا۔

''لڑکی! کچھ تو شرم کرو۔ کچھ دن بعد میرے بھائی کی شادی ہے اور تمہیں سیر سپاٹوں کی پڑی ہے۔'' حازق نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے اپنی ٹانگ اڑائی۔

''ہاں! تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔ شادی ان کی ہے جب انہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے تو پھر تمہیں کیوں جلن ہو رہی ہے۔'' زینی نے حازق کو کرارا سا جواب دیا۔

''توبہ توبہ، کتنی لمبی زبان ہے تمہاری۔ سسرال جا کے ناک کٹواؤ گی ہماری۔''

حازق نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے عورتوں والے انداز میں کہا۔

''دیکھیں نا حارث بھائی! یہ حازق کا بچہ کیسی باتیں کر رہا ہے۔''

زینی نے حارث سے شکایت لگاتے ہوئے مدد طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

''بُری بات حازق! کیوں تنگ کر رہے ہو زینی کو۔'' حارث نے حازق کو ملامت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے ٹوکا۔

حارث کے ٹوکنے پہ اس نے حازق کی طرف ہنستے ہوئے منہ چڑایا، جبکہ حازق نے منہ بنا کر صرف اسے گھورنے پہ ہی اکتفا کیا۔

''چھوڑو زینی! اسکی تو عادت ہے تمہیں تنگ کرنے کی، آؤ ہم اندر چلتے ہیں۔ مجھے تمہیں اور دعا کو کچھ دکھانا ہے۔''

تانیہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

اسے اٹھتے دیکھ کے وہ دونوں بھی اٹھ گئیں۔

پھر زینی اور دعا ان دونوں بہنوں کے ساتھ اندر چلی گئیں، جبکہ اذلان، رومان، حارث اور حازق وہیں بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔

✿..........✿..........✿

شام میں وہ سب لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ پھوپھو نے بَری کے کپڑے اور زیور لا کے ان سب کو دکھائے۔ بَری کے کپڑے بہت اعلیٰ اور نفیس تھے۔ جبکہ زیور بھی بہت قیمتی اور خوبصورت تھا۔ دادی ماں، بڑی ماں اور چھوٹی ماں کو کپڑے اور زیور بہت پسند آئے اور انہوں نے اس کا برملا اظہار بھی کیا۔ اور دعا کا تو یہ حال تھا کہ وہ ایک ایک چیز کو کھول کے دیکھ رہی تھی، کیونکہ اسے کپڑوں اور جیولری کا بہت کریز تھا۔

''پھوپھو! یہ سب کس کی چوائس ہے؟'' دعا نے متاثر ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹا! یہ سب حارث اور زرتاشا (حارث کی ہونے والی بیوی) کی چوائس ہے۔ میں نے زرتاشا سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کپڑے اور زیور تم خود ہی پسند کرنا۔ کیونکہ کل کو پہننے تم نے ہیں تو پسند بھی تمہاری ہونے چاہیے۔''

پھوپھو نے سادگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔

''یہ تم نے بہت اچھا کیا شکیلہ! اور ویسے بھی آج کل کے فیشن کا ہمیں کیا پتا۔''

دادی ماں نے انہیں سراہتے ہوئے کہا۔

''ویسے حارث بھائی! ماننا پڑے گا ہماری ہونے والی بھابھی کی چوائس تو بہت اچھی ہے۔ دیکھیں لہنگے کا کلر کتنا خوبصورت ہے۔''

زینی نے لہنگے پہ ستائشی نگاہ ڈالتے ہوئے تعریف کی۔

''جی نہیں، یہ تمہاری بھابھی کی نہیں بلکہ میری چوائس ہے۔''

حارث اس کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے فخریہ انداز میں بولا۔

''اچھا جی، آپ تو بڑے چھپے رستم نکلے۔ جبکہ میں تو آپ کو بہت سادہ سمجھتی تھی۔''

زینی نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کے سب مسکرانے لگے۔

جبکہ حاذق کی زبان پھسلنے کے لیے مچلنے لگی۔

''ہاں! اس دنیا میں صرف دو ہی تو سادے پائے جاتے ہیں۔ ایک تم اور دوسرے تمہارے حارث بھائی۔''

''اچھا پلیز! اب تم دونوں پھر سے مت شروع ہو جانا۔''

حارث نے زینی کو فارم میں آتا دیکھ کے فوراً ہی ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

ابھی وہ لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ لاؤنج میں رکھے فون کے بجنے کی آواز آنے لگی۔ پھوپھو اٹھ کے فون سننے چلی گئیں۔ جبکہ باقی سب پھر سے باتوں میں مگن ہو گئے۔ پھر کچھ دیر بعد وہ فون سن کے واپس آئیں اور صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''حارث کے سسرال سے فرخندہ کا فون تھا۔ اسے آج ہی آپ سب کے آنے کی اطلاع ملی ہے اس لیے اس نے ہم سب کو ڈنر پہ انوائٹ کیا ہے۔''

''تمہیں انہیں منع کرنا چاہیے تھا۔ بچی کی شادی کا معاملہ ہے۔ پہلے ہی گھر میں سو کام ہوں گے، اوپر سے یہ دعوت۔ خوامخواہ انہیں تکلیف ہو گی۔''

بڑی ماں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ انہیں ان دنوں میں دعوت قبول کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ بڑی ماں کی بات پہ دادی ماں اور

چھوٹی ماں نے بھی ان کی مکمل تائید کی۔ جبکہ پھوپھو فوراً ہی بولیں۔

''تو آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں نے منع نہیں کیا ہوگا؟ کیا تھا، لیکن وہ مانتی تو پھر نا!''

پھوپھو کی بات سن کے سب چپ سے ہوگئے اور ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

''ارے ارے حارث بھائی کے چہرے پہ بکھرے نیلے پیلے رنگ تو دیکھو، آخر دیدارِ یار کا موقع جو مل رہا ہے۔''

رومان نے حاذق کی طرف آنکھ مارتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''رومان، میرے بھولے بھائی! انہیں موقع ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو موقع پیدا کرنے والوں میں سے ہیں۔''

حاذق نے اس کی سادگی اور لاعلمی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

حارث اور اذلان ان دونوں کی چھیڑ چھاڑ پہ مسکرا رہے تھے کہ اچانک ہی رومان کے ذہن میں کوئی خیال بجلی کی طرح کوندا اور اس نے اذلان کے قریب کھسکتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''بھائی! اگر آپ چاہیں تو یہ نیلے پیلے رنگ آپ کی زندگی میں بھی بکھر سکتے ہیں۔''

اذلان نے اس کی ذومعنی باتوں پہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کہیں تو میں زرتاشا بھابھی کی چھوٹی بہن زرناش سے آپ کی سیٹنگ کروا دیتا ہوں۔ یاد ہے جب ہم پچھلی بار آئے تھے تو وہ کیسے آپ کے آگے پیچھے پھرتی تھی۔''

رومان کے بیہودہ مشورے سن کے اس کے چہرے کے تاثرات یکدم ہی تبدیل ہوئے اور اس نے گھور کے اسے دیکھا۔ اس کے اس طرح گھورنے پہ رومان کی تو جیسے سٹی ہی گم ہوگئی اور اس کی ساری پھرتی دھری کی دھری رہ گئی۔

''بھائی! میں تو بس ایسے ہی......''

اس نے شرمندگی سے ہکلاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی اور فوراً ہی اٹھ کر دوسرے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

اگلی شام وہ سب تیار ہو کے فرخندہ آنٹی کے ہاں ڈنر کے لیے روانہ ہوگئے۔ فرخندہ، مہر النساء بیگم کے چچا زاد بھائی کی بیٹی تھیں اور ان کے تین بچے تھے۔ زرتاشا، زرناش اور عدیل۔ فرخندہ آنٹی کا گھر شکیلہ پھوپھو کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا اس لیے وہ جلد ہی ان کے گھر پہنچ گئے۔ چوکیدار کے گیٹ کھولنے پہ وہ سب اندر داخل ہوگئے۔

فرندہ آنٹی اندرونی حصے کے باہر پہلے سے ہی موجود تھیں۔ انہوں نے سب کا بڑا گرمجوشی سے استقبال کیا اور سب کو لے کر گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئیں۔ اندر جا کے بڑے سب ایک طرف محفل جما کے بیٹھ گئے اور ینگ پارٹی دوسری طرف بیٹھ کے باتیں کرنے لگی۔ باتیں کرتے ہوئے زرتاشا اور حارث مسلسل ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے اور اس کی اس حرکت پہ سب ہی

انہیں بہت معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے تھے لیکن انہیں تو جیسے کسی کی بھی پرواہ نہیں تھی۔

عدیل جو اذلان، حاذق اور رومان سے بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا، اچانک ہی ان سے ایکسکیوز کرتا لڑکیوں کی طرف آ گیا۔

''کیسی ہو تم دونوں؟'' عدیل نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے دعا اور زینی سے پوچھا۔

''ہم لوگ تو ٹھیک ہیں، تم اپنی سناؤ!''

دعا نے جواب دیتے ہوئے دوبدو پوچھا۔

''میں بھی ٹھیک ٹھاک ہوں، مجھے کیا ہونا ہے۔'' عدیل نے لاپرواہی سے کہا۔

''اتنے دنوں بعد تم لوگوں سے مل کے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ ان فیکٹ مجھے تو تم لوگوں کے ساتھ گزارے ہوئے بچپن کے دن یاد آ رہے ہیں۔''

وہ شرارت سے مسکرایا۔

''ہاں! یاد تو آئیں گے۔ ہم سب نے مل کے بچپن میں خوب شرارتیں جو کی ہیں۔ جب کبھی غلطی سے بھی ہم اکٹھے ہو جاتے تھے تو گھر والوں کے ساتھ ساتھ محلے میں رہنے والے لوگ بھی عاجز آ جاتے تھے ہم سے۔''

زینی کی بات سن کے سب بے ساختہ مسکرانے لگے، جبکہ دعا اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں! ظاہر ہے لوگوں نے تو تنگ آنا ہی تھا۔ گرمیوں کی تپتی دوپہر میں جب لوگ سو رہے ہوتے تو ہم ان کے گھروں کی بیل بجا بجا کے ان کی ناک میں دم کر دیتے تھے اور جب وہ جاگ کے باہر آتے تھے تو تب تک ہم بھاگ چکے ہوتے تھے۔''

''اور یاد ہے ہم درختوں سے کچے امرود اور انگور جو توڑ کے کھاتے تھے۔'' تانیہ نے بھی اس کارِ خیر میں حصہ لینا ضروری سمجھتے ہوئے سب کا ایک مشترکہ کارنامہ بتایا جس پہ زینی کو ایک مزیدار سا واقعہ یاد آ گیا۔

''وہ بھی یاد ہے جب ایسے ہی ایک دن ہم لوگ امرود کے درخت والے گھر سے کچے امرود توڑ رہے تھے کہ اچانک اندر سے ایک انکل باہر آ گئے اور انہوں نے ہمیں کچے امرود توڑتے ہوئے دیکھ لیا۔ ہم سب تو انکل کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن رانیہ ان کے ہاتھ لگ گئی اور جب ہم گھر پہنچے تو کچھ دیر بعد یہ بھی وہ انکل اپنے ساتھ لیے ہمارے پیچھے پیچھے گھر تھی۔ اور پھر ہمیں کتنی ڈانٹ پڑی تھی اس رانیہ کی وجہ سے، یاد ہے!''

زینی نے مصنوعی غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا جبکہ باقی سب اس واقعے کو یاد کر کے کھلکھلا کے ہنسنے لگے۔

''ہاں! تو میں کیا کرتی، تم سب مجھے وہاں اکیلا جو چھوڑ آئے تھے۔''

رانیہ نے جھینپ کے وضاحت دی

''اچھا چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ شادی کی تیاریاں کیسی جا رہی ہیں تم لوگوں کی؟''

زرناش نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔ پھر وہ تینوں زرناش کے ساتھ شادی کے حوالے سے باتیں کرنے لگیں۔ تانیہ، زرناش کو شادی کی تیاریوں کے بارے میں بتانے لگی۔ جبکہ زینی ابھی بھی عدیل کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ وہ دونوں اپنے بچپن کی یادیں تازہ کر کے ہنس رہے تھے۔ کبھی عدیل اسے کوئی پرانی بات یاد دلا دیتا اور کبھی زینی کوئی پرانا قصہ چھیڑ دیتی۔ اذلان، حارث کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً ان دونوں کو بھی دیکھ رہا تھا جو ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے مسلسل ہنس رہے تھے۔ نہ جانے کیوں اذلان کو زینی کا یوں عدیل سے باتیں کرنا بہت ناگوار گزر رہا تھا۔ اسے زینی کا عدیل سے بے تکلف ہونا ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ مگر وہ اپنی ناپسندیدگی کے باوجود بھی خاموش رہا اور خلاف معمول کچھ نہ بولا۔ باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا اور کچھ دیر بعد ملازمہ نے آ کے کھانے لگنے کی اطلاع دی۔ سب اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔ اور بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی سب ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ بس ایک وہی تھا جو خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔ پھر اس نے کھانے سے بھی بہت جلد ہاتھ کھینچ لیا۔ اور اپنی جگہ پہ ہی بیٹھ کے باقی سب کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب باقی سب بھی کھانا کھا کر ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گئے تو وہ بہت آہستگی سے اٹھ کے باہر نکل گیا اور داخلی دروازے سے باہر تھوڑا ہٹ کے کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے جیب سے سگریٹ نکال کے سلگا لیا اور سگریٹ کا دھواں باہر پھونکنے لگا۔

زرناش، جو اسی پہ ہی نظر رکھے ہوئے تھی، اسے باہر نکلتا دیکھ کر فوراً ہی اس کے پیچھے آ گئی۔

''آپ یہاں کیوں آ گئے؟'' زرناش نے اس کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

اسے زرناش کا یوں اپنے پیچھے آنا بہت گراں گزرا، مگر وہ ضبط کر گیا۔

''بس ایسے ہی!''

وہ مختصراً یہ کہہ کر خاموشی سے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینے لگا جبکہ وہ اس کے برابر کھڑی اس کے اتنے مختصر سے جواب سے آگے بولنے کا انتظار کرنے لگی مگر پھر اس کی عدم دلچسپی محسوس کرتے ہوئے اسے مجبوراً خود ہی بولنا پڑا۔

''آپ بہت کم باتیں کرتے ہیں، کیوں؟''

''پتہ نہیں!'' اسے جواب دیتے ہوئے اذلان کے چہرے پہ بہت بیزاری تھی جسے زرناش نے فوراً ہی نوٹ کیا۔

پھر اس کے اتنے سرد رویے پہ وہ کچھ دیر کے لیے بالکل خاموش ہو گئی اور بغور اس کا جائزہ لینے لگی۔ اس نے سفید شلوار قمیض کے اوپر کالی واسکٹ اور پاؤں میں پشاوری چپل پہنی ہوئی تھی۔ اس کے انداز میں ایک شان بے نیازی تھی جو اسے بہت پُر وقار بناتی تھی۔ وہ جتنا خوبصورت تھا، لڑکیوں کے معاملے میں اتنا ہی مغرور بھی۔ وہ کسی بھی لڑکی پہ اک غلط نگاہ ڈالنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا اور اس وقت

بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا۔اس نے بھول کے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا جبکہ اس کے لیے اذلان سے نظریں ہٹانا مشکل ہو رہا تھا۔

''مجھ سے بات کرتے ہوئے آپ کے چہرے پہ اتنی بیزاری کیوں ہوتی ہے؟''

نہ چاہتے ہوئے بھی زرناش کے لبوں پہ شکوہ آ گیا۔

''مجھے لڑکیوں سے بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔''

''لڑکیوں سے یا صرف مجھ سے؟''

اس نے دوبدو پوچھا جس پہ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سگریٹ نیچے پھینک کر پاؤں سے مسل دیا اور اس کی بات کا جواب دیے بغیر ہی اندر کی جانب بڑھ گیا۔اسے اندر جاتا دیکھ کر زرناش نے ایک سرد آہ بھری اور خود بھی اندر چلی گئی۔

''حارث، چلیں!''اذلان نے حارث کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں!بس تم یہ اپنی کافی پیو، پھر چلتے ہیں۔''

پھر کچھ دیر بعد وہ سب واپسی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔دادی ماں سے ملتے ہوئے فرخندہ آنٹی بہت ممنون لہجے میں بولیں۔

''آپ سب کا بہت بہت شکریہ!جو آپ سب آئے اور ہماری دعوت قبول کی۔''

''نہیں نہیں، اس میں شکریہ والی کون سی بات ہے۔ہم لوگوں نے تو ویسے بھی آنا تھا تمہارے گھر۔''

دادی ماں نے شفقت سے انہیں گلے لگاتے ہوئے کہا۔

پھر ایک دوسرے سے ملنے ملانے کے بعد سب اپنی اپنی گاڑیوں میں جا کے بیٹھ گئے اور واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔

۞..........۞..........۞

''یار!جلدی کرو، تم لوگوں کی تیاری سے تو ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے تم لوگ شادی پہ جا رہی ہو۔''

زینی نے ان تینوں کی تیاری پہ اک تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''تمہیں اگر تیار ہونے کا شوق نہیں ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔''رانیہ نے دہائی دی۔

''اچھا تم ایسا کرو کہ باہر جا کر لاؤنج میں بیٹھو، ہم لوگ آ رہے ہیں۔''

تانیہ نے آئی لائنر لگاتے ہوئے اسے تجویز دی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔لیکن پلیز جلدی کرنا!''

زینی نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔وہ جب باہر آئی تو آگے حارث اور اذلان کسی بات پہ بحث کر رہے تھے۔

''زینی!دیکھو نا، اذلان ہمارے ساتھ پکنک پہ نہیں جا رہا۔''

اسے آتا دیکھ کر حارث نے اس کی شکایت لگائی۔

''کیوں؟ آپ کیوں نہیں جا رہے؟''

''بس، میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' اذلان نے اُکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''یہ کیا بات ہوئی کہ دل نہیں چاہ رہا۔ اور ویسے بھی آپ کا دل چاہے یا نہیں پھر بھی آپ کو ہمارے ساتھ جانا پڑے گا، بس میں نے کہہ دیا۔''

زینی نے ہاتھ اٹھا کے بات ہی ختم کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں، زبردستی ہے کیا؟'' اذلان نے اس کے دوٹوک انداز پہ بے ساختہ پوچھا۔

''ہاں ہے!''

اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

''حارث بھائی! آپ بے فکر ہو کے جائیں اور جا کر تیار ہوں، یہ جائیں گے ہمارے ساتھ۔''

زینی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے حارث کو مطمئن کیا، جس پہ وہ مسکراتا ہوا اٹھ کے چلا گیا۔

''زینی! تم کیا چیز ہو؟'' اس کے جاتے ہی اذلان نے بے بسی سے پوچھا۔

''میں چیز بڑی ہوں مست مست''۔ اس نے ہولے سے گنگناتے ہوئے جواب دیا، جس پہ اذلان بے ساختہ مسکرانے لگا۔

''تم بہت ضدی ہو!''

''بہت اچھے لگتے ہیں آپ جب اس طرح میری تعریفیں کرتے ہیں۔'' زینی نے شرارت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی ذومعنی بات پہ وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑا اور اسے ہنستے دیکھ کے وہ اس کے ساتھ ہنسنے لگی۔ پھر یکدم ہی وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے مان سے بولی۔

''اور ویسے بھی مجھے آپ پہ زبردستی کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ کیونکہ میں آپ کی دوست جو ہوں۔''

''ہاں! تم کچھ بھی کرو، تمہیں حق ہے۔'' اذلان نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اذلان کے لہجے اور نگاہوں میں اک عجیب سی تپش تھی۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو یقیناً فوراً ہی چونک جاتی، مگر وہ زینیا سالار تھی۔ عام لڑکیوں سے بہت مختلف۔ اپنی ہی دنیا میں مگن رہنے والی اور شاید یہی چیز اسے دوسروں سے بہت منفرد بناتی تھی۔

اسلام آباد کی نسبت لاہور میں کافی رونق اور گہما گہمی تھی۔ لاہور کے رہنے والوں کو زندہ دلانِ لاہور کہا جاتا ہے اور شاید صحیح ہی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں کے رہنے والے بہت زندہ دل اور مست لوگ ہیں۔ لاہور کے بارے میں ایک کہاوت مشہور ہے۔

''جنتے لاہور نئیں ویکھیا، او جمیا ہی نئیں!'' اور یہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ لاہور میں بہت کچھ ایسا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لاہور اپنی تاریخ اور ثقافت کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ یہاں بہت سی تاریخی عمارتیں اور مقامات ہیں اور ہر سال لاکھوں ملکی اور غیر ملکی سیاح یہاں گھومنے پھرنے کی غرض سے آتے ہیں۔

اب ان کی گاڑی لاہور کی لمبی کشادہ اور صاف ستھری سڑکوں پر رواں دواں تھی۔ زینی اور دعا بہت ایکسائٹڈ اور خوش تھیں کیونکہ انہیں لاہور اور اس کی گہما گہمی بہت پسند تھی۔ وہ چاروں، زینی، دعا، تانیہ اور رانیہ، اذلان کی گاڑی میں تھیں۔ حاذق، رومان، ذیشان اور عدیل ایک گاڑی میں، جبکہ حارث، زرتاشا اور زرناش کے ساتھ ایک گاڑی میں تھا۔

اس وقت وہ سب مینار پاکستان کی طرف جا رہے تھے۔ مینار پاکستان جانے کی فرمائش زینی کی تھی جس پہ حاذق اور رومان نے بہت اعتراضات اٹھائے مگر اس نے ان دونوں کی ایک نہ سنتے ہوئے اپنی ہی منوائی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ سب مینار پاکستان کے پارکنگ ایریا میں کھڑے تھے۔ گاڑیاں پارک کرنے کے بعد وہ سب آگے کی طرف بڑھ گئے۔ پارکنگ ایریا سے مینار پاکستان تک بہت سا پیدل راستہ تھا۔ وہ سب چلتے ہوئے مسلسل باتیں کر رہے تھے جبکہ زینی چپ چاپ اردگرد کے نظارے دیکھنے میں محو تھی۔ وہ یہاں آ کے کھو سی جاتی تھی۔ حد نظر سبزہ ہی سبزہ تھا۔ مینار پاکستان کے اردگرد بہت سے چھوٹے چھوٹے خوبصورت باغ بنے ہوئے تھے جو اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔

کافی دیر تک پیدل چلنے کے بعد وہ سب سیڑھیاں چڑھ کے مینار پاکستان تک پہنچ گئے۔ زینی نے سر اٹھا کے مینار پاکستان کی طرف دیکھا جس کی اونچائی 201 فٹ، یعنی 62 میٹر تھی۔ مینار پاکستان کا شمار دنیا کے اونچے میناروں میں ہوتا تھا۔ مینار پاکستان کے اوپر تک جانے کے لیے اندر کی طرف سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جو آج کل کسی وجہ سے بند تھیں۔ مینار پاکستان کے اوپر کھڑے ہو کے پورے لاہور کا منظر بہت صاف اور واضح دکھائی دیتا تھا، جو بہت دلکش اور خوبصورت لگتا تھا۔

وہ مینار پاکستان کو چاروں جانب سے گھوم پھر کے دیکھنے لگی۔ یہ اس کی پسندیدہ جگہوں میں سے ایک تھی۔ کافی دیر تک گھومنے پھرنے کے بعد جب اس کا جی بھر گیا تو پھر وہ چاروں کزنز ایک دوسرے کی تصویریں کھینچنے لگیں۔

اذلان تھوڑی دیر چکر لگانے کے بعد ایک کونے میں آ کے بیٹھ گیا اور آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اچانک ہی اس کی نظر زینی پہ پڑی جو ان تینوں کے ساتھ تصویریں بنوانے میں مگن تھی۔ وہ کسی بات پہ ہنس رہی تھی اور ہنستے ہوئے وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ وہ بے خود ہو کے بس اسی کو دیکھنے لگا۔ اس نے اورنج کلر کا کڑھائی والا کرتا اور وائٹ کلر کی جینز کی پینٹ پہنی ہوئی تھی۔ دوپٹہ اس نے مفلر کی صورت گلے میں لپیٹ کے دونوں سائیڈ سے آگے کی طرف پھیلایا ہوا تھا۔ وہ زیادہ تر ایسے ہی دوپٹہ لیتی تھی۔ اس کے سلکی براؤن بال ہوا سے اُڑ رہے تھے جنہیں وہ بار بار ہاتھ سے ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل صاف شفاف تھا۔ میک

اَپ نام کی کوئی بھی چیز اس کے چہرے پہ نہیں تھی اور شاید اسے ان سب چیزوں کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ وہ ان سب کے بغیر بھی بہت خوبصورت اور پیاری لگتی تھی۔

ازلان ٹکٹکی باندھ کے اسے دیکھنے لگا، مگر پھر اچانک ہی اس کے دل نے اُسے سرزنش کی۔

''ازلان سکندر! تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم اسے یوں چوری چھپے دیکھو یا اس کے بارے میں سوچو۔ تم ایسے تو نہیں تھے۔ تم تو وہ تھے جو کسی لڑکی کو دیکھنا بھی غلط سمجھتے تھے، تو پھر اب ایسا کیا ہوگیا؟ تم اسے دیکھ کے اتنے بے خود کیوں ہو جاتے ہو کہ تمہیں اپنے دل اور نظر پہ قابو ہی نہیں رہتا۔''

وہ اپنی ہی سوچوں میں گم ذہنی کشمکش کا شکار تھا کہ زرناش آ گئی اور اس کی سوچوں میں مخل ہوگئی۔

''آپ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہیں؟''

زرناش نے اس سے تھوڑا فاصلے پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''پتہ نہیں!'' اس نے بہت خشک لہجے میں جواب دیا۔ اس پہ نظر پڑتے ہی ازلان کا تو جیسے حلق تک کڑوا ہو گیا۔ زرناش کے یہاں آ کے بیٹھنے پہ اسے بہت کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جتنا اسے اگنور کرتا تھا، وہ اتنا ہی اس کے پیچھے آتی تھی اور اس وقت بھی اس کے یوں منہ اٹھا کے اپنے پیچھے آنے پہ اسے شدید غصہ آیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ زرناش کا سر پھاڑ دے۔ مگر وہ مصلحتاً حارث کی وجہ سے برداشت کر گیا۔

''آپ ہمیشہ ہی اتنے غصے میں رہتے ہیں یا پھر یہ کرم نوازیاں صرف مجھ پہ ہی ہیں۔''

زرناش نے اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

ازلان نے اس کی بات کا کوئی جواب دینے کی بجائے ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اس نے ایسا جان بوجھ کر اسے نظر انداز کرنے کے لیے کیا۔

ازلان کا یہ رویہ اسے بہت ہتک آمیز لگا جس سے اسے کافی دکھ بھی پہنچا، مگر وہ اپنے دل کے ہاتھوں یہ سب سہنے پہ مجبور تھی۔

''کیا ہم دونوں کے بیچ دوستی نہیں ہو سکتی؟ یا پھر آپ مجھے اپنی دوستی کے لائق بھی نہیں سمجھتے؟''

ازلان سے یہ سب کہتے ہوئے اس کے لہجے میں اک بے نام سا دکھ تھا۔

''نہیں۔'' ازلان نے موبائل سے کھیلتے ہوئے دوٹوک انکار کیا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ میں ایک لڑکے اور لڑکی کی دوستی کو اچھا نہیں سمجھتا۔ مجھے لگتا ہے کہ ایک لڑکا لڑکی کے درمیان سب کچھ ہو سکتا ہے

ماسوائے دوستی کے۔''

وہ اپنے دل کی بھڑاس باتوں کی صورت اس پہ نکالتا ہوا اُٹھ کے چلا گیا اور وہ مایوسی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

''زینی! اگر تمہاری 1940ء کی روح کو سکون آ گیا ہو تو چلیں؟''

رومان نے اس کے قریب آ کے کافی جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''ہاں چلو!''

''شکر ہے۔'' اس کے ہاں کہنے پہ رومان اور حاذق نے منہ پہ ہاتھ پھیرا۔

پھر وہ سب چلتے ہوئے واپس گاڑیوں کے پاس آ گئے۔

''اب کہاں جانا ہے؟'' حاذق نے جیب سے گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے پوچھا۔

''یار! ظہر کی نماز کا وقت ہونے والا ہے۔ پاس ہی بادشاہی مسجد ہے وہاں چلتے ہیں۔ نماز بھی پڑھ لیں گے اور مسجد بھی دیکھ لیں گے۔ کیا خیال ہے؟''

اذلان نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے مشورہ دیا۔

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔'' حارث نے اس کی بات سے مکمل اتفاق کیا۔

پھر وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں میں جا کے بیٹھ گئے۔ جبکہ زینی یوں ہی کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟ بیٹھو گاڑی میں۔''

اسے یوں منہ اٹھائے کھڑا دیکھ کے اذلان نے اسے گاڑی میں بیٹھنے کے لیے کہا۔

''نہیں۔'' زینی نے کچھ سوچتے ہوئے انکار کیا۔

''کیوں؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''مجھے بادشاہی مسجد گاڑی پہ نہیں جانا۔''

''تو پھر کس پہ جانا ہے؟''

''چنگ چی پہ۔'' اس نے پاس کھڑی چنگ چی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اذلان نے اس کی اس انوکھی سی فرمائش پہ اس سے کسی بھی قسم کی کوئی بحث نہیں کی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ ایک دفعہ جو کرنے کا ٹھان لے تو پھر وہ کسی کی نہیں سنتی تھی۔ اس لیے اسے سمجھانا یا بحث کرنا بیکار تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اذلان نے مجبوراً ہامی بھر لی۔

''یاھو! یُو آر دا بیسٹ!'' زینی نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

ازلان چنگ چی والے سے بات کرنے چلا گیا۔ جبکہ اس نے دعا، تانیہ اور رانیہ کو بھی اپنے ساتھ چنگ چی میں جانے کے لیے تیار کر لیا۔ وہ تینوں بھی خوشی خوشی چنگ چی میں بیٹھنے کے لیے گاڑی سے اُتر گئیں۔ پھر زینی ان تینوں کو لے کے چنگ چی کے پاس آ گئی جہاں ازلان ان کے آنے سے پہلے ہی چنگ چی والے سے بات کر چکا تھا۔ اس لیے ان کے آتے ہی ازلان نے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا۔ جب وہ چاروں بیٹھ گئیں تو ازلان بھی جا کے گاڑی میں بیٹھ گیا اور چنگ چی کے ساتھ ساتھ گاڑی چلانے لگا۔ ابھی انہوں نے تھوڑا سا ہی سفر طے کیا تھا کہ زینی چنگ چی والے بھائی سے ملتجی لہجے میں بولی۔

''بھائی! میری ایک بات مانیں گے؟''

''جی باجی بولیں!''

''آپ ایسا کریں کہ آپ پیچھے آ کے بیٹھ جائیں اور چنگ چی مجھے چلانے دیں۔''

زینی کی بات سن کے چنگ چی والے نے بے اختیار پیچھے مُڑ کے اسے دیکھا، ایسے جیسے اسے زینی کی ذہنی حالت پہ شبہ ہو۔

''باجی! آپ کی تو طبیعت ٹھیک ہے۔ یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔''

''جی بھائی! میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ آپ کے پوچھنے کا بہت بہت شکریہ! بس آپ مجھے چنگ چی چلانے دیں۔''

زینی نے چنگ چی والے کی بات کا کچھ اور ہی مطلب لیا۔

''باجی! میں آپ کو اپنی چنگ چی چلانے کے لیے نہیں دے سکتا۔ اگر آپ نے اسے کہیں ٹھوک دیا تو میں کیا کروں گا۔ میرے پاس تو آمدنی کا واحد یہی ذریعہ ہے۔''

چنگ چی والے نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''بھائی! آپ فکر نہ کریں۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا اور اگر غلطی سے ایسا کچھ ہو بھی گیا تو وہ ساتھ والی گاڑی میں جو صاحب بیٹھے ہیں، وہ آپ کو آپ کے نقصان سے زیادہ ادا کر دیں گے۔''

زینی نے ازلان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی جھجک دور کرنے کی کوشش کی۔ پھر کافی دیر بحث کرنے کے بعد مجبوراً چنگ چی والے کو ماننا پڑا۔ جبکہ وہ تینوں ہونقوں کی طرح کبھی اسے اور کبھی چنگ چی والے کو دیکھ رہی تھیں کیونکہ انہیں سمجھ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔

''زینی! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے یہ کیا تماشا ہے؟'' دعا نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''دعا پلیز! اب تم اپنی لیکچر مت شروع کر دینا۔''

پھر زینی نے ان تینوں کی ایک نہ سنتے ہوئے چنگ چی والے کو چنگ چی روکنے کے لیے کہا۔ چنگ چی والے نے اس کے کہنے پہ چنگ چی روک دی پھر وہ اپنی جگہ سے اُتر کے اس کے لیے جگہ خالی کرتے ہوئے پیچھے آ کے بیٹھ گیا اور زینی نے بہت پھرتی سے اس کی جگہ سنبھال لی۔ چنگ چی چلاتے ہوئے اس کی خوشی دیدنی تھی۔ ان تینوں کی سمجھ میں ابھی بھی کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ حواس باختہ سی ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے حتی الامکان اسے روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے ان کی ایک نہ سنی اور مزے سے اپنے نئے ایڈونچر سے محظوظ ہوتی رہی۔ پہلے تو وہ تینوں بہت ڈری ہوئی تھیں، مگر پھر اسے اتنے اچھے طریقے سے چنگ چی چلاتا دیکھ کر وہ بھی انجوائے کرنے لگیں۔

ازلان نے زینی کو چنگ چی چلاتے دیکھا تو اسے 440 والٹ کا کرنٹ لگا۔ اس نے بمشکل خود پہ قابو پاتے ہوئے سامنے سڑک پہ دھیان دیا۔ اسے اب سمجھ آیا کہ وہ چنگ چی میں بیٹھنے کے لیے اتنی اتاولی کیوں ہو رہی تھی۔ دراصل اس کے ذہن میں یہ پلاننگ چل رہی تھی۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے غصے سے بے حال بار بار اسے بھی دیکھ رہا تھا جو بالکل نڈر اور بے خوف ہو کے چنگ چی چلا رہی تھی۔ اسے یہ فکر ستا رہی تھی کہ اس کے شوق کے چکر میں مبادا اسے کچھ ہو نہ جائے۔ اس نے دل ہی دل میں اسے خوب ڈانٹنے کا تہیہ کیا۔

کچھ دیر بعد وہ بادشاہی مسجد کے گیٹ کے باہر تھے۔ ازلان نے گاڑی سے اُتر کے پہلے تو چنگ چی والے کو پیسے دے کر فارغ کیا پھر وہ غصے سے زینی کی طرف مُڑا۔

''زینی! یہ کیا بچپنا تھا۔ اگر تم لوگوں کو کچھ ہو جاتا تو!'' وہ بہت غصے میں اس کی طرف مُڑا تھا۔ مگر اسے دیکھتے ہی اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ محض یہی کہہ سکا۔

''اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے تو خود پہ بہت کنٹرول کیا، بہت کوشش کی کہ میں ایسا نہ کروں، مگر سب بے سود!''
اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
وہ اس وقت معصومیت کی انتہا پہ تھی اور ازلان برداشت کی۔

''میں نے سوچا کہ اگر آج میں نے اپنے دل کی بات نہ مانی تو مجھے بعد میں بہت افسوس ہوگا۔ پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ بعد میں ساری زندگی پچھتانے سے بہتر ہے کہ میں اپنے دل کی بات مان لوں، سو میں نے مان لی۔''

وہ لاپرواہی سے کندھے اُچکاتے ہوئے معاملہ رفع دفع کرتی مسجد کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جبکہ ازلان صبر کا دامن تھامے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بادشاہی مسجد بہت وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ پاکستان کی دوسری بڑی مسجد تھی۔ یہ مسجد مغلیہ دور میں تعمیر کروائی گئی تھی۔ جو مغلیہ فنِ تعمیر کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ مسجد کی تعمیر میں سرخ اینٹوں اور ماربل کا استعمال کیا گیا تھا۔ جو دیکھنے والی آنکھ کو خیرہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

پھر وہ سب مسجد کو چڑھنے والی سیڑھیوں کے پاس آ کے رُک گئے۔ انہوں نے اپنے جوتے اُتار کے سائیڈ پہ رکھے اور وہ سب سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آتے ہوئے مسجد کے احاطے میں داخل ہو گئے۔ مسجد کو چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھنے کے بعد وہ سب مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔

''زینی! تم نے کیا گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں نام لکھوانا ہے الٹی سیدھی حرکتیں کر کے؟'' حاذق نے چھوتے ہی اس پر طنز کیا۔

زینی کا چونکہ موڈ بہت اچھا تھا اس لیے اس نے حاذق کے طنز پہ کوئی رسپانس نہ کرتے ہوئے اسے نظر انداز کر دیا۔

''گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں نام لکھوانا ہے یا نہیں، لیکن اگر اس کی یہی حرکتیں رہیں تو اس نے اپنا اور ہمارا بہت جلد شہیدوں میں نام ضرور لکھوا لینا ہے۔''

دعا نے کچھ دیر پہلے ہونے والے واقعے کو ذہن میں لاتے ہوئے خوف سے جھرجھری لے کے کہا۔

زینی نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اسے گھور کے دیکھا۔

''ویسے زینی! تم نے یہ سب کہاں سے سیکھا۔ تمہیں دیکھ کر تو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے تم کافی ایکسپرٹ ہو ان سب میں۔'' زرتاشہ نے اس سے متاثر ہوتے ہوئے پوچھا۔ زرتاشہ کے منہ سے اس کی تعریف سن کے رومان سے رہا نہ گیا اور اس نے فوراً ہی سارا کریڈٹ خود لینا چاہا۔

''اور کہاں سے سیکھا ہے، میں نے اپنی راتوں کی نیندیں حرام کر کر کے سکھایا ہے اسے۔ کیوں زینی؟'' رومان نے اس سے تصدیق چاہی۔

''ہاں! یہ تو ہے۔ اس سب کا کریڈٹ رومان کو جاتا ہے۔''

زینی نے فراخدلی سے اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں کا سہرا رومان کے سر کیا، جس پہ وہ کافی خوش ہو گیا۔

عدیل کافی دیر سے ان سب کی باتیں سنتے ہوئے بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

وہ کب سے اسے ہی دیکھ رہا تھا جو ان دو چار دنوں میں ہی اسے بہت اچھی اور اپنی اپنی لگنے لگی تھی۔ وہ اسے باقی لڑکیوں سے بہت مختلف لگی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس کا دل اس کی طرف مائل ہو رہا تھا۔

''زینی! اگر لاہور کی سڑکوں پہ تم جیسے ڈرائیور پائے جانے لگیں تو لوگ اپنی گاڑیاں چھوڑ کر چنگ چی میں سفر کرنے لگیں گے۔'' عدیل نے معنی خیزی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اذلان نماز پڑھ کے اسی طرف آ رہا تھا اور اس نے آتے آتے عدیل کی بات سن لی تھی۔

''لاہور کی سڑکیں اور لوگ ابھی اتنے خوش قسمت نہیں ہیں کہ زینیا سالار انہیں اپنی رونق بخشے۔''

زینی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اتنے اعتماد سے بولی کہ وہ سٹپٹاتے ہوئے کچھ بولنے کے لائق ہی نہ رہا۔

ازلان کا دل اچانک ہی اس منظر سے اچاٹ ہو گیا اور اس نے چلنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال سے اب چلنا چاہیے۔''

سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور فوراً ہی اُٹھ کے کھڑے ہو گئے۔

۞............۞............۞

وہ بار بار کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی جو سامنے ونڈ اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے گاڑی چلا رہا تھا۔ ازلان نے چنگ چی والے واقعے کے بعد سے ابھی تک اس سے بات نہیں کی تھی۔ وہ مسلسل اسے اگنور کر رہا تھا اور یہی چیز اسے بے چین کر رہی تھی۔ وہ بظاہر بہت لاپرواہ نظر آنے والی لڑکی درحقیقت بہت حساس تھی۔ اگر کوئی اپنا اس سے ناراض ہو جاتا تو وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتی تھی جب تک کہ وہ اسے منا نہ لیتی اور اس وقت بھی وہ اسی کوشش میں تھی کہ وہ ازلان سے بات کر کے اسے منا لے۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟''

''نہیں!''

''تو پھر آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟''

''بس، ایسے ہی۔''

''بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ مجھے پتہ ہے آپ مجھ سے ناراض ہیں۔''

''اگر پتہ ہے تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو۔'' ازلان نے ایک خفا سی نگاہ اس پہ ڈالی۔

''اور ویسے بھی تمہیں کسی کی ناراضگی کی کیا پرواہ! تمہیں تو وہی کرنا ہوتا ہے جو تمہارا دل کرتا ہے۔ ہے ناں!'' ازلان نے اس کی کچھ دیر پہلے کی کہی ہوئی بات دہراتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے آپ کی ناراضگی کی پرواہ ہے، بلکہ بہت پرواہ ہے۔ اگر پرواہ نہ ہوتی تو میں آپ کو یوں مناتی؟''

زینی نے شرمندہ ہوتے ہوئے منہ پھلا کے کہا۔

اسے زینی کے منہ سے یہ بات سن کے ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔ اسے اچھا لگا کہ زینی کو اس کی ناراضگی کی پرواہ تھی اور وہ اپنے طور پر اسے منانے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ اس سب نے اس کے موڈ پر اتنا خوشگوار اثر ڈالا کہ وہ فوراً ہی اپنا غصہ بھول گیا۔

''اچھا! تو تم مجھے منا رہی ہو۔'' ازلان نے دلچسپی سے اس کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھا۔

''جی۔''

''تو پھر مناؤ!'' اس نے صورتحال سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری! میں آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گی جس سے آپ کو غصہ آئے یا آپ ناراض ہوں۔ اور ویسے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ میں جو چاہوں یا سوچوں وہ پورا ہو جائے۔ دنیا میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ وہ جو سوچتے یا چاہتے ہیں، ویسا نہیں ہوتا۔ ان اتنے سارے لوگوں میں ایک میں بھی سہی۔''

وہ مایوسی سے سر جھکاتے ہوئے بولی۔

''نہیں زینی! تمہارا جو دل چاہے وہ کرو۔ تم جیسا سوچنا چاہو سوچو، میں تمہیں تمہاری خواہشات سے دستبردار ہونے کو نہیں کہہ رہا۔ میں تو تم سے صرف اس لیے ناراض تھا کہ بس میں یہ نہیں چاہتا کہ میری چھوٹی اور بیوقوف سی دوست کو کوئی نقصان پہنچے۔ اس لیے مجھ سے وعدہ کرو کہ تم آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی جس سے تمہیں کسی بھی قسم کا کوئی نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو، وعدہ کرو۔''

ازلان نے بے چینی سے اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے چہرے پہ مایوسی دیکھ کے وہ اس قدر بے چین کیوں ہو گیا تھا۔ وہ اگر جانتا تھا تو صرف یہ کہ اس کے چہرے کی اُداسی نے اسے اندر تک ہلا کے رکھ دیا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گی۔ وعدہ۔'' زینی نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے یقین دلایا۔

''اور جہاں تک بات ہے تمہاری الٹی سیدھی خواہشات پوری کرنے کی تو زینیا سالار! تم نے ازلان سکندر سے دوستی کی ہے، اور ازلان سکندر اپنی دوست کی خوشی کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔'' ازلان نے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''واقعی؟ آپ میری ہر بات مانیں گے؟'' زینی نے خوشی اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہر بات!'' ازلان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے کہا۔

✿..........✿..........✿

''زینی! میوزیم میں اینٹیک چیزوں کو دیکھتے ہوئے ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ جیسے ہم خود بھی اسی دور میں پہنچ گئے ہوں، ہے ناں!''

دعا نے میوزیم سے باہر نکلتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''ہاں! تم تو لگتی بھی اسی دور کی ہو۔ غلطی سے اس دور میں پیدا ہو گئی ہو۔''

زینی کی بات سن کے سب بے ساختہ ہنسنے لگے۔

''اچھی! چلو زینی اب بتاؤ، یہاں سے کہاں جانا ہے؟'' حارث نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''چڑیا گھر۔''

''واٹ؟ چڑیا گھر!'' حارث نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا جبکہ اذلان زیرلب مسکرانے لگا۔ کیونکہ جتنا وہ اسے جانتا تھا اسے زینی سے اس قسم کے جواب کی ہی توقع تھی۔

''زینی! چڑیا گھر بچوں کے جانے کی جگہ ہے نہ کہ بڑوں کی۔'' رومان نے اسے سمجھانے کی ناکام سی کوشش کی۔

''مجھے چڑیا گھر جانا ہے تو جانا ہے، بس!'' زینی نے اٹل لہجے میں کہا۔

''زینی! اگر تمہارا اتنا ہی دل کر رہا ہے چڑیا گھر دیکھنے کو تو جاؤ شیشے کے آگے جا کے کھڑی ہو جاؤ، اور جتنی دیر دل چاہے کھڑی دیکھتی رہو۔''

حاذق کی بات سنتے ہی قہقہے فوارے کی صورت سب کے منہ سے چھوٹے، جبکہ زینی کا غصے سے بُرا حال ہو گیا۔

''حاذق کے بچے! صبر کرو، ابھی میں تمہیں بتاتی ہوں۔'' وہ غصے سے کہتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی۔

زینی کو اپنی طرف آتا دیکھ کر حاذق فوراً ہی اذلان کے پیچھے جا کے چھپ گیا۔

''اذلان بھائی پلیز! مجھے اس جنگلی بلی سے بچالیں۔''

''آپ سائیڈ پہ ہو جائیں، آج میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔'' زینی نے اذلان کے پیچھے چھپے حاذق کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا چلو چھوڑو، جانے دو۔'' اذلان نے اس کا غصہ کم کرنے کے لیے کہا۔

''نہیں! آج یہ میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔ میں اس کی بوٹیاں کر کے چڑیا گھر کے جانوروں کو کھلاؤں گی۔'' زینی کے عزائم بہت خطرناک تھے۔

''ہائے اللہ! اذلان بھائی پلیز! آج مجھے بچالیں۔ مجھے جوانی میں نہیں مرنا۔ ابھی میں نے دیکھا ہی کیا ہے۔'' حاذق نے اس کے پیچھے سے منہ نکال کے دہائی دی۔

اور آج کے بعد تم کچھ دیکھنے کے لائق رہو گے بھی نہیں۔''

زینی نے جارحانہ انداز میں قمیض کے بازو اوپر چڑھائے۔

''زینی! دیکھو میں تمہارا دوست ہوں نا! تو پلیز اسے میری خاطر چھوڑ دو۔ پلیز!''

اذلان نے اسے کندھوں سے تھام کر سفارشی لہجے میں کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے! میں نے تمہیں معاف کیا۔ جاؤ کیا یاد کرو گے۔'' زینی کا انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ حاذق پہ کوئی بہت بڑا احسان کر

رہی ہو۔

''تھینکس ازلان بھائی! آج آپ نے مجھے بچالیا ورنہ پتہ نہیں میرا کیا بنتا؟''

حاذق نے ہنستے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ باقی سب بھی لڑائی کے ختم ہوتے ہی اپنی اپنی گاڑیوں میں جا کے بیٹھ گئے۔ جبکہ زینی وہیں کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟ کہاں کھو گئیں، چلنا نہیں ہے کیا؟'' ازلان نے اسے یوں کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں چلیں۔'' اس نے چونک کر قدم بڑھا دیئے۔

✿..........✿..........✿

میوزیم سے چڑیا گھر کا فاصلہ صرف دو کلو میٹر تھا اس لیے وہ سب تھوڑی ہی دیر میں چڑیا گھر پہنچ گئے۔ جیسے ہی گاڑی رکی تو وہ جلدی جلدی گاڑی سے اُتری اور ان تینوں کو ساتھ لیے بھاگتی دوڑتی چڑیا گھر کے اندر چلی گئی۔ زینی کا جوش و خروش دیکھ کر وہ مسکرا دیا اور یوں ہی مسکراتے ہوئے گاڑی پارک کرنے لگا۔ جیسے ہی وہ گاڑی پارک کر کے باہر نکلا تو اس نے زرناش کو اپنی طرف آتا دیکھا۔ زرناش کو دیکھ کر اس کے چہرے سے مسکراہٹ فوراً ہی غائب ہو گئی اور وہ پہلے ہی کی طرح سنجیدہ ہو گیا۔

''اوہو! لگتا ہے میں غلط ٹائم پہ آ گئی۔ آپ اچھے خاصے مسکرا رہے تھے، شاید آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا۔''

زرناش نے اس کے بے حد سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے چوٹ کی۔

ازلان کا بڑی شدت سے دل چاہا کہ وہ ''ہاں'' کہہ دے، مگر مروّت اور لحاظ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہ ایسا نہ کر سکا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے اپنی بیزاری پہ قابو پاتے ہوئے نارمل لہجے میں کہا۔

''ویسے آپ کی مسکراہٹ کافی اچھی ہے۔ مسکراتے رہا کریں۔''

اس کے منہ سے اپنی تعریف سن کر اسے بہت غصہ آیا۔ اسے زرناش کا یوں بلاوجہ فری ہونا بالکل اچھا نہیں لگا۔

''آپ صرف یہ کہنے آئی تھیں یہاں!''

اس کا لہجہ اتنا ہتک آمیز تھا کہ زرناش کے لیے اس کے سامنے کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔

''نہیں! کہنے تو میں کچھ اور آئی تھی، مگر......''

''تو پھر جلدی کہیں، اپنا اور میرا وقت برباد مت کریں۔''

ازلان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے کہا۔

''آپ اپنی بات کریں، میرا تو وہی وقت قیمتی ہے جو آپ کے ساتھ گزر جائے۔ خیر...... میں آپ سے یہ کہنے آئی تھی کہ آپ تو

کہہ رہے تھے کہ آپ ایک لڑکے اور لڑکی کی دوستی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ تو پھر آپ کا اپنی اور زینی کی دوستی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

زرناش نے ایک طنزیہ مسکراہٹ چہرے پہ سجاتے ہوئے اسے بہت کچھ جتایا۔

اسے اس وقت زرناش کے چہرے کی طنزیہ مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے چہرے سے یہ طنزیہ مسکراہٹ نوچ کر پھینک دے۔ وہ اس کی مسکراہٹ میں چھپی بہت سی ان کہی باتوں کا مفہوم سمجھ چکا تھا۔

اس کی آنکھیں غصے سے سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس نے بڑی مشکل سے خود پہ ضبط کیا ہوا تھا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں اپنی ذاتیات کے حوالے سے کسی کو بھی جوابدہ نہیں ہوں۔"

اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔

✿............✿............✿

زینی چڑیا گھر میں جانوروں کے پنجروں کے پاس کھڑی بڑی محویت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے جانور حد سے زیادہ پسند تھے۔ وہ اس وقت بھی مختلف قسم کے جانوروں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی کہ اتنے میں حاذق اس کے پاس آ کے کھڑا ہو گیا۔

وہ اپنے آپ میں اتنی مگن تھی کہ اسے حاذق کے آنے کا پتہ ہی نہ چلا۔

"زینی!" حاذق نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے پکارا۔

"تم......؟ تم کیوں آئے ہو یہاں۔ جاؤ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔"

وہ غصے سے کہتی ہوئی دوسرے پنجرے کے پاس جا کے کھڑی ہو گئی۔

"زینی! تم ابھی تک ناراض ہو؟ اچھا! ایک دفعہ میری بات تو سن لو۔" حاذق نے اس کے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی، تم جاؤ یہاں سے۔" زینی کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

"نہیں! جب تک تم اپنی ناراضگی ختم نہیں کرو گی میں نہیں جاؤں گا یہاں سے، بلکہ ایسے ہی تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا رہوں گا۔"

"تم بہت بُرے ہو حاذق!" اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ اسے حاذق کے ڈھیٹ پن پہ غصہ آ رہا تھا۔

"ہاں! وہ تو میں ہوں۔ اگر بُرا نہ ہوتا تو کیا اپنی اتنی پیاری سی بہن کو ناراض کرتا۔"

حاذق نے جذباتی ہوتے ہوئے بڑی کاری ضرب لگائی جو سیدھی جا کے اس کے دل پہ لگی۔

"اچھا ٹھیک ہے، زیادہ ایموشنل بلیک میلنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس دفعہ تو میں مان رہی ہوں، لیکن اگر آئندہ تم نے مجھے تنگ کیا تو میں معاف نہیں کروں گی۔" اس نے انگلی اٹھا کے اسے وارننگ دیتے ہوئے کہا۔ حاذق کی بات سن کر اس کا دل فوراً ہی نرم پڑ گیا تھا۔

"اس بات کی میں کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ تمہیں تنگ کرنے میں مجھے مزہ آتا ہے۔" حاذق نے پیار سے اس کے

کندھے پہ اپنا بازو رکھتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''تو ٹھیک ہے، پھر میری بھی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔'' زینی نے لاپرواہی سے کندھے اُچکاتے ہوئے اسے محتاط کیا۔

زینی کے اس انداز پہ حاذق کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ اسے ہنستے دیکھ کر وہ بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی۔

''یہ کیا، پاک بھارت کشیدگی ختم ہو گئی؟ رومان نے ان دونوں کو ہنستے ہوئے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

''ہاں! ختم ہو گئی۔'' حاذق نے لمبا سا سانس کھینچتے ہوئے بتایا۔

''چلو شکر ہے!''

''زینی! تم یہاں کھڑی ہو اور ہم تمہیں کب سے ڈھونڈ رہے تھے۔'' دعا نے اسے ان دونوں کے ساتھ کھڑے دیکھ کر کہا۔ تانیہ اور رانیہ بھی اس کے ساتھ تھیں۔

''یہ دیکھو، یہ کیا ہے؟'' دعا ہاتھ میں پکڑا کیلوں والا شاپر ہوا میں لہراتے ہوئے جوش بولی۔

''آؤ، یہ کیلے بندروں کے آگے پھینکتے ہیں۔''

دعا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ وہ چاروں بندروں کے پنجرے کے پاس آ کے کھڑی ہو گئیں اور شاپر میں سے کیلے نکال نکال کر ان کے آگے پھینکنے لگیں۔ انہیں بندروں کے کرتب دیکھنے میں بہت مزہ آ رہا تھا۔ کیلے پھینکتے ہوئے زینی کی نظر پنجرے میں ایک کونے میں بیٹھے ہوئے بندر پہ پڑی تو وہ گھوم کر پنجرے کی دوسری طرف اس بندر کے پاس آ گئی اور اس کے آگے کیلے پھینکنے لگی۔ زینی پنجرے میں بند بندروں کی عجیب و غریب حرکتیں دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر ارد گرد سے بے خبر انہیں دیکھتی رہی۔ پھر اچانک ہی اس کی نظر پنجرے کے دوسری طرف کھڑی ان تینوں پر پڑی جو کافی پریشان اور ڈری ہوئی لگ رہی تھیں۔ پھر اس کی گھومتی ہوئی نظر ان کے پاس کھڑے دو لڑکوں پہ پڑی اور اسے صرف دو منٹ لگے سارا معاملہ سمجھنے میں۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے ان تینوں کے پاس آ ئی۔

''کیا ہوا؟ کوئی مسئلہ ہے؟'' زینی نے ان لڑکوں کو گھورتے ہوئے پوچھا، جو انہیں ہی دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

''زینی! یہ لڑکے ہمیں تنگ کر رہے تھے، چلو چلتے ہیں یہاں سے۔'' دعا نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ایسے کیسے چلتے ہیں، صبر کرو۔ ابھی میں ان کا دماغ درست کرتی ہوں۔''

زینی نے جارحانہ انداز میں انہیں گھورا۔ اس کے اتنے شدید ردعمل کو دیکھ کر وہ تینوں ڈر گئیں۔

''زینی! چھوڑو دفع کرو، فضول میں تماشا بنے گا۔'' تانیہ نے اس کے غصے کے پیش نظر مصلحتاً کہا۔

مگر اسے تانیہ کی بات سن کر مزید غصہ آ گیا۔

''ہم لڑکیوں کے اسی ڈرنے ہی تو ان لڑکوں کو اتنی ہمت دی ہے کہ یہ جب، جہاں دل چاہے کسی بھی لڑکی کو چھیڑ دیں۔ کیونکہ وہ

جانتے ہیں کہ ہم لڑکیاں اپنی عزت کے تماشے کے ڈر سے پلٹ کر کبھی جواب نہیں دیں گی اور یہی چیز انہیں نڈر بناتی ہے۔ اگر ایک دفعہ ہم لڑکیاں انہیں دھول چٹا دیں تو ان کی جرأت نہ ہو کسی لڑکی کو چھیڑنے کی۔"

پھر ان کے لاکھ منع کرنے کے باوجود زینی نے ان لڑکوں کے ساتھ وہ کی جو دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ زینی کا تو فل موڈ ان کی دھلائی کرنے کا تھا، کیونکہ وہ جوتا ہاتھ میں پکڑ کر گئی تھی، مگر وہ ڈرپوک پہلے ہی ڈر کر بھاگ گئے۔

"دیکھا! کیسے ڈر کے بھاگ گئے۔ ایسے لڑکوں میں بس اتنی ہی ہمت ہوتی ہے۔"

زینی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا جوتا نیچے پھینک کے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"زینی! وہ دیکھو اذلان بھائی ادھر ہی آ رہے ہیں۔ پلیز ان کے سامنے اس بات کا ذکر بھی نہ کرنا ورنہ ان کے غصے سے تو ہم سب ہی واقف ہیں۔"

دعا کی بات سن کر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کیونکہ اس کے غصے سے تو وہ بھی بڑی اچھی طرح سے واقف تھی۔

"کیا ہوا؟ تم سب ایسے کیوں کھڑی ہو؟" اذلان نے آتے ہی سوال کیا۔

"نہیں، کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی!" دعا نے بہت محتاط انداز میں جواب دیا۔

پھر وہ چاروں اس کے ساتھ مختلف پنجروں میں قید جانوروں کو دیکھنے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سب کچھ بھول کر پھر سے جانوروں میں مگن ہو گئی تھیں۔

اذلان اس کی جانوروں کے ساتھ محبت اور لگاؤ پہ بہت حیران ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ ہر پنجرے کے پاس جا کے بہت پیار اور محبت سے جانوروں کو اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی اور اس سے بھی زیادہ حیرت اسے اس بات پر ہو رہی تھی کہ اسے کسی بھی جانور سے ڈر یا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"زینی! تمہیں ان جانوروں سے ڈر نہیں لگ رہا؟ عموماً لڑکیوں کو تو بہت ڈر لگتا ہے جانوروں سے۔" اذلان نے متجسس ہو کے پوچھا۔

"نہیں......ڈر یا خوف کیسا؟ بھلا یہ پنجروں میں قید جانور کسی کو کیا کہہ سکتے ہیں۔"

زینی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس کا ایک ایک لفظ ہمدردی میں ڈوبا ہوا تھا۔

اذلان نے نظر بھر کر اس نرم و نازک سی لڑکی کو دیکھا جو جانوروں کے لیے بھی دل میں اس قدر ہمدردی رکھتی تھی۔ اذلان کے دل میں اس کی قدر اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔

ابھی وہ دونوں یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ سامنے سے عدیل آ گیا۔

"یار زینی! تم لوگ یہاں ہو، اور میں کب سے تم لوگوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔"

''کیوں؟ تم کیوں ڈھونڈ رہے تھے ہمیں؟''

زینی نے الٹا اس سے پوچھا۔

''وہ وہاں مور اپنے پنجرے میں رقص کر رہا ہے۔ میں تم لوگوں کو یہی بتانے آیا تھا۔ آؤ چل کر دیکھتے ہیں۔''

عدیل کی بات سن کر وہ چاروں خوشی سے اُچھلنے لگیں۔ انہیں مور کا رقص دیکھنے کا بہت شوق تھا اس لیے وہ جلدی جلدی عدیل کے پیچھے چلنے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سب مور کے پنجرے کے سامنے تھے۔ مور کے پنجرے کے اردگرد لوگوں کا بہت ہجوم تھا۔ بڑی مشکل سے جگہ بنا کر انہوں نے مور کا رقص دیکھا۔ مور نے بہت اعلیٰ اور شاندار رقص پیش کیا جسے دیکھنے کے بعد وہ سب دوسرے پنجروں کی طرف بڑھ گئے۔ پھر تھوڑی دیر اور وہاں گزارنے کے بعد وہ لوگ واپسی کے لیے اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف چل دیئے۔

وہاں سے نکلتے نکلتے انہیں شام ہو گئی تھی۔ اس لیے اب ان کی اگلی اور آخری منزل فورٹریس سٹیڈیم تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

''یار! میرے خیال میں پہلے ڈنر کر لیتے ہیں۔ سب کو بھوک لگی ہو گی۔ پھر جس کا جہاں دل کرے چلا جائے۔'' فورٹریس سٹیڈیم پہنچ کر گاڑیاں پارک کرنے کے بعد ازلان حارث سے بولا۔

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ مجھے بھی بہت بھوک لگی ہے، چلو چلتے ہیں۔'' حارث نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

پھر وہ سب فورٹریس سٹیڈیم کے سب سے اچھے اور مہنگے ریسٹورنٹ میں آ گئے۔ وہاں سب نے بہت شاندار سا ڈنر کیا۔ ڈنر کے بعد جب بل ادا کرنے کا وقت آیا تو حارث بل ادا کرنے لگا مگر ازلان نے اسے منع کر دیا۔ پھر اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بل ازلان نے ادا کیا۔ وہ اس بات پہ ازلان سے بہت خفا بھی ہوا مگر ازلان نے اسے منا ہی لیا۔ ازلان سکندر کی مردانہ اَنا اور خودداری یہ کبھی گوارا نہ کرتی کہ اس کے ہوتے ہوئے بل کوئی اور ادا کرے۔ وہ ایسا ہی تھا۔ سب سے الگ اور مختلف اپنی ذات میں مکمل جسے دیکھ کر ہر لڑکی اس کے ساتھ کی خواہش کرے۔ مگر آج تک کوئی بھی لڑکی اس تک رسائی حاصل نہ کر پائی۔ اس کے دل کے بند دروازے نہ کھول پائی۔ مگر اب شاید کوئی بہت ہولے سے اس کے دل کی مسند پہ براجمان ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ کوئی اس کی سوچوں پہ قابض ہو رہا تھا۔ مگر اسے ابھی اس کا ادراک نہیں ہوا تھا۔ وہ ابھی تک اس سب سے بے خبر تھا۔ مگر کب تک؟

کھانا کھانے کے بعد انہوں نے شاپنگ مال کا رُخ کیا۔ کیونکہ جہاں لڑکیاں ہوں اور وہاں شاپنگ نہ ہو، ایسا ہو نہیں سکتا۔ سب نے اپنی اپنی پسند کی دکان کا انتخاب کیا اور اپنی مرضی کی چیزیں دیکھنے لگے۔ وہاں سب ہی تھے، سوائے ازلان کے۔ اسے کھانا کھانے کے بعد سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی۔ اور وہ سب کی موجودگی میں سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ اس لیے اس نے شاپنگ مال کی بجائے پارکنگ ایریا کا رُخ کیا۔ پارکنگ ایریا میں آ کے وہ اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔ وہ کچھ دیر کھڑا

یوں ہی سگریٹ پیتا رہا۔ پھر سگریٹ پینے کے بعد وہ بھی شاپنگ مال کے اندر آ گیا۔ شاپنگ مال میں گھوم پھر کے دیکھنے کے بعد اچانک ہی اس کی نظر ایک لیڈیز بوتیک پر پڑی، جہاں دعا اور زینی کھڑی تھیں۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ بھی بوتیک کے اندر آ گیا۔

''کیا ہوا؟ کچھ پسند آیا؟'' اس نے ان دونوں کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی بھائی، مجھے شال پسند آئی ہے اور زینی کو جیکٹ۔'' دعا کو ایک بہت خوبصورت کام والی شال پسند آئی تھی جبکہ زینی نے اپنے لیے بلیک کلر کی لیدر کی جیکٹ پسند کی تھی جس پر بہت خوبصورت موتی پوز لگے ہوئے تھے۔

''نہیں دعا، جیکٹ بہت مہنگی ہے۔ اسے رہنے دو میں پھر کبھی لے لوں گی۔'' زینی نے جیکٹ پہ لگے پرائس ٹیگ کو دیکھ کے جھجکتے ہوئے کہا۔

''دعا! تم یہ دونوں چیزیں لے جا کے پیک کرواؤ، میں آ کے پے منٹ کرتا ہوں۔'' ازلان نے اس کے ہاتھ سے جیکٹ لے کر دعا کو تھمائی۔ وہ جیکٹ اور شال لے کر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی وہ زینی کی طرف مڑا۔

''زینی! تم یہ باتیں کب سے سوچنے لگیں۔'' ازلان نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اور ویسے بھی مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ اگر دل کچھ خواہش کرے تو اسے فوراً پورا کرو، یہ نہ ہو کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔'' ازلان کی بات سن کر وہ بے ساختہ مسکرانے لگی۔

''نہیں بس...... وہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا آپ سے اتنی مہنگی جیکٹ لینا۔''

زینی نے جھجکتے ہوئے اسے اپنے دل کی بات بتائی۔

''کیوں اچھا نہیں لگ رہا۔ بلکہ تم نے تو میری مشکل آسان کر دی۔ میں تو اتنے دنوں سے سوچ رہا تھا کہ ہماری دوستی ہوئی ہے تو مجھے تمہیں کوئی گفٹ دینا چاہیے۔ چلو اچھا ہو گیا کہ تم نے خود ہی پسند کر لیا اپنا گفٹ۔'' ازلان نے فٹافٹ بات بناتے ہوئے کہا۔ پھر وہ اسے لے کے کاؤنٹر پہ آ گیا اور پیمنٹ کرنے لگا۔ پیمنٹ کرنے کے بعد وہ لوگ بوتیک سے باہر آ گئے۔ ازلان نے حاذق اور رومان کو دیکھا تو وہ ان کے پاس چلا گیا۔ جبکہ وہ دونوں چلتی ہوئی تانیہ اور رانیہ کے پاس آ گئیں۔

پھر مال میں کافی دیر گزارنے کے بعد وہ سب جوائے لینڈ چلے گئے۔

☆............☆............☆

''زینی، دعا! یہ دیکھو بھوت بنگلے کے ٹکٹس۔ میں اور حاذق سب کے لیے لے کر آئے ہیں۔ سب مل کر دیکھیں گے، کتنا مزہ آئے گا۔'' رومان نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹکٹس دکھاتے ہوئے خوشی سے کہا۔ رومان کے ساتھ ساتھ حاذق بھی کافی پُر جوش نظر آ رہا تھا۔

''نہیں، میں نہیں جاؤں گی تم لوگوں کے ساتھ۔ میں نے سنا ہے بھوت بنگلہ بہت ڈراؤنا ہوتا ہے اور مجھے تو ویسے ہی اتنا ڈر لگتا

ہے۔" دعا صاف انکار کرتے ہوئے بولی۔

"دعا! اس بار تمہارا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ جب کہہ دیا کہ سب جائیں گے تو مطلب سب جائیں گے۔" رومان نے اس کے انکار کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے دو ٹوک کہا۔

"دعا! چلتے ہیں، مزہ آئے گا۔ ویسے بھی ہم نے کبھی بھوت بنگلہ نہیں دیکھا۔ چلو اس دفعہ یہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔" زینی نے لجاجت بھرے انداز میں اُسے منانے کی کوشش کی۔

پھر رومان، حاذق اور زینی نے مل کر دعا کو بھوت بنگلہ دیکھنے پر آمادہ کر ہی لیا۔ کچھ دیر بعد وہ سب بھوت بنگلے کے باہر کھڑے تھے۔ بھوت بنگلے کی عمارت باہر سے بہت پرانی اور بوسیدہ لگ رہی تھی اور اس میں سے عجیب و غریب قسم کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔ بھوت بنگلے سے آتی آوازیں سن کر دعا ڈر گئی اور اس نے بے اختیار زینی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"زینی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" دعا نے روہانسی صورت بنا کر کہا۔

"کچھ نہیں ہوتا دعا! میں ہوں نا تمہارے ساتھ، بس تم میرا ہاتھ نہیں چھوڑنا۔"

زینی نے اسے تسلی دی۔

پھر وہ سب بھوت بنگلے کی اینٹرنس پہ جا کے کھڑے ہو گئے۔ سب سے آگے رومان اور حاذق تھے پھر پیچھے باقی سب۔ حاذق نے اینٹرنس پر لگے ہوئے پردے کو ہاتھ سے پیچھے ہٹایا اور وہ سب اندر داخل ہو گئے۔ بھوت بنگلے کے اندر کا ماحول بہت خوفناک اور پُر اسرار تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی دائیں اور بائیں جانب خوفناک شکل و صورت کے بھوت اور ڈھانچے رکھے ہوئے تھے۔ بھوت بنگلے میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے بھوتوں اور ڈھانچوں پہ سرخ اور سفید تھری ڈی لائٹس لگائی ہوئی تھیں۔ تھری ڈی لائٹس اور بیک گراؤنڈ سے آتی عجیب و غریب سی آوازوں اور چیخوں سے بھوت بنگلے کا منظر بہت ہیبت ناک لگ رہا تھا۔

جیسے ہی دعا کی نظر بھوتوں اور ڈھانچوں پر پڑی تو ڈر کے مارے اس نے زینی کا ہاتھ چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے زور سے اس کا بازو پکڑ لیا۔ دعا کا خوف کے مارے بُرا حال تھا اور وہ ہولے ہولے کانپ بھی رہی تھی۔ ڈر تو زینی کو بھی لگ رہا تھا مگر وہ خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے اسے تسلیاں دیتی رہی۔ یہاں تک تو معاملہ ٹھیک ہی تھا، مگر جیسے ہی وہ لوگ تھوڑا آگے بڑھے تو ایک چڑیل نما چیز بھاگتی ہوئی ان کی طرف آئی اور ایک فاصلے پہ رُک کے واپس چلی گئی۔ اس اچانک التفات پہ سب ہی تھوڑا ڈر گئے مگر لڑکیوں نے تو چیخ چیخ کر آسمان زمین ایک کر دیا۔ اس بار دعا نے اس کا بازو چھوڑ، اسے پورا ہی دبوچ لیا۔ دعا اس کے ساتھ لگی چیخ رہی تھی اور اس کا بھی ڈر سے بُرا حال تھا۔ ادھر زرناش نے ڈرتے ڈرتے اذلان کو پکڑ لیا۔ مگر جیسے ہی اذلان کی نظر اپنے ساتھ لگی زرناش پہ پڑی تو وہ غصے سے خود کو چھڑاتا ہوا آگے ہو گیا۔ پھر جیسے ہی وہ لوگ تھوڑا اور آگے ہوئے تو آگے ہوا میں ڈھانچے لٹکے ہوئے تھے۔ رہی سہی کسر ان ڈھانچوں نے پوری کر دی۔

اس بار دعا کے ساتھ ساتھ زینی کی چیخیں بھی فلک شگاف تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بھوت بنگلے میں بیک گراؤنڈ سے آنے والی چیخوں اور لڑکیوں کی چیخوں کے درمیان کوئی مقابلہ چل رہا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لپٹی آنکھیں بند کیے مسلسل چیخ رہی تھیں۔ ان دونوں کی چیخیں سن کر اذلان ان کے پاس آ گیا۔ اس پہ نظر پڑتے ہی وہ دونوں یک دوسرے کو چھوڑ کر اس کے ساتھ چپک گئیں۔ اس کا ایک بازو دعا نے اور دوسرا زینی نے پکڑ لیا۔ ان دونوں نے اتنی زور سے اس کے بازو پکڑے ہوئے تھے کہ جیسے انہیں اس کے بھاگنے کا خدشہ ہو۔ اذلان نے ان دونوں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ شاید اس وقت سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ انہوں نے باقی کا راستہ یوں ہی ذلان کے ساتھ لگے چیختے چیختے گزارا۔

اللہ اللہ کر کے بھوت بنگلے کا کٹھن ترین راستہ ختم ہوا اور ان سب کی جان میں جان آئی۔ باہر نکل کر بھی کتنی ہی دیر وہ ہوش و حواس سے بیگانہ رہیں۔ رومان اور حاذق نے سب لڑکیوں کا خوب ریکارڈ لگایا۔ کچھ دیر بھوت بنگلے کے باہر گزارنے کے بعد وہ لوگ پارک کی دوسری طرف آ گئے۔ جیسے جیسے رات بیت رہی تھی سردی بھی زیادہ ہو گئی تھی اور دھند بھی پڑنے لگی تھی۔ زینی یوں بیٹھے بیٹھے اکتا گئی تو اس کا دل ایڈونچرس رائیڈ پہ بیٹھنے کو چاہا۔ اس نے تانیہ، رانیہ، دعا، سب سے کہا مگر اس کے ساتھ جانے کو کوئی بھی تیار نہ ہو۔ پھر عدیل اس کے بنا کہے ہی اس کے ساتھ ایڈونچرس رائیڈ پہ بیٹھنے کے لیے تیار ہو گیا۔

اذلان نے ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھا تو اسے بہت بُرا لگا۔ اسے عدیل کا یوں زینی سے فری ہونا بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہ اس کی آنکھوں میں زینی کے لیے پسندیدگی دیکھ چکا تھا۔ ان دونوں کو ایڈونچرس رائیڈ پہ بہت مزہ آیا۔ جب انہیں پارک میں آئے ہوئے کافی دیر گزر گئی تو حارث اور اذلان نے ان سب سے واپسی کے لیے کہا۔ چونکہ رات کافی ہو چکی تھی اس لیے بلا چوں چراں سب واپسی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب وہ لوگ گھر پہنچے تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اتنی دیر سے گھر آنے پر سب کو دادی ماں سے خوب ڈانٹ پڑی۔

ڈانٹ سے فارغ ہو کر سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ تھکاوٹ اتنی زیادہ تھی کہ جاتے ہی سب سو گئے۔

اگلے دن دوپہر میں وہ تینوں پارلر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں اور انہوں نے زبردستی اسے بھی اپنے ساتھ جانے کے لیے تیار کیا۔ جبکہ اس کا جانے کا بالکل موڈ نہیں تھا اور وہ مسلسل انکار کر رہی تھی۔

''یار! میں پارلر جا کے کیا کروں گی، اور ویسے بھی پارلر والر میرے ٹائپ کی جگہ نہیں ہے۔'' زینی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہاں! ہمیں پتہ ہے کہ پارلر تمہارے ٹائپ کی جگہ نہیں ہے لیکن پھر بھی تمہیں ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔''

تانیہ نے اس کے بگڑتے موڈ کو نظر انداز کرتے ہوئے دوٹوک کہا۔

''اور کیا، تم اس شکل کے ساتھ بھائی کی شادی اٹینڈ کرو گی؟''

''کیا ہوا ہے میری شکل کو۔ اچھی خاصی تو ہے۔'' اس نے تانیہ کی تنقید پہ تشویش سے شیشے میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں، خوش فہمی ہے تمہاری۔'' رانیہ نے ہنستے ہوئے طنزیہ کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے! میں جیسی بھی ہوں ٹھیک ہوں۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔'' اس کی بیزاری عروج پر تھی۔

''زینی! اب اگر انکار کا ایک لفظ بھی تمہارے منہ سے نکلا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ عام روٹین میں بھی تم اپنے آپ سے اتنی لاپرواہ رہتی ہو، کم از کم شادی پہ تو کچھ حلیہ درست کروالو اپنا۔''

دعا نے غصے سے اسے ڈپٹ کر کہا۔ دعا کو غصے میں دیکھ کر وہ خاموش ہوگئی اور چپ چاپ جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ جب وہ تیار ہو کر باہر آئیں تو گھر پر کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ جس کے ساتھ وہ پارلر جاسکتیں۔ حارث اور اذلان اپنے کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ جبکہ حاذق اور رومان پھوپھو کے کسی کام سے گئے تھے۔ پھوپھو سے یہ سب جان کر ان تینوں کو بہت کوفت ہوئی جبکہ وہ بالکل ریلیکس کھڑی تھی۔

''اگر تم لوگ کہو تو میں لے جاتی ہوں تم لوگوں کو پارلر۔ باہر پورچ میں گاڑی کھڑی ہے۔''

زینی نے کار پورچ میں کھڑی گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے ان تینوں کو آفر دی۔

''جی نہیں، ہمیں ابھی مرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ ہم ویٹ کر لیتے ہیں، کوئی نہ کوئی آ جائے گا۔''

دعا لاؤنج میں پڑے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کی دیکھا دیکھی وہ تینوں بھی بیٹھ گئیں۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عدیل آ گیا۔ وہ پھوپھو کے پاس کسی کام سے آیا تھا اور ان چاروں کو یوں تیار صوفے پہ بیٹھا دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''ہائے گرلز! تم لوگ کہیں جا رہی ہو؟''

''ہاں! جا رہے تھے پارلر، مگر اب نہیں جا رہے کیونکہ گھر پہ کوئی نہیں ہے۔''

تانیہ نے مظلوم سی شکل بناتے ہوئے بتایا۔

''اگر تم لوگ کہو تو میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔ مجھے بس آنٹی سے دو منٹ کا کام ہے وہ کر لوں تو بس چلتے ہیں۔'' عدیل نے کن اکھیوں سے زینی کی طرف دیکھا جس کی توجہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے میگزین پہ تھی۔

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔'' تانیہ نے خوش ہوتے ہوئے فوراً ہی ہامی بھر لی۔

پھر کچھ دیر بعد وہ چاروں عدیل کی گاڑی میں بیٹھی پارلر جا رہی تھیں۔ گھر سے پارلر کا راستہ تھوڑا سا ہی تھا اس لیے پارلر جلد ہی آ گیا۔ عدیل نے انہیں پارلر کے آگے اُتارا اور چلا گیا۔

۞..........۞..........۞

دادی ماں، شکیلہ پھوپھو، بڑی ماں اور چھوٹی ماں لان میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ حارث اور اذلان آ گئے۔ انہوں نے سب کو لان میں بیٹھے دیکھا تو وہ دونوں بھی اُدھر ہی آ گئے۔

''پھوپھو! چائے کی بہت طلب ہو رہی ہے۔ پلیز چائے پلوا دیں۔''

اذلان نے سب کو سلام کر کے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تم بیٹھو، میں ابھی لائی۔'' وہ ایک دم ہی اپنی جگہ سے اٹھیں اور ملازمہ سے چائے کا کہنے اندر چلی گئیں۔

''اذلان! اپنے بابا لوگوں کا بھی کچھ پتا ہے کہ وہ تینوں کب تک آئیں گے؟''

دادی ماں نے فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی دادی ماں! میری بات ہوئی تھی ان سے۔ آج شام کی فلائٹ سے آ رہے ہیں وہ۔ میں اور حارث جائیں گے ایئرپورٹ انہیں لینے کے لیے۔''

اذلان ان کی پریشانی دور کرتے ہوئے بولا۔

اسی اثناء میں پھوپھو چائے لے کر آ گئیں اور وہ سب بیٹھ کے چائے پینے لگے۔

''امی! گھر میں بہت خاموشی ہے، کہاں ہیں باقی سب؟'' حارث نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے پھوپھو سے پوچھا۔

''حاذق اور رومان تو میرے ہی کسی کام سے گئے ہیں، البتہ لڑکیاں تم لوگوں کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی عدیل کے ساتھ پارلر گئی ہیں۔'' عدیل کا نام سنتے ہی اس کا موڈ اچانک سے ہی خراب ہو گیا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی چائے ختم کی پھر وہ سب کیا باتیں کرتے رہے اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا۔ اس کا دھیان بار بار بھٹک کر زینی اور عدیل کی طرف جا رہا تھا۔

اس کے اندر اک عجیب سی بے چینی اور اضطراب تھا، جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔ وہ اپنے ذہنی انتشار سے گھبرا کر اٹھ کر جانے والا ہی تھا کہ اس نے سامنے سے ان دونوں کو آتے ہوئی دیکھا۔

''السلام وعلیکم!'' عدیل نے مسکراتے ہوئے سب کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! یہ کیا زینی تم اکیلی آئی ہو، باقی تینوں کہاں ہیں؟''

چھوٹی ماں نے عدیل کے ساتھ صرف اسے ہی کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

''وہ تینوں پارلر میں ہی ہیں۔ میں فری ہو گئی تھی اور وہاں بیٹھے بیٹھے بور ہو رہی تھی اس لیے میں نے عدیل کو کال کر کے بلا لیا اور آ گئی۔ ان کو ابھی ٹائم لگے گا۔''

زینی نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے تفصیل بتائی۔ پھر وہ سب عدیل سے حال احوال پوچھنے لگے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ واپسی کے

لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے جاتے وہ زینی کے پاس آ کر رُکا اور خفگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''آج تو تم نے میرے ساتھ آئسکریم نہیں کھائی، لیکن یہ میرا تم پر اُدھار ہے، اچھا!''

''ہاں، کیوں نہیں! آج بس میرا دل نہیں کر رہا تھا لیکن نیکسٹ ٹائم ضرور کھاؤں گی۔''

زینی نے مسکراتے ہوئے اسے یقین دہانی کرائی۔

عدیل اس سے بات کر کے چلا گیا اور اس کے جاتے ہی کچھ دیر بعد وہ بھی اٹھ کر اندر چلی گئی۔ ازلان کی توجہ ان دونوں پہ ہی تھی۔ اس لیے اس نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔ ان کی باتیں سننے کے بعد اس کے اندر کی بے چینی اور اضطراب مزید بڑھ گیا تھا۔ اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کی کوئی بہت قیمتی چیز اس سے دور جا رہی ہو۔ اس کے دل و دماغ میں ایک عجیب سی کشمکش جاری تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر بے چین کیوں ہو جاتا تھا؟ ان دونوں کو ایک دوسرے سے بات کرتا دیکھ کر اسے کیوں بُرا لگتا تھا؟ وہ زینی کے معاملے میں اتنا پوزیسیو کیوں ہو رہا تھا؟ بہت سے سوال تھے جو اس وقت سر اُٹھائے اس کے سامنے کھڑے تھے اور اس کے پاس فی الحال ان میں سے کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں تھا۔

''کیا بات ہے ازلان! میں کافی دیر سے محسوس کر رہی ہوں کہ تم بہت چپ چپ سے ہو۔''

دادی ماں نے اسے یوں خاموش بیٹھے دیکھ کر تشویش سے پوچھا۔

''کوئی بات نہیں ہے دادی ماں! بس تھوڑا سر میں درد ہے۔''

''تو بچے اس طرح کیوں بیٹھے ہو، جاؤ اندر جا کر آرام کرو۔''

''جی دادی ماں۔'' وہ بہت بوجھل قدموں سے اٹھ کر اندر چلا گیا۔ اندر جا کر وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے زینی کے کمرے میں آ گیا۔ جب وہ اندر آیا تو وہ شیشے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں کی کٹنگ سیٹ کر کے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی اس کی نظر ازلان پہ پڑی تو اس نے فوراً سے پہلے اپنا بیڈ پہ پڑا ہوا دوپٹہ اٹھا کر شانوں کے گرد پھیلا لیا۔ ازلان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

''آئی ایم سوری! میں ناک کیے بغیر ہی آ گیا۔'' اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے نظریں چرائیں۔

''اِٹس او۔ کے!'' زینی اسے شرمندہ دیکھ کر خفیف سا مسکرائی۔

''آپ یہاں؟ کیا ہوا کوئی کام تھا؟''

''ہاں! میں یہ کہنے آیا تھا کہ آئندہ اگر تمہیں کہیں بھی جانا ہوا تو مجھ سے کہنا، کسی دوسرے تیسرے سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آئی سمجھ!'' ازلان نے بات ختم کر کے اس کی طرف دیکھا۔ جو اُلجھن بھری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اس نے ناسمجھی کے عالم میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

وہ اپنی بات ختم کر کے جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ زینی نے اسے پیچھے سے پکارا۔

''ایک منٹ رُکیں پلیز!''

ازلان نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا جو اپنے بیگ سے کچھ نکالنے میں مصروف تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ بیگ میں سے اپنی مطلوبہ چیز نکال کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''ہاتھ آگے کریں۔''

''کیوں؟''

''سوال نہیں کریں، ہاتھ آگے کریں۔'' ازلان نے اس کے کہنے پہ ہاتھ آگے کر دیا۔

''اب بٹن کھول کر آستین اوپر کریں۔'' اس بار اس نے بنا کچھ کہے ہی آستین اوپر کر دی۔ مگر جیسے ہی اس نے آستین اوپر کی تو زینی کی نظر اس کے بازو پہ لگے زخموں پہ پڑی۔ اس نے حیرت سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا جو اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر فوراً ہی آستین نیچے کر رہا تھا۔

''یہ آپ کے بازو پر زخم کیسے ہیں؟''

''کچھ نہیں ہے، تم انہیں چھوڑو اور وہ کرو جو کر رہی تھیں۔'' ازلان نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔

پھر اس کی آنکھوں کے سامنے کل بھوت بنگلے والا منظر گھوم گیا۔ جب ڈر کے مارے اس نے اور دعا نے ازلان کے بازو پکڑ لیے تھے اور شاید خوف میں انہوں نے اس کے بازو اتنی شدت سے پکڑ لیے تھے کہ ان کے ناخن اس کے گوشت میں پیوست ہو گئے تھے۔ اس کا دل یہ سوچ کر بہت دکھی ہو رہا تھا کہ یہ زخم اس کے دیئے ہوئے تھے۔

''یہ زخم میرے دیئے ہوئے ہیں ناں!'' اس کا لہجہ دکھ اور شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ ایسی ہی تھی ہر ایک کی تکلیف پہ دکھی ہونے والی اور اس وقت تو وہ دکھی ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سوچ کر شرمندہ بھی تھی کہ ازلان کی اس تکلیف کا سبب وہ خود تھی۔ پھر اچانک ہی وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ازلان نے اسے باہر جاتا دیکھ کر بے اختیار پکارا۔

''زینی! کہاں جا رہی ہو؟''

''جب زخم میں نے دیے ہیں تو مرہم بھی میں خود ہی رکھوں گی۔''

تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک آئنٹمنٹ تھی۔ اس نے ازلان کو ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ پہ بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

”زینی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم خوامخواہ ہی پریشان ہو رہی ہو۔ معمولی سا زخم ہے، خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔“ ازلان نے اسے ٹیوب سے ڈھکن کھولتے دیکھ کر کہا۔

”آپ چپ کر کے بیٹھیں، میں جو کر رہی ہوں مجھے کرنے دیں۔“ وہ بارعب انداز میں بولی۔

پھر اس نے ازلان کے دونوں بازوؤں کے آستین اوپر کر کے اس کے زخموں پر مرہم لگانی شروع کی۔ وہ اتنے آرام آرام سے اور دیکھ دیکھ کر مرہم لگا رہی تھی کہ جیسے اسے ڈر ہو کہ کہیں اسے درد نہ ہو رہا ہو۔ وہ مرہم لگاتے ہوئے اسے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوئی۔ اسے زینی کا یوں اپنے لیے فکر مند ہونا اچھا لگ رہا تھا۔

وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگا۔ اسے زینی میں کچھ بدلاؤ محسوس ہو رہا تھا۔ اور وہ بدلاؤ کیا تھا، وہ تھوڑا غور کرنے پہ سمجھ گیا تھا۔ زینی نے بالوں کی کٹنگ کرائی تھی جس سے وہ تھوڑی مختلف اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔ مرہم لگاتے ہوئے اس کی کٹنگ کے بال بار بار اس کے چہرے پہ آ رہے تھے، جنہیں وہ سر جھٹک کر پیچھے کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ازلان نے بے خودی میں ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے سے بال پیچھے کر دیئے۔ جس پہ اس نے اک سرسری سی نظر اس پہ ڈالی اور دوبارہ مرہم لگانے لگی۔ اس کی نظریں زینی پہ جمی ہوئی تھیں۔ وہ اک ٹرانس کی کیفیت میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جب بھی اسے دیکھتا تو اسے یوں لگتا کہ جیسے کوئی چیز اسے زینی کی طرف کھینچ رہی ہو۔ جیسے اس کی شخصیت میں کوئی جادو ہو جو اسے اس کے سحر میں جکڑ لیتا ہو اور وہ چاہ کر بھی خود کو اس سحر سے آزاد نہ کروا سکتا ہو۔ اس وقت بھی اس کی کیفیت کچھ ایسی ہی تھی۔ ازلان سکندر اس کے سامنے خود کو بہت بے بس محسوس کرتا تھا۔ وہ ازلان سکندر جو اپنے پاس کسی لڑکی کو پَر بھی نہیں مارنے دیتا تھا، وہ زینیا سالار کے سامنے اتنا بے بس ہو گیا تھا کہ وہ اس کے دل پہ لگے برسوں پرانے زنگ آلود قفل کھولتی ہوئی اس کے دل کی مسند پہ آ کے براجمان ہو گئی اور اسے پتہ بھی نہ چلا۔ وہ تو ابھی تک اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ اب اس کے دل پر اس کا نہیں کسی اور کا راج تھا۔

”ہو گیا!“ ازلان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو ٹیوب پہ ڈھکن لگا رہی تھی۔ وہ اپنی بے خودی پہ اتنا حیران تھا کہ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کب اس نے دونوں بازوؤں پہ مرہم لگا بھی دی۔ اس نے آستین نیچے کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ زینی نے اسے روک دیا۔

”ٹھہریں ابھی۔“ پھر وہ اٹھ کر بیڈ کے دوسرے کونے کی طرف چلی گئی۔ جب وہ دوبارہ ازلان کے سامنے آ کر بیٹھی تو اس کے ہاتھ میں دو فرینڈ شپ بینڈ تھے۔ ایک اس نے ازلان کے ہاتھ میں تھما دیا اور دوسرا اپنے ہی ہاتھ میں رہنے دیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں سے ازلان کے ہاتھ پہ فرینڈ شپ بینڈ پہنایا۔

وہ اس کی اس ایکٹی وٹی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ یہ سب اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ اسے بینڈ پہنانے کے بعد زینی نے اپنی کلائی اس کے آگے رکھ دی۔

”یہ آپ کے گفٹ جتنا مہنگا تو نہیں ہے، لیکن یہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہے گا اور آپ کو میری اور آپ کی دوستی کی یاد دلاتا

رہے گا۔‘‘ زینی نے اس کے ہاتھ سے بینڈ پہنتے ہوئے کہا۔

’’میرے لیے یہ دنیا کا سب سے قیمتی تحفہ ہے اور میں اس کی حفاظت اپنی جان سے بھی بڑھ کر کروں گا۔‘‘ اذلان نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے خلوص سے کہا۔

زینی کی خوشی کے لیے اس کا یہ جملہ ہی کافی تھا۔ وہ ایسے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ خوش ہو جایا کرتی تھی۔ پھر وہ اٹھ کر چلا گیا اور وہ پھر سے شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنی کٹنگ دیکھنے لگی۔

اذلان اور حارث گاڑی میں بیٹھے ایئرپورٹ کی طرف جا رہے تھے۔ دن کی نسبت اس وقت وہ کافی فریش اور مطمئن لگ رہا تھا۔ جب سے وہ زینی کے کمرے سے آیا تھا وہ بہت خوش اور مسرور تھا۔ اپنے دل کا اضطراب اور بے چینی وہ اس کے کمرے کی دہلیز پہ ہی چھوڑ آیا تھا۔ اس کا ہر وسوسہ اور اندیشہ خود بخود ہی دم توڑ گیا تھا۔

دوپہر سے کتنی ہی دفعہ وہ اپنے بازوؤں کے زخم دیکھ چکا تھا۔ جن پہ اس نے خود اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے مرہم لگائی تھی۔ اسے ابھی بھی اپنے بازوؤں پہ اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ اور قرب نے اس کے دل میں بہت خوبصورت اور دلفریب جذبے بیدار کیے تھے۔ جن سے آج تک وہ ناآشنا تھا۔ اس کی سادہ اور بے ریا باتیں اسے بہت اچھی لگتی تھیں۔ وہ اس کی سنگت میں بہت خوش رہتا تھا۔ اس کی معصوم اور بچگانہ حرکتوں نے اذلان کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کی نظر اپنی کلائی میں بندھے ہوئے بینڈ پر پڑی تو اس دلکش سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ وہ خود پہ حیران تھا، کیونکہ اسے کبھی بھی اس قسم کی چیزیں پسند نہیں تھیں۔ یہ سب اس کی ذات کے منافی تھا۔ وہ بہت سنجیدہ اور صوبر شخصیت کا مالک تھا۔ مگر گزشتہ کچھ دنوں سے وہ بہت بدل گیا تھا۔ وہ اس کے رنگ میں رنگتا جا رہا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اسے یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔

’’کیا بات ہے یار! آج بہت خوش لگ رہے ہو؟‘‘

حارث نے اسے بے وجہ مسکراتے دیکھ کر پوچھا۔

’’کچھ خاص نہیں، بس یوں ہی۔‘‘ اذلان نے اپنی بے ساختگی پہ خود کو جھڑکتے ہوئے سنبھل کر کہا۔

’’نہیں، کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔‘‘ حارث نے اصرار کیا۔

’’نہیں یار! کہا نا ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس ایسے ہی۔‘‘

’’اچھا چلو ٹھیک ہے، مان لیتا ہوں۔ ویسے تمہیں خوش دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ اللہ تمہیں یوں ہی ہمیشہ خوش رکھے۔‘‘

’’تھینکس یار!‘‘ اذلان نے اس کے خلوص پہ ممنون ہوتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ایئرپورٹ کے اندر کھڑے تھے۔ فلائٹ لینڈ کر چکی تھی۔ ان لوگوں کو ریسیو کرنے کے بعد وہ سب پارکنگ

ایریا میں آ گئے اور گاڑی میں سامان رکھنے کے بعد وہ گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔گھر پہ سب بہت بے چینی سے بڑے ابا، چھوٹے ابا اور فیضان کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی وہ لوگ گھر پہنچے تو سب نے بہت والہانہ انداز میں ان کا استقبال کیا۔شکیلہ پھوپھو کی خوشی کا تو آج کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ کیونکہ آج ان کا سارا میکہ ان کے ساتھ تھا۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔شکیلہ پھوپھو نے آج بہت شاندار اور پُر لطف دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ کچھ دیر بعد کھانا ڈائننگ ٹیبل پر لگ گیا۔ آج کھانے پر سب ہی موجود تھے۔کھانے سے فارغ ہو کر سب لاؤنج میں آ کے بیٹھ گئے۔سب ایک دوسرے کے ساتھ گپیں لگانے میں مصروف تھے۔دعا اور زینی اپنے بڑے ابا اور چھوٹے ابا کے ساتھ چپکی ہوئی بیٹھی تھیں۔اور نہ جانے کون سے راز و نیاز کر رہی تھیں۔شکیلہ پھوپھو اپنے بھائیوں کے لیے چائے لے کر آئیں تو وہیں ان کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ان کے آتے ہی دعا اور زینی نے اپنا سفرنامہ کل تک کے لیے ملتوی کیا اور اٹھ کر رانیہ اور تانیہ کے پاس چلی گئیں۔

’’ہاں بھئی شکیلہ! سناؤ شادی کی تیاریاں ہو گئیں؟‘‘ بڑے ابا نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

’’جی بھائی! تیاریاں تو ہو گئی ہیں بس اب اللہ کرے کہ شادی بھی خیر خیریت سے ہو جائے۔‘‘

’’ان شاء اللہ! وہ بھی ہو جائے گی۔اگر ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور بتانا۔‘‘

’’کیوں شرمندہ کرتے ہیں بھائی! پہلے ہی میں آپ کی اتنی مشکور ہوں کہ آپ نے ان سب کو اتنے دن پہلے بھیج دیا۔ان سب کے آنے سے مجھے کافی ڈھارس ملی۔ازلان نے تو آتے ہی حارث کے ساتھ مل کر سارے کام سنبھال لیے تھے۔بہت ہی پیارا اور ذمہ دار بچہ ہے۔اللہ خوش رکھے اسے!‘‘

شکیلہ پھوپھو نے ازلان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو حارث اور فیضان کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔

’’نہیں، اس میں شکریے والی کون سی بات ہے۔اپنے اسی دن کے لیے ہوتے ہیں، اور جہاں تک بات ازلان کی ہے تو یہ سب اس کا فرض تھا۔‘‘

بڑے ابا سنجیدگی و متانت سے بولے۔

ازلان، فیضان اور حارث بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ رومان اور حاذق بھی ان کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے۔ادھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے اچانک فیضان نے ازلان سے کہا۔

’’بھائی! آپ کو نہیں لگتا کہ اب آپ کو بھی شادی کر لینی چاہیے۔‘‘

’’ہاں یار! فیضان ٹھیک کہہ رہا ہے۔میری بڑی خواہش تھی کہ تمہاری اور میری شادی ساتھ ہوتی۔لیکن تمہارا تو مجھے دُور دُور تک ایسا کوئی ارادہ نہیں لگتا۔‘‘ حارث نے دل کی بات بتاتے ہوئے کہا۔

’’جب مجھے لگا کہ مجھے شادی کر لینی چاہیے تو میں کر لوں گا۔فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔‘‘ ازلان نے دو ٹوک کہا۔

''بھائی! اپنا نہیں تو ہمارا ہی کچھ خیال کریں۔ آپ کی شادی ہوگی تو ہمارا نمبر آئے گا ناں!''

رومان مظلومیت کی حدوں کو چھوتے ہوئے بولا۔ اس نے اتنی مظلوم شکل بنائی کہ سب بے اختیار اسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔

اتنے میں لڑکیاں ڈھولک لے کر لاؤنج کے بیچوں بیچ آ کر بیٹھ گئیں۔

''لگتا ہی نہیں ہے کہ دو دن بعد اس گھر میں شادی ہے۔ کوئی شغل ہی نہیں ہے۔'' زینی نے آلتی پالتی مار کے بیٹھتے ہوئے کہا۔ باقی سب بھی اس کے ساتھ آ کے بیٹھ گئے۔

پھر ان سب نے مل کر خوب دھما چوکڑی مچائی۔ جو جو زینی کہتی گئی، سب وہی وہی کرتے گئے اور کیسے نہ کرتے بھلا! اس کے آگے کسی کی چلتی تھی۔ پھر رومان، حادق اور ذیشان نے مل کر خوب بھنگڑا ڈالا۔ انہوں نے حارث کے ساتھ ساتھ اذلان اور فیضان کو بھی کھینچ لیا۔ بھنگڑا ڈالتے ہوئے حارث سے زیادہ اذلان شرما رہا تھا اور اس بات پہ سب نے مل کے اس کا خوب ریکارڈ لگایا۔ موج مستی اور ہلے گلے میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا اور آدھی رات بیت گئی۔ پھر دادی ماں نے سب کو اٹھنے کے لیے کہا۔ ان سب کا تو ابھی بھی اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، مگر دادی ماں کے کہنے پہ مجبوراً انہیں محفل برخاست کرنی پڑی۔

❁ .... ❁ .... ❁

''زرتاشہ بھابھی کتنی پیاری لگ رہی تھیں ناں؟'' تانیہ نے جیولری اُتارتے ہوئے شیشے سے دعا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں! بہت زیادہ۔'' دعا نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

آج زرتاشا کے ہاں مایوں کا فنکشن تھا جس میں وہ سب مدعو تھے۔ وہاں سے واپس آ کر وہ چاروں اپنے کمرے میں آ گئیں۔ زینی ان تینوں سے پہلے ہی چینج کر کے بیڈ پہ لیٹ چکی تھی، جبکہ وہ تینوں کپڑے چینج کرنے کے بعد اب میک اَپ اور جیولری اُتارتے ہوئے رات میں ہونے والے فنکشن پہ بھی تبصرہ کر رہی تھیں۔

''یار! میں سوچ رہی تھی کہ مایوں کے فنکشن میں اتنا مزہ آیا ہے تو سوچو باقی فنکشنز میں کیا ہوگا۔'' رانیہ ایکسائٹڈ ہوئی۔ کیونکہ آج کے فنکشن کو ان سب نے مل کر بہت انجوائے کیا تھا۔ رانیہ کی ایکسائٹمنٹ دیکھ کر وہ دونوں مسکرانے لگیں۔

''زینی! سو گئی ہو گیا؟'' تانیہ نے فری ہو کے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں! اتنی ٹیں ٹیں میں کوئی سو سکتا ہے کیا۔'' زینی آنکھوں سے بازو ہٹا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''واہ! یہ تم نے خوب کہی، ''ٹیں ٹیں''۔'' رانیہ ہنستے ہوئے زینی کے پاس گئی۔ جبکہ تانیہ بہت غور سے اسے دیکھنے لگی۔

''زینی! اگر تمہیں بُرا نہ لگے تو ایک بات پوچھوں؟'' تانیہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

''یار! مجھے نہیں لگتا کہ ہمارے درمیان ان فارمیلٹیز کی کوئی گنجائش ہے۔''

''زینی! تمہارے اور عدیل کے بیچ میں کیا چل رہا ہے؟''

اذلان جو دعا سے کافی کا کہنے ان کے کمرے کی طرف ہی آ رہا تھا، تانیہ کی بات سن کر دروازے کے پاس ہی آ کر ساکت ہو گیا اور زینی کے جواب کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔

''کیا مطلب؟'' زینی نے نا سمجھی کے عالم میں تانیہ کی طرف دیکھا۔ زینی کے ساتھ ساتھ وہ دونوں بھی اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھی تھیں۔ اس لیے وہ بھی سوالیہ نظروں سے تانیہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

''مطلب یہ کہ عدیل آج کل بہت آگے پیچھے پھرتا ہے تمہارے، خیر تو ہے؟''

تانیہ کی بات کا مطلب سمجھ کر اس کے چہرے پہ ناگواری پھیل گئی۔ اسے تانیہ کی بات بالکل بھی اچھی نہیں لگی۔

''تانیہ پلیز! مجھے اس قسم کی باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔ اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اس ٹائپ کی لڑکی نہیں ہوں۔ اس لیے پلیز آئندہ مجھ سے اس قسم کی گفتگو کرنے سے گریز کرنا۔ اور جہاں تک بات عدیل کی ہے تو وہ صرف میرا کزن ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ تم مجھ سے پوچھنے کے بجائے اس سے خود جا کر پوچھ لو کہ وہ میرے آگے پیچھے کیوں پھرتا ہے کیونکہ اس بات کا جواب وہ تمہیں مجھ سے بہتر دے سکتا ہے۔'' زینی نے حتی الامکان اپنے غصے کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن زینی! وہ تمہیں صرف کزن نہیں سمجھتا۔ وہ تمہیں اس سے بڑھ کر کچھ سمجھنے لگا ہے۔''

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے کہ وہ مجھے کیا سمجھتا ہے اور کیا نہیں۔ میں اسے کیا سمجھتی ہوں یہ میں تم لوگوں کو بتا چکی ہوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''لیکن زینی......!

''تانیہ پلیز! مجھے اس ٹاپک پہ کوئی بات نہیں کرنی۔'' زینی نے ہاتھ اٹھا کے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''لیکن اگر تم لوگوں کو کرنی ہے تو کرو، میں جا رہی ہوں۔'' وہ غصے سے اٹھ کے جانے لگی تو تانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ بیڈ پہ بٹھا دیا۔

''آئی ایم سوری زینی! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں نے تو جو محسوس کیا وہ تم سے پوچھ لیا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہیں اتنا بُرا لگ جائے گا۔'' تانیہ شرمندہ ہوئی۔ زینی کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

''اٹس او۔ کے! میں کچھ زیادہ ہی ہائپر ہو گئی تھی۔'' زینی نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی۔ دعا اور رانیہ اس وقت سے خاموش بیٹھی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھیں۔ جیسے ہی حالات نارمل ہوئے دعا نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''زینی! سوچ لو، یہ نہ ہو کہ کل کو تمہیں پچھتانا پڑے۔ عدیل اچھا لڑکا ہے۔ اپنے ماں باپ کا ایک اکلوتا بیٹا ہے اور سب سے بڑی

بات تمہیں پسند کرتا ہے۔ساری زندگی سر جھکا کے رکھے گا تمہارے سامنے۔" دعا کچھ اور بھی کہتی لیکن اس سے پہلے ہی زینی نے ایک مکا رکھ کے اس کے بازو پہ رسید کیا اور اس وقت اس کی باتوں کو بریک لگ گئی۔

"ہائے ظالم لڑکی!اتنی زور سے مارا ہے۔" دعا نے بازو سہلاتے ہوئے کہا۔دعا کی بات پہ وہ مسکرانے لگی۔اس دفعہ اسے غصہ نہیں آیا تھا، کیونکہ وہ دعا کی آنکھوں میں شرارت دیکھ چکی تھی۔

"ویسے زینی، اگر تمہیں بھی کسی سے محبت ہو گئی تو؟"

"نہیں، کبھی نہیں۔ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" دعا کی بات پہ زینی نے قطعیت بھرے انداز میں کہا۔

"اور اگر ایسا ہو گیا تو؟ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ ہر انسان کو زندگی میں ایک بار محبت ضرور ہوتی ہے۔اس لیے تمہیں بھی ہو گی۔" دعا اس کے انکار کو کسی خاطر میں نہ لائی اور گود میں کشن رکھ کر بولی۔دعا کی بات سن کر زینی سوچ میں پڑ گئی۔پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ بڑے فلسفیانہ انداز میں بولی۔

"میں وہ اُڑتا پنچھی ہوں جسے قید کرنا ناممکن ہے۔لیکن اگر کبھی کوئی ایسا شکاری آ گیا کہ جس نے میرے دل کو اپنی دسترس میں کر لیا، مجھے اپنی محبت کا اسیر بنا لیا تو میں خوشی خوشی ساری زندگی کے لیے اس کے دل کے پنجرے میں قید ہو جاؤں گی۔اور کبھی بھی آزادی کی تمنا نہیں کروں گی۔بلکہ خود کو اس کی غلامی میں دے دوں گی۔کیونکہ زینیا سالار کے دل پر حکمرانی کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں۔وہ کوئی خاص، بہت خاص ہو گا جو مجھے اور میرے دل کو زیر کرے گا۔"

اس کی اتنی گہری باتیں سن کر وہ تینوں حیرت سے منہ کھولے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"زینی! تمہاری اتنی گہری باتیں میرے تو اوپر سے ہی گزر گئیں۔" رانیہ نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

رانیہ کی بات سن کر زینی کے ساتھ ساتھ وہ دونوں بھی ہنسنے لگیں۔

"لیکن زینی! یہ ضروری تو نہیں کہ جس سے تمہیں محبت ہو وہ بھی تم سے محبت کرے۔"

دعا اپنے دل میں اٹھتے سوال کو زبان پہ لے آئی۔

"اس کی اتنی جرأت کہ وہ زینیا سالار کو انکار کرے۔" زینی نے فوراً ہی ایکشن میں آ کر آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ مجھ سے محبت نہیں بھی کرتا ہو گا تو میں زبردستی اسے خود سے محبت کرنے پہ مجبور کر دوں گی۔"

زینی کی بات سن کر تانیہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"لو جی! کھیت ابھی بسا نہیں اور لٹیرے پہلے ہی آ گئے۔محبت ابھی ہوئی نہیں انکار پہلے ہی ہو گیا۔"

زینی نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''زینی! محبت زبردستی نہیں ہوتی۔ محبت دنیا کا واحد ایسا کام ہے جو کرنے سے نہیں بلکہ خود بخود ہوتا ہے۔ انسان نہ تو زبردستی کسی سے محبت کر سکتا ہے اور نہ ہی زبردستی اس سے دامن چھڑا سکتا ہے۔ محبت جب ہونے پہ آئے تو ہو کر رہتی ہے۔ اس لیے محبت ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے بس سے باہر ہے۔ یہ ایک بے ساختہ جذبہ ہے جو انسانی عقل اور طاقت سے بالاتر ہے۔''

تانیہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو پھر تم لوگ یہ دعا کرو کہ مجھے کسی سے محبت نہ ہو، کیونکہ میں نے زندگی میں ہر کام انتہا پر جا کے کیا ہے اور اگر میں نے کبھی کسی سے محبت بھی کی تو وہ بھی انتہا پہ جا کے کروں گی۔ اس لیے دعا کرو کہ مجھے کبھی کسی سے محبت ہی نہ ہو۔''

''آہ ہا! مجھے تو ابھی سے اس بیچارے سے ہمدردی ہو رہی ہے جو زینی کی محبت کی ستم ظریفاں اپنے نرم و نازک سے دل پہ سہے گا۔'' دعا نے آہ بھرتے ہوئے بھرپور ایکٹنگ کی۔ اس کا انداز دیکھ کر وہ تینوں بھی ہنسنے لگیں۔

''چلو پھر مل کر اجتماعی دعا کرتے ہیں کہ زینی کو کبھی کسی سے محبت نہ ہو۔'' دعا نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

پھر وہ چاروں سر پہ دوپٹہ لے کر سیدھا ہو کے بیٹھ گئیں۔ دعا نے دعا کروانی شروع کی اور وہ تینوں بڑی دلجمعی سے آمین کہتی گئیں۔ اذلان نے ان چاروں کو اتنے اہم مسئلے پہ اجتماعی دعا کرتے دیکھ کر مداخلت کرنا مناسب نہ سمجھا اور دعا سے کافی کا کہے بغیر ہی مسکراتا ہوا واپس چلا گیا۔ وہ کمرے میں آ کر بھی کتنی دیر تک ان کی اجتماعی دعا پہ مسکراتا رہا پھر وہ سونے کے لیے لیٹ گیا۔ مگر زینی کی باتیں مسلسل اس کے دماغ میں گونج رہی تھیں۔ وہ کتنی ہی دیر اس کی کہی ہوئی باتوں کو سوچتا رہا۔ پھر سوچتے سوچتے اسے کب نیند آ گئی، اسے پتہ بھی نہ چلا۔

✿..........✿..........✿

آج حارث کی مہندی کا فنکشن تھا اور سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ مردوں نے باہر کے کام سنبھالے ہوئے تھے اور عورتوں نے گھر کے اندر کے۔ پھوپھو، بڑی ماں اور چھوٹی ماں مہمانوں کی آؤ بھگت میں لگی ہوئی تھیں، جبکہ لڑکیاں صبح سے اپنی تیاری میں ہلکان ہو رہی تھیں۔ وہ سب رات میں ہونے والے مہندی کے فنکشن کے لیے بہت پُرجوش تھیں اور انہوں نے اس کے لیے بھرپور تیاری بھی کر رکھی تھی۔ صبح سے انہوں نے گھر میں ایک ہنگامہ برپا کیا ہوا تھا۔ کبھی وہ ڈھولک لے کر بیٹھ جاتیں اور کبھی ڈیک لگا کر ناچنے لگتیں۔ ایک وقت تھا کہ جب حارث اندر کسی کام سے آیا تو انہوں نے اسے بھی گھیر لیا اور اس کے ساتھ بھی شغل لگانے لگیں۔ حارث شرماشرما سا سر جھکائے ان کے درمیان بیٹھا تھا۔ اذلان اندر آیا تو اسے یوں لڑکیوں کے درمیان بے بس بیٹھا دیکھ کر بے ساختہ مسکرانے لگا۔ کچھ دیر تو وہ کھڑا دیکھ کر محظوظ ہوتا رہا مگر پھر اسے حارث کی حالت زار پہ بہت ترس آیا اور اس نے بڑی مشکل سے اسے ان کے چنگل سے آزاد کرایا اور لے کر سیلون چلا گیا۔ وہاں سے تیار ہو کر انہیں سیدھا ہال میں پہنچنا تھا۔ جہاں مہندی کا کمبائنڈ فنکشن ارینج کیا گیا تھا۔ گھر سے سب کو

ہال تک پہنچانے کی ذمہ داری اذلان نے ڈرائیور کے ساتھ ساتھ رومان اور حاذق کی لگائی تھی۔ سب ایک ایک کر کے تیار ہو کر ہال میں پہنچنے لگے۔ لڑکیاں بھی تقریباً جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ جب حاذق کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ آج کس پہ بجلیاں گرانے کا ارادہ ہے؟ حاذق نے ان کی تیاری پہ ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر شوخ ہوتے ہوئے کہا۔

''تم پہ!'' زینی نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

''خدارا اتنا ظلم مت کرنا، میں بہت کمزور دل کا مالک ہوں، اتنی عنایت سہہ نہیں پاؤں گا۔''

حاذق نے دل پہ ہاتھ رکھ کر صوفے پہ گرتے ہوئے کہا، جس پہ اس نے اسے ایک گھوری سے نوازا۔

''اچھا، زیادہ بی گریڈ فلموں کے تھرڈ کلاس ڈائیلاگز بولنے کی ضرورت نہیں ہے، چلو دیر ہو رہی ہے۔''

زینی نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ پھر وہ چاروں اس کے ساتھ چلتے ہوئے گاڑی تک آ گئیں۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اچانک ہی اسے کچھ یاد آ گیا۔

''اوہ نو! کیمرہ تو میں ساتھ لانا بھول ہی گئی۔''

زینی گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے بولی۔

''زینی! ہم لوگ پہلے ہی لیٹ ہو چکے ہیں۔ ہال میں سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اب اگر تم کیمرہ لینے چلی گئیں تو ہمیں اور دیر ہو جائے گی۔ اس لیے تم کیمرہ رہنے دو۔ ویسے بھی ہال میں فوٹو گرافر تو ہوگا۔ چلو آؤ گاڑی میں بیٹھو!'' تانیہ نے گاڑی میں بیٹھ کر اسے بھی بیٹھنے کے لیے کہا، جو گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑی تھی۔

''ہاں زینی! تانیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اب اس وقت کیمرے کو رہنے دو۔'' دعا نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا تم لوگ ایسا کو کہ تم لوگ چلے جاؤ، میں رومان کے ساتھ کیمرہ لے کر آ جاؤں گی۔''

اس نے ان لوگوں کی طرف سے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

بھاگتی دوڑتی وہ کمرے تک پہنچی اور جلدی جلدی کیمرہ ڈھونڈنے لگی۔ اتنی افراتفری کے باوجود بھی اسے کیمرہ ڈھونڈنے میں تھوڑی دیر ہو گئی۔ کیمرہ لے کر جب وہ کمرے سے باہر آئی تو باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ گھر بالکل خالی تھا اور سب جا چکے تھے۔

✡ .... ✡ .... ✡

ہال برقی قمقموں اور فینسی لائٹس کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ دولہا اور دلہن کے بیٹھنے کے لیے بہت خوبصورت ہولا گلاب اور گیندے کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ ہر طرف رنگین آنچل بکھرے ہوئے تھے۔ لڑکیوں کی تیاری قابل دید تھی مگر لڑکے بھی کسی طرح لڑکیوں سے پیچھے نہیں تھے۔ ہال کے اندر کی فضا قیمتی پرفیومز کی مہک سے معطر تھی۔ ہر طرف پھولوں اور مہندی کی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔

مہمان تقریباً آچکے تھے اور فنکشن کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔ ازلان ہال میں ایک کونے میں کھڑا حارث اور زرتاشا کو دیکھ رہا تھا۔ جو ایک ساتھ بیٹھے بہت خوبصورت اور مکمل لگ رہے تھے۔ ان دونوں کو یوں خوش اور مطمئن دیکھ کر اسے اپنی ذات کے خالی پن کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ آج پہلی بار اس کے دل میں بھی کسی کے ساتھ کی خواہش بیدار ہوئی۔ اس نے بے اختیار نظر اٹھا کر پورے ہال میں دیکھا مگر اسے اپنی مطلوبہ ہستی کہیں بھی نظر نہ آئی۔

ہال میں موجود تقریباً ہر دوسری لڑکی کی نظریں اس کا طواف کر رہی تھیں، مگر اس کی نظریں تو کسی اور کی ہی متلاشی تھیں۔ اس کی ادھر اُدھر بھٹکتی نظریں اسٹیج پہ جا کے ٹھہر گئیں۔ جہاں لڑکیاں ٹولی کی صورت میں بیٹھیں ڈھولک بجا رہی تھیں۔ وہ اسے ان میں بھی کہیں نظر نہ آئی۔ اس نے مایوس ہو کر نظریں جھکا لیں۔ اس کے اندر بے چینی مزید بڑھ گئی تھی۔ زرناش نے اسے یوں اکیلے ایک سائیڈ پہ کھڑے دیکھا تو وہ اسٹیج سے اُتر کر اس کے پاس آ گئی۔

''آپ کسی کو ڈھونڈ رہے ہیں کیا؟'' زرناش نے اس کی بے چین نظروں کی پیروی کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں'' اس نے قدرے خشک لہجے میں کہا۔ اسے اس وقت زرناش کا یوں اپنی سوچوں میں مخل ہونا بہت ناگوار گزرا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے، جو اس کی نظروں سے چھپ نہ سکے۔

''اچھا، لیکن مجھے لگا کہ شاید آپ کسی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ خیر! آپ یہاں اکیلے کیوں کھڑے ہیں۔ چلیں چل کر حارث بھائی کے ساتھ سٹیج پہ بیٹھیں۔ آخر آپ ان کے دوست جو ٹھہرے۔''

زرناش نے اک ادا سے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''نہیں، میں یہاں ہی ٹھیک ہوں۔ ویسے بھی مجھے زیادہ شور شرابا نہیں پسند۔''

''چلیں شکر ہے! میرے علاوہ کچھ اور بھی ایسا ہے جو آپ کو ناپسند ہے۔'' زرناش نے اس کی بات اُچکتے ہوئے اس پہ چوٹ کی۔

اس کے اتنے بے تکلفانہ انداز میں کیے گئے طنز پہ ازلان کے ماتھے کے بل مزید گہرے ہو گئے۔ زرناش نے بڑی شوخ نظروں سے اسے دیکھا جو ہال میں بچھے کارپٹ پہ نظریں گاڑھے کھڑا تھا۔ بیزاری، ناگواری اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ جب سے اس کے پاس آئی تھی، اس نے غلطی سے بھی اس کی طرف دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ اور یہ چیز اس کے دل کو بہت ٹھیس پہنچا رہی تھی۔ کیا وہ اس کارپٹ سے بھی زیادہ ارزاں تھی جس پہ وہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔ یہ سوچ کر اس کا دل کٹنے لگا۔ ٹھکرائے جانے کی اذیت کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے، یہ اس سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

اس نے بڑی مشکل سے خود پہ ضبط کرتے ہوئے حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھا، جو سفید شلوار پہ نیلے رنگ کا کرتہ پہنے اک شانِ بے نیازی سے کھڑا تھا۔ اس نے سرخ و سفید پاؤں پشاوری چپل میں جکڑے ہوئے تھے اور سلیقے سے بنائے گئے بال اس کی پرسنالٹی

کو چار چاند لگا رہے تھے۔ زرناش کے دل میں ناکام حسرتوں کا اک طوفان اُمڈ آیا، جسے اس نے بڑی مشکل سے تھپک تھپک کر پُرسکون کیا۔ اس کا دل اذلان کی نظروں میں اپنے حسن کی داد و تحسین وصول کرنے کے لیے بُری طرح مچل رہا تھا۔ مگر وہ کٹھور دل اس کی ذات سے اتنا بے نیاز کھڑا تھا کہ جیسے وہ اس کے ساتھ ہو ہی نہ۔ اس کی اتنی بیگانگی اور بے توجہی پہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، جنہیں چھپانے کے لیے وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اذلان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، جو دیوانہ وار بھاگتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس پہ ایک سرسری سی نظر ڈال کر وہ پھر سے اپنی ذات میں کھو گیا۔ اسے کسی کے دل کی کیا خبر ہوتی تھی۔ اس کا تو اپنا دل کسی کے دیدار کی آگ میں دہک رہا تھا۔ اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس آگ نے اتنی شدت پکڑ لی تھی کہ اس کے دل کے ساتھ ساتھ وجود بھی جھلسانے لگی تھی۔

دعا کافی دیر سے ہال میں بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اس کی نظریں ہال کے داخلی دروازے پر ہی لگی ہوئی تھیں۔ وہ زینی کے آنے کا بہت بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔ انہیں ہال میں آئے ہوئے اتنی دیر ہو گئی تھی لیکن اس کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ اس کی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر اس کی بے چینی جھنجھلاہٹ میں بدلنے لگی۔ اور اب اسے زینی پہ شدید غصہ آ رہا تھا۔ وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"دعا ریلیکس! وہ آ جائے گی، تم بیٹھ جاؤ یہاں آرام سے۔" تانیہ جو اتنی دیر سے اس کے ساتھ ٹہل رہی تھی، آخر تنگ آ کر اسے کرسی پہ بٹھاتے ہوئے بولی۔ دعا کے بیٹھتے ہی وہ بھی ایک کرسی اس کے قریب رکھ کے بیٹھ گئی۔

"تانیہ! اتنی دیر ہو گئی ہے وہ ابھی تک آئی کیوں نہیں!" دعا نے بے چینی سے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں ابھی بھی ہال کی اینٹرینس پر تھیں۔

"تم فکر نہ کرو، وہ آ جائے گی۔ اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ اور کیا تمہارے اس طرح پریشان ہونے سے وہ جلدی آ جائے گی۔"

"نہیں! لیکن پتہ نہیں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔"

"اچھا تم ٹینشن نہ لو، کیا پتہ ٹریفک میں پھنس گئے ہوں۔ تم تو جانتی ہو اس وقت سڑکوں پہ کتنی ٹریفک ہوتی ہے۔" تانیہ نے اسے اک موہوم سی امید دلائی، لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ اب اس کا اپنا دل بھی گھبرانے لگا تھا۔

وہ دونوں ہال کے داخلی دروازے کی طرف ہی نظریں جمائے بیٹھی تھیں۔ اس لیے رومان کو آتا دیکھ کر بھاگتی ہوئی اس کے پاس گئیں۔

"رومان! زینی کہاں ہے؟" دعا نے اسے اکیلے کھڑے دیکھ کر بے چینی سے پوچھا۔

"کیا مطلب زینی کہاں ہے؟ وہ تو تم لوگوں کے ساتھ تھی۔" رومان نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا جو ہونقوں کی طرح منہ کھولے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ رومان کا جواب سن کر ان دونوں کے چہرے پہ ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ ٹینشن سے دعا کے چہرے کا رنگ فوراً متغیر ہوا۔

''رومان پلیز! یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ بتاؤ زینی کہاں ہے؟'' دعا کو لگا کہ شاید وہ اسے تنگ کرنے کے لیے یہ سب کہہ رہا تھا۔

''میں واقعی مذاق نہیں کر رہا۔ مجھے نہیں پتہ کہ زینی کہاں ہے۔ میں نے تو اسے تم لوگوں کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔'' اسے ان دونوں کی شکلیں دیکھ کر فوراً ہی کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ اس لیے اس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن رومان! وہ تو تمہارے ساتھ آنے کا کہہ کر اندر کیمرہ لینے چلی گئی تھی اور ہم لوگ بھی اسے تمہارے بھروسے چھوڑ کر آ گئے تھے۔'' دعا کو اپنی آواز کسی کھائی میں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

الفاظ بھی اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اب تو اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں کو بھی پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ وہ تینوں عجیب سی کشمکش کا شکار تھے۔

ازلان نے ان تینوں کو ہال کے بیچوں بیچ یوں پریشان سی صورتوں کے ساتھ کھڑے دیکھا تو ان کے پاس چلا آیا۔

''کیا ہوا؟ کوئی پریشانی ہے کیا؟'' ازلان نے ان کے اُترے ہوئے چہرے دیکھ کر پوچھا۔

اس کے پوچھنے پر دعا نے فوراً ہی سارا معاملہ من وعن اس کے گوش گزار کر دیا، جسے سن کر اس کا تو جیسے دماغ ہی گھوم گیا۔ اتنی شدید لاپرواہی پر اس کا دل ان تینوں کو خوب کھری کھری سنانے کو چاہا، لیکن جگہ اور موقع کی مناسبت کا خیال کرتے ہوئے وہ اپنا غصہ پی گیا۔ پھر اوپر سے ان تینوں کی پریشان اور اُتری ہوئی شکلیں دیکھ کر اس نے انہیں کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر خود پہ قابو پانے کی کوشش کی۔ اک عجیب سا اضطراب تھا جو اس کے اندر پھیل رہا تھا اور اس کی روح کو بھی بے چین کر رہا تھا۔

''تم لوگ فکر نہیں کرو، کچھ نہیں ہوگا اسے۔ میں جا رہا ہوں اس کے پاس۔''

پتہ نہیں اس نے انہیں تسلی دی تھی یا خود کو۔

''بھائی! میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔'' رومان نے اس کے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

''نہیں، تم رہنے دو۔ تمہاری یہاں زیادہ ضرورت ہے۔'' ازلان اسے منع کرتا لمبے لمبے ڈگ بھر کر ہال سے باہر نکل گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اُڑ کر زینی تک پہنچ جائے۔ اس کے اکیلے ہونے کا خیال اسے بار بار پریشان کر رہا تھا۔ ہال سے گھر تک کا فاصلہ آدھے گھنٹے کا تھا، اس نے کبھی اتنی ریش ڈرائیونگ نہیں کی تھی، جتنی اس وقت کر رہا تھا۔ اس پہ اک عجیب سا جنون سوار تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو روندتا ہوا جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچ جائے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ طوفان کی طرح گاڑی دوڑاتا ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ گھر کے دروازے کے باہر تھا۔ اس نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر جو ہارن پہ ہاتھ رکھا تو پھر اٹھانا ہی بھول گیا۔ چوکیدار اس وقت اپنے کوارٹر میں تھا، اتنی کہرا دوری پہ وہ ہانپتا کانپتا دروازے تک پہنچا اور فوراً سے پہلے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے گاڑی سے اترا اور جلدی سے اندر چلا گیا۔ چوکیدار سے گھر کے داخلی دروازے کی چابیاں

لے کر وہ بھاگتا ہوا اندر گیا اور دروازہ کھولنے لگا۔ جلدی جلدی دروازہ کھول کر جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا تو اس کی نظر سامنے لاؤنج میں صوفہ پہ بیٹھی ہوئی زینی پہ پڑی۔ اس پہ نظر پڑتے ہی وہ تھم گا۔ جیسے اس کی تلاش تمام ہوگئی۔ اِک عجیب سا سکون واطمینان اسے اپنے رگ وپے میں اُترتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے اس کی کل کائنات اس کے سامنے ہو۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھنے لگا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس نے تڑپ کے سر اٹھا کے دیکھا تو لاؤنج کے بیچوں بیچ ازلان کو کھڑے پایا۔ جیسے ہی اس کی نظر ازلان پہ پڑی تو وہ اپنا ضبط کھو بیٹھی اور بھاگتی ہوئی گئی اور اس کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔ وہ اس کے اتنے شدید ردعمل کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھا اس لیے اس اچانک التفات پہ خود کو سنبھال نہ پایا اور لڑکھڑ کے دو تین قدم پیچھے ہٹا۔ پھر اس نے برق رفتاری سے اپنے آہنی بازو کی گرفت اس کے گرد مضبوط کی اور فوراً ہی زمین پہ اپنے قدم جماتے ہوئے خود کو اور اسے گرنے سے بچا لیا۔ وہ اس ساری صورتحال سے بے خبر اس کے خوبصورت کرتے کو اپنے قیمتی آنسوؤں سے بھگونے میں مصروف تھی۔ وہ اب بالکل ساکت وجامد کھڑا تھا۔ اسے یوں لگنے لگا کہ جیسے دنیا رک سی گئی ہو اور وقت تھم گیا ہو۔ اس کا وجود اتنا بے حس وحرکت تھا کہ جیسے روح کے بغیر جسم۔ وہ تو جیسے سانس لینا ہی بھول گیا تھا۔ زینی کے وجود سے پھوٹتی خوشبو اور حد سے زیادہ قربت اس کے ہوش وحواس منجمد کرنے لگی۔ اس نے بے خود ہو کر اسے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے سرخ اور نیوی بلیو کنٹراسٹ کا لہنگا زیب تن کیا ہوا تھا، جو اس کی گوری رنگت پہ بہت جچ رہا تھا۔ اس کے خوبصورت بال اس کی پشت کے ساتھ ساتھ چہرے پہ بھی بکھرے ہوئے تھے۔ مہارت سے کیے گئے میک اَپ سے وہ بہت دلکش اور حسین لگ رہی تھی۔ ازلان نے اس کا یہ بنا سنورا روپ پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ وہ اس وقت اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ جیسے پرستان کی کوئی شہزادی۔ اس کا دل بغاوت پہ اتر آیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس حسن کی دیوی کو اپنے دل کی سلطنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید کر لے۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا کہ جیسے اسے اپنے ہونے کا احساس دلانا چاہتا ہو۔ اس کی نگاہوں میں اتنا والہانہ پن اور وارفتگی تھی کہ اس کی نظروں کی تپش اس نے بھی محسوس کی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو اس نے فوراً ہی نظریں چرا لیں کہ جیسے اسے اپنی چوری کے پکڑے جانے کا خدشہ ہو۔ وہ ایک جھٹکے سے اس سے دور ہٹی لیکن اس کا بازو ابھی بھی اس کی گرفت میں تھا۔ وہ ابھی بھی بہت سہمی ہوئی تھی۔ ازلان نے کمال مہارت سے اپنے منہ زور جذبوں کے آگے بند باندھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''آئی ایم سوری! میں نے آپ کے کپڑے خراب کر دیے۔'' زینی نے اس کے کرتے پہ اپنے آنسوؤں کے نشان دیکھ کر شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں، یہ تمہارے آنسوؤں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔'' وہ بہت گمبھیر لہجے میں بولا۔ پھر کچھ دیر کے لیے ان دونوں کے درمیان خاموشی حائل ہوگئی۔ جس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اپنے خیالوں کی بہکی ہوئی رَو کو لگام ڈالی اور مکمل طور پہ ہوش وحواس میں آ گیا۔ گو کہ یہ تھا تو بہت مشکل کام، لیکن وہ بخوبی کر گیا۔ اب وہ بہت نارمل انداز میں اس کے سامنے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

رونے سے اس کی آنکھوں کا کاجل پھیل گیا تھا اور بال بھی بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے ابھی بھی اذلان کا بازو بہت مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ بالکل ایسے کہ جیسے میلے میں ایک چھوٹے بچے نے کھو جانے کے ڈر سے اپنے کسی بڑے کا تھاما ہوا ہو۔ اس کے اس بچگانہ انداز پہ اک دلفریب سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

''زینی! تم ایسا کرو کہ اندر کمرے میں جا کے تھوڑا اپنا حلیہ درست کر لو، پھر ہم چلتے ہیں۔ وہاں سب بہت بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔'' اذلان نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''نہیں، مجھے کچھ نہیں کرنا، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' زینی نے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس وقت اتنی سہمی ہوئی تھی کہ اس کا کمرے تک بھی اکیلے جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ جو اس کی آنکھوں میں ہی دیکھ رہا تھا، اس لیے اس کی آنکھوں سے اس کے دل کا حال جان گیا اور بڑی نرمی سے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے بولا۔

''تم یہاں رکو، میں ابھی آیا۔'' وہ یہ کہ کر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بالوں والا برش تھا۔ اس نے زینی کو دونوں بازوؤں سے تھام کر اپنے سامنے کھڑا کیا اور آرام آرام سے اس کے بالوں میں برش کرنے لگا۔ پھر اس نے جیب سے ایک ٹشو نکالا اور بہت احتیاط سے اس کی آنکھیں صاف کر کے ٹشو دوبارہ اپنی جاب میں واپس رکھ لیا۔ وہ حیرت کا بُت بنی اس کا یہ انوکھا سا روپ دیکھ رہی تھی۔ اس لیے شاید اذلان کی یہ حرکت اس کے نوٹس میں نہیں آئی۔ وہ اسے ایسے ٹریٹ کر رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی چھوٹی سی ننھی منی سی بچی ہو۔ اس پہ اک تفصیلی نگاہ ڈال کر وہ کچھ مطمئن سا ہو گیا۔

''اب لگ رہی ہو ناں اذلان سکندر کی دوست!'' اذلان نے اک دلکش سی مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے کہا۔

''اب چلیں؟''

''ہاں چلیں۔'' زینی نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر تیز تیز چلتی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملانے لگی۔

✿..........✿..........✿

وہ جب سے گاڑی میں آ کے بیٹھی تھی، بہت چپ چپ اور بے چین تھی۔ وہ اس کی خاموشی اور پریشانی کا سبب کچھ دیر پہلے رونما ہونے والے واقعے کو سمجھتا رہا۔ اسے لگا کہ شاید وہ ابھی بھی اس واقعے کے زیر اثر تھی۔ اس لیے وہ چپ چاپ گاڑی چلاتا رہا۔ لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی اور کہہ نہیں پا رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک اس کی بے چینی اور اضطرابی کیفیت کو نظر انداز کرتا گاڑی چلاتا رہا۔ لیکن پھر جب اس سے مزید ایسا نہ ہو سکا تو اس نے خود ہی پوچھ لیا۔

''زینی! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے تم مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہی ہو۔ کیا مجھے جو لگ رہا ہے وہ ٹھیک ہے؟'' اذلان نے گاڑی میں موجود گمبھیر خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا۔

''جی! لیکن آپ کو کیسے پتہ چلا؟'' زینی نے گردن گھما کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے مزید بڑی ہو گئی تھیں۔ وہ حیران تھی کہ اس کے بن کہے اسے کیسے پتہ چل گیا کہ وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔

''تو پھر جلدی کہو جو کہنا ہے۔'' ازلان اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ اب وہ اسے کیا بتاتا کہ جو لوگ دل کے قریب ہوتے ہیں انہیں کچھ کہنے سننے کی نوبت نہیں آتی۔ دل خود بخود ان کی ہر بات سمجھ جاتا ہے۔

وہ اہلِ دل بھی کیا کمال کرتے ہیں

بن کہے، بن سُنے، سب غم شمار رکھتے ہیں۔

زینی ابھی بھی کچھ جز بز کا شکار تھی۔

''زینی! میرے خیال میں اب ہم اتنے اچھے دوست ہیں کہ ہمیں ایک دوسرے سے کچھ کہنے کے لیے اتنا سوچنا نہ پڑے۔'' ازلان نے اس کی ہمت بڑھائی۔

''مجھے آپ سے یہ کہنا تھا کہ پلیز آپ وہاں جا کے کسی سے میرے رونے کا ذکر مت کیجئے گا۔'' آخر اس نے ہمت کر کے اپنے دل کی بات بتا ہی دی۔

''لیکن کیوں؟ اس میں ذکر نہ کرنے والی کون سی بات ہے۔'' ازلان نے اچنبھے سے پوچھا۔ اسے زینی کی بات کچھ عجیب سی لگی۔

''دراصل بات یہ ہے نا کہ میں آج تک کبھی کسی کے سامنے روئی نہیں ہوں۔ اب اگر دعا یا رومان میں سے کسی کو یہ پتہ چلا کہ میں آپ کے سامنے روئی ہوں تو وہ مجھے بہت تنگ کریں گے اور میرا مذاق اُڑائیں گے۔ اس لیے پلیز! آپ کسی کو بھی مت بتایئے گا ورنہ میری بنی بنائی ریپو خراب ہو جائے گی۔'' اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے اصل مدعا بیان کیا۔

اس کی بات سن کر ازلان کو بہت زور کی ہنسی آئی، لیکن وہ کنٹرول کر گیا۔ اب اگر اتنے نازک اور پیچیدہ مسئلے پر وہ ہنستا تو یقیناً یہ بڑی نازیبا حرکت ہوتی، اس لیے مروت اور لحاظ کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اس نے بہت سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ تم بے فکر رہو۔ لیکن ایک بات پوچھوں؟''

''جی پوچھیں!'' ازلان کی یقین دہانی پہ وہ مطمئن ہو کر بولی۔

''تم مجھے دیکھ کر کیوں روئی تھیں؟'' ازلان نے بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ نہ جانے وہ کیا سننا چاہ رہا تھا۔

''پتہ نہیں...... اس بات کا جواب میرے پاس بھی نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کو دیکھ کر میرا دل کیوں اتنا بھر آیا۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ آپ کو دیکھ کر مجھے بہت تحفظ کا احساس ہوا تھا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے اب میں بہت محفوظ ہاتھوں میں ہوں۔''

اس نے بہت صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ اس کی بات سن کر وہ اندر تک سرشار ہو گیا۔ اس کے چند لفظوں نے اسے اتنی خوشی دی تھی

کہ وہ خوشی سے نہال ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ یہ ایک مرد کے لیے بہت قابل فخر بات تھی کہ صنف نازک خود کو اس کے ساتھ محفوظ تصور کرے۔ یہ اس کی مردانگی اور مضبوط کردار کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ کیونکہ عورت جیسی نازک اور نایاب چیز کی حفاظت ہر مرد کے بس کی بات نہیں۔

ایک بہت خوبصورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آ کے ٹھہر گئی۔ اسے یوں مسلسل مسکراتے دیکھ کر وہ مکمل طور پر اس کی طرف گھوم گئی اور بغور اسے دیکھنے لگی۔ وہ زینی کے اس طرح گھورنے پہ بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا بلکہ اپنے ہی خیالوں میں کھویا کھویا مسکراتا رہا۔ کچھ دیر تو وہ اس کی بے خودی کو دیکھتی رہی، لیکن پھر جب اس سے مزید صبر نہ ہوا تو اس نے اس کے آگے چٹکی بجائی اور اپنی جانب متوجہ کیا۔

''کیا بات ہے، میں اتنی دیر سے دیکھ رہی ہوں آپ بلاوجہ مسکرائے جا رہے ہیں۔ مجھے بھی بتائیں تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ مسکراؤں۔'' زینی نے تجسس سے پوچھا۔

اس کے یوں چٹکی بجانے پر اذلان نے چونک کر اس کے ہاتھوں کی مہندی اور کلائی میں پڑی چوڑیوں کو دیکھا۔ اس کے سرخ و سپید ہاتھوں پہ مہندی کا رنگ بہت جچ رہا تھا اور اس کی چوڑیوں کی جلترنگ نے گاڑی کی گمبھیر خاموشی میں بہت انوکھا سا ساز پیدا کیا تھا۔

''نہیں، کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ اس کی نظر بار بار بھٹک کر اس کی گود میں رکھے ہاتھوں کی طرف جا رہی تھی۔

اذلان کے اس طرح انکار کرنے پر وہ چپ سی ہو گئی اور پھر اس نے زیادہ پوچھنے پر اصرار نہیں کیا۔ وہ تو اس پہ ہی بہت خوش تھی کہ اس نے اس کی بات مان لی تھیں۔

''زینی! تمہارے ہاتھوں پہ مہندی اور چوڑیاں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' اذلان نے بے ساختہ اس کی تعریف کی۔ حالانکہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ الفاظ بے اختیار اس کے منہ سے نکلے۔

''ہاں! مجھے پتا ہے۔'' زینی کا جواب اس کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ حیرت زدہ سا اس کی حد درجہ خود اعتمادی کو دیکھ کر سراہنے لگا۔ عموماً لڑکیاں اپنی تعریف سن کر شرمانے لگتی ہیں۔ لیکن وہ واحد لڑکی تھی جو یہ کہہ رہی تھی کہ ''ہاں مجھے پتا ہے۔'' پھر اس نے خود ہی اپنی سوچ کی تردید کر دی۔ کیونکہ وہ زینیا سالار تھی۔ عام لڑکیوں سے بہت الگ اور مختلف۔ اور یہ بات وہ چند دنوں میں بہت اچھی طرح سے جان گیا تھا۔

''آپ کو ایک مزے کی بات بتاؤں!'' اس کے چہرے پہ اک شرارت بھری مسکراہٹ تھی، ایسے کہ جیسے اسے کوئی بہت مزے کی بات یاد آ گئی ہو۔ اذلان کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر اس نے بات جاری رکھی۔

''یہ چوڑیاں اور مہندی دعا نے مجھے زبردستی لگائی ہے۔ وہ بھی ایموشنلی بلیک میل کر کر کے۔

اس کا تو جیسے آج بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مجھے آرائش و زیبائش کا چلتا پھرتا اشتہار بنا دے۔''

''اچھا! لیکن کیوں؟ ازلان نے دلچسپی سے پوچھا۔

''کیونکہ مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں۔ مجھے یہ سب خالصتاً لڑکیوں والے شوق لگتے ہیں۔''

''تو زینی تم کیا ہو۔'' وہ اس کی باتیں انجوائے کرتے ہوئے حیرت سے پوچھنے لگا۔

''میں بھی لڑکی ہوں، لیکن چوڑیاں اور مہندی لگانے والی نہیں۔ بلکہ......

''بائیک اور پتنگ اُڑانے والی۔ ہے ناں؟'' ازلان نے اس کا جملہ اُچکتے ہوئے مکمل کیا۔

اس کے اتنے برجستہ جواب پہ دونوں کا بے ساختہ قہقہہ گاڑی میں گونجنے لگا۔

❖..........❖..........❖

وہ چاروں سٹیج کے پاس کھڑی باتیں کر رہی تھیں جب عدیل ان کے پاس آتے ہوئے بولا۔

''ہائے گرلز! کیا ہو رہا ہے؟''

''جہاں لڑکیاں ہوں گی وہاں تو باتوں کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔'' تانیہ نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا جی! تو کیا باتیں ہی کرتی رہو گی یا محفل میں کچھ رنگ بھی جماؤ گی؟''

عدیل باتیں اس سے کر رہا تھا لیکن اس کی نظریں زینی کے دلکش سراپے پہ جمی ہوئی تھیں۔

''جمائیں گے، رنگ بھی جمائیں گے۔ بس ذرا رسمیں تو ختم ہو لینے دو۔''

''زینی! تم کہاں تھیں؟ میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ سب سے تمہارے بارے میں پوچھا لیکن تمہارا کسی کو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔'' عدیل اب براہ راست اس سے مخاطب تھا۔

''کیوں؟ تم میرا کیوں پوچھ رہے تھے۔'' زینی نے اس کے سوال کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''بس ایسے ہی، کیا میں تمہارے بارے میں نہیں پوچھ سکتا؟'' عدیل کا لہجہ معنی خیز تھا جس پہ وہ بل کھا کر رہ گئی۔

''تانیہ! میرے خیال میں رسمیں تقریباً ختم ہو چکی ہیں، ہمیں سٹیج پہ چلنا چاہیے۔''

زینی نے سٹیج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ جلد از جلد اس منظر سے غائب ہو جانا چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے عدیل کی خود پہ جمی ہوئی شوخ نظروں سے کوفت ہو رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ تانیہ کچھ کہتی، وہ خود ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی۔ دعا اور رانیہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

''زینی! ایک منٹ رکو، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' عدیل کے روکنے پہ اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

''عدیل! اس وقت نہیں، پھر کبھی کر لیں گے بات۔'' وہ سہولت سے انکار کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

اس کے اتنے عجیب اور سرد رویے پہ دعا اسے ٹوکے بغیر نہ رہ پائی۔

''زینی! یہ کیا طریقہ ہے کسی سے بات کرنے کا۔ تم کم از کم اس کی بات تو سن لیتیں۔''

''دعا پلیز! مجھے اس کی کوئی بات نہیں سننی۔ اس لیے کہ میں نہیں چاہتی کہ جو غلط فہمی تم لوگوں کو ہوئی، دوسرے لوگ بھی اس میں مبتلا ہوں۔'' زینی کے جواب پہ وہ چپ سی ہو گئی۔

خوبصورت ہو تم..........

کبھی میں جو کہہ دوں محبت ہے تم سے

تو مجھ کو خدارا غلط نہ سمجھنا

کہ میری ضرورت ہو تم

بہت خوبصورت ہو تم..........

ہے پھولوں کی ڈالی یہ بانہیں تمہاری

ہے خاموش جادو نگاہیں تمہاری

جو کانٹے ہوں سب اپنے دامن میں رکھ لوں

سجاؤں میں کلیوں سے راہیں تمہاری

نظر سے زمانہ کی خود کو بچانا

کسی اور سے دیکھو دل نہ لگانا

کہ میری امانت ہو تم

بہت خوبصورت ہو تم..........

ہے چہرہ تمہارا کہ دن ہے سنہرا

اور اس پر یہ کالی گھٹاؤں کا پہرہ

گلابوں سے نازک مہکتا بدن ہے

یہ لب ہیں تمہارے کہ کھلتا چمن ہے

بکھیرو جو زلفیں تو شرمائے بادل

جو بھی دیکھے تو ہو جائے پاگل

وہ پاکیزہ عورت ہو تم

بہت خوبصورت ہو تم.........

جو بن کے کلی مسکراتی رہے اکثر

شب ہجر میں جو رُلاتی ہے اکثر

جو لمحوں ہی لمحوں میں دنیا بدل دے

جو شاعر کو دے جائے پہلو غزل کے

چھپانا جو چاہے چھپائی نہ جائے

بھلانا جو چاہے بھلائی نہ جائے

وہ پہلی محبت ہو تم

بہت خوبصورت ہو تم..........!!!!!

رات کے تین بجے وہ سنسان سڑکوں پہ گاڑی دوڑا رہا تھا۔شدید سردی اور دھند کی وجہ سے سڑکیں تقریباً خالی تھیں۔اس لیے وہ اپنے ہی خیالوں میں گم خراماں خراماں گاڑی چلا رہا تھا۔اس کے اندر ایک بے نام سی بے چینی تھی۔جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔وہ اپنے دل کی بدلتی ہوئی کیفیات پہ ششدر تھا۔اس کی نظر بار بار اپنے ساتھ والی سیٹ پہ بھٹکنے لگی،جس پہ کچھ گھنٹے پہلے وہ بیٹھی تھی۔وہ منظر پھر سے اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا،جس نے کب سے اسے بے خود کیا ہوا تھا۔اسے اپنے وجود پہ ابھی بھی اس کا تسلط محسوس ہو رہا تھا۔اسے یوں لگا کہ جیسے ابھی بھی وہ اس کی گرفت میں ہو۔اس کی قربت کا اک مہکتا سا احساس اسے اپنی سانسوں میں اُترتا ہوا محسوس ہوا۔آہستہ آہستہ وہ پھر سے خود پہ اختیار کھونے لگا۔وہ اپنے بدلتے احساسات اور کیفیات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں اتنا بے بس تو کبھی بھی نہیں تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جس چیز کو میں ہمیشہ رَد کرتا رہا،آج وہی سینہ تانے میرے سامنے کھڑی ہے؟ جس جذبے سے میں ہمیشہ راہ فرار حاصل کرتا رہا،کہیں آج وہی میرا راستہ روکے تو نہیں کھڑا؟ جس صنف مخالف سے ہمیشہ خار کھاتا رہا،کہیں آج اسی کے ہاتھوں مات تو نہیں کھا رہا؟ بہت سے سوالات اس کے ذہن میں اُبھرتے ہوئے اسے الجھا رہے تھے۔

”کیا پتہ مجھے کسی ٹوٹے ہوئے دل کی بددعا مرض محبت لگ گئی ہو اور مجھے اس سے محبت ہو گئی ہو۔“ اسے ایک سرگوشی اپنے اندر سنائی دی۔

”نہیں،ایسا نہیں ہو سکتا!! اذلان سکندر کو محبت نہیں ہو سکتی۔اس نے تو ہمیشہ محبت سے اپنا دامن چھڑایا ہے۔پھر وہ کیسے اسی محبت

سے اپنا دامن بھر سکتا ہے؟"

اس کے اندر کا اَنا پرست مرد عود کر سامنے آیا تھا۔ مگر دل اس بات سے انکاری تھا۔

دل کسی بھی قسم کی تاویلوں اور دلیلوں سے مبرا تھا۔ دل محبت کی پٹی پڑھا رہا تھا۔ جبکہ دماغ اختلاف رائے پہ اکسا رہا تھا۔ اک سرد کی جنگ اس کے دل و دماغ میں جاری تھی۔ اس نے گھبرا کر گاڑی ایک سائیڈ پہ روک دی۔

"اذلان سکندر! تم کتنا بھی جھٹلاؤ اس احساس کو مگر حقیقت تو یہی ہے کہ تمہیں زینیا سالار سے محبت نہیں بلکہ شدید ترین محبت ہو گئی ہے۔"

اس نے دل کے فیصلے پہ اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے سر سیٹ کی پشت پہ ٹکا دیا اور پُرسکون ہو کے آنکھیں موند لیں۔ ویسے بھی انسان جب دل کے کیے گئے فیصلوں پر سر جھکا دے تو ایسے ہی پُرسکون ہو جاتا ہے۔

دل و دماغ کا یہ اختلاف تو صدیوں سے جاری تھا۔ دل آئینے کی طرح ہوتا ہے، جو انسان کو اس کا عکس دکھاتا ہے۔ جبکہ دماغ بناوٹ کے لبادے میں لپٹا ہوا دنیاوی اور مادہ پرست، جو انسان کو اپنے ہی اشاروں پہ نچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے دل و دماغ کی جنگ میں جیت ہمیشہ دل کی ہوتی ہے۔ کیونکہ دل انسان کو اس کے اصل سے روشناس کراتا ہے۔

آج بارات کا فنکشن تھا اور اس وقت سب ہال میں موجود تھے۔ نکاح ہو چکا تھا اور رخصتی تھوڑی دیر تک متوقع تھی۔ زرناش اور اس کی سہیلیاں دودھ پلائی اور جوتا چھپائی کی رسمیں کر رہی تھیں اس لیے وہ سب کزنز بھی حارث کی مدد کے لیے سٹیج پہ موجود تھے۔ حاذق اور رومان نے زرناش اور اس کی سہیلیوں کو بہت تنگ کیا۔ انہوں نے پیسے دیتے ہوئے بھی انہیں بہت ستایا۔ اذلان، حارث کے صوفے کے پیچھے کھڑا تھا اور ارد گرد سے بے نیاز، بے اختیار زینی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جو نظر اٹھا کے کس لڑکی کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا تھا آج محبت کے ادراک پہ اتنا بے خود اور بے باک ہو گیا تھا کہ کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اس پہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔ اس کے لب تو مسکرانا سیکھ ہی گئے تھے لیکن اس وقت اس کے لبوں کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں اور ان میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ اور وہ چمک شاید محبت کی چمک تھی۔ دوسری طرف وہ اذلان کی وارفتگی اور والہانہ پن سے بے خبر سٹیج پہ کھڑی لڑکیوں کے ساتھ گپیں لگانے میں مصروف تھی۔ وہ اس بات سے بالکل انجان تھی کہ سٹیج پہ موجود دو آنکھیں بڑی محبت اور عقیدت سے اسکا طواف کر رہی تھیں۔

ہنسی مذاق اور شغل کے ہنگامے میں وقت گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا اور رخصتی کا وقت آ گیا۔ رونے دھونے اور ملنے ملانے کے ایک لمبے اور صبر آزما مرحلے سے گزرنے کے بعد اللہ اللہ کر کے رخصتی ہوئی۔ دولہا اور دلہن کا گھر پہنچنے پہ بہت پُرتپاک اور والہانہ استقبال کیا گیا۔ بہت سی رسموں کے بعد زرناشا کو حارث کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ دلہن کو کمرے میں بھیج کر باقی سب بھی تھکن سے چور اپنے اپنے کمروں میں آرام کی غرض سے چلتے بنے۔ مہندی اور بارات کے تھکا دینے والے فنکشنز کی نسبت ولیمے کا فنکشن کافی پُرسکون تھا۔ ہر کوئی شکل سے کافی ریلیکس لگ رہا تھا۔ کیونکہ یہ شادی کا آخری فنکشن تھا اور سب ہی شادی خیر و عافیت سے ہو جانے پہ بہت خوش تھے۔ حارث

اور زرتاشا بھی بہت خوبصورت اور مطمئن لگ رہے تھے۔ زرتاشا بارات کی نسبت ولیمے میں زیادہ خوبصورت اور فریش لگ رہی تھی۔ سب ہی رشتہ دار باری باری سٹیج پہ حارث اور زرتاشا کے ساتھ تصویریں بنوا رہے تھے۔ زینی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھڑی تصویریں بنوانے میں مگن تھی کہ جب عدیل نے اس کے پاس آ کر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''زینی! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے، کیا تم میرے ساتھ آ سکتی ہو؟''

اپنے اردگرد کھڑے لوگوں کا خیال کرتے ہوئے وہ چاہ کر بھی انکار نہ کر پائی اور چپ چاپ اس کے ساتھ چل دی۔ وہ اسے لے کر ہال کے قدرے ہٹ کر ایک کونے میں آ گیا۔

''ہاں بولو، کیا کہنا تھا تمہیں۔'' بیزاری اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

''کہہ دوں، تمہیں بُرا تو نہیں لگے گا۔'' عدیل نے اس کی بیزاری اور اُکتاہٹ کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

''اگر تمہیں یہ خدشہ ہے کہ مجھے بُرا لگے گا تو پھر رہنے دو۔''

''لیکن کہنا بھی ضروری ہے۔'' اسے زینی کی طرف سے اتنے صاف انکار کی امید نہیں تھی اس لیے اس نے بات بنائی۔

''تو پھر جلدی کہو۔''

''مجھے تم سے کہنا تھا کہ تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' عدیل ے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں تم سے کل اور پرسوں بھی یہ کہنا چاہ رہا تھا لیکن تم نے موقع ہی نہیں دیا۔ لیکن آج میں نے اپنے دل سے تہیہ کا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے تم مجھے جتنا بھی نظرانداز کر لو میں تمہیں اپنے دل کی بات بتا کر ہی دم لوں گا۔'' عدیل کی بات سن کے اس کے چہرے کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''عدیل پلیز! مجھے اس قسم کے مذاق بالکل بھی نہیں پسند۔ اگر تم نے واقعی کوئی بات کرنی ہے تو ٹھیک، ورنہ میں جا رہی ہوں۔'' وہ اپنے غصے کو دباتے ہوئے دوٹوک انداز میں بولی۔

''زینی! کیا بات ہے، میں دو تین دن سے نوٹ کر رہا ہوں کہ تم مجھ سے کچھ اکھڑی اکھڑی ہو۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟'' عدیل کے چہرے پہ اب شوخ پن کی جگہ گہری سنجیدگی تھی۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، میرا موڈ تو بالکل ٹھیک ہے۔'' زینی نے اپنے لہجے میں تھوڑی نرمی لاتے ہوئے کہا۔

''نہیں کچھ تو ہے، تم بتانا نہ چاہو تو الگ بات ہے۔''

''میں نے کہا نا کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سب صرف اور صرف تمہارے ذہن کا فتور ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ اگر یہ میرے ذہن کا فتور ہے اور واقعی کوئی بات نہیں ہے تو پھر تم کل میرے ساتھ آئسکریم کھانے جاؤ گی؟''

عدیل اپنی ٹون میں واپس آ گیا۔

''یہ آئسکریم کہاں سے آ گئی بیچ میں۔'' زینی اس کی بے تکی فرمائش پہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔

''زینی! تم بھول رہی ہو کہ شاید تم نے میرے ساتھ آئسکریم کھانے کا وعدہ کیا تھا۔ تمہیں ہر حال میں اپنا وعدہ پورا کرنا پڑے گا۔'' عدیل نے اسے یاددہانی کرائی۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' اس نے کچھ سوچ کر ہامی بھر لی۔

ازلان کافی دیر سے ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ رہا تھا۔ اس کا پورا وجود حسد کی آگ میں جل رہا تھا۔ اسے یہ بات کسی صورت قابل قبول نہیں تھی کہ جسے وہ چاہے اسے کوئی اور چاہے یا پانے کی تمنا کرے۔ وہ اس کی نظروں میں زینی کے لیے پسندیدگی بہت واضح طور پر دیکھ چکا تھا اس لیے اسے زینی کا یوں اس سے الگ تھلگ ہو کے باتیں کرنا بہت ناگوار گزر رہا تھا۔ وہ شعلہ برساتی نظروں سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت دنیا و مافیہا سے اس قدر بے خبر تھا کہ اسے زرناش کا اپنے ساتھ آ کے کھڑے ہونے کا بھی پتہ نہ چلا۔ وہ اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتی ہوئی منٹ کے ہزارویں حصے میں سارا معاملہ سمجھ گئی۔ اس کا چہرہ اس وقت ایک کھلی کتاب کی مانند تھا جس پہ اس کے دل میں پیدا ہونے والی ہر کیفیت حرف بہ حرف تحریر تھی۔ اسے حسد کی آگ میں جلتا دیکھ کے زرناش کے دل پہ ٹھنڈی پھوار پڑنے لگی۔

''دونوں ساتھ کھڑے کتنے اچھے لگ رہے ہیں نا؟'' ازلان نے چونک کر اپنے ساتھ کھڑی زرناش کو دیکھا، جس کے چہرے پہ بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ ازلان نے اسے دیکھتے ہی نفرت و حقارت سے منہ پھیر لیا۔ اس کے منہ پھیرنے پہ زرناش کے تو جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ مگر وہ دانستہ نظرانداز کرتی دوبارہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''آپ نے جواب نہیں دیا میری بات کا!''

''میرے پاس تمہاری فضول باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔'' وہ نخوت سے بولا۔

''ارے! اس میں فضول بات کیا ہے اور نقریب یہ فضول بات ہر ایک کی زبان پر ہوگی۔'' زرناش کا انداز کچھ جتلانے والا تھا۔

''مطلب؟'' ازلان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''مطلب یہ کہ عدیل کل زینی کو ڈیٹ پہ لے کے جا رہا ہے اور وہاں وہ اسے پروپوز کرے گا۔ پھر جلد ہی وہ دونوں بھی ایسے ہی کسی سٹیج پہ بیٹھے ہوں گے اور ہر ایک کی زبان پر یہی فضول بات ہوگی۔'' زرناش کے چہرے پہ بڑی جاندار سی دل جلانے ولی مسکراہٹ تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے چہرے سے اس مسکراہٹ کو نوچ کر پھینک دے۔ وہ جلتی پہ تیل والا کام کر کے جا چکی تھی۔ اور وہ اس کی باتوں کو سوچ کے انگاروں پہ لوٹ رہا تھا۔ عدیل اپنی بات کہہ کے جا چکا تھا اور وہ بھی وہاں سے جانے ہی والی تھی کہ جب ازلان غصے سے دندناتا ہوا اس کے سر پہ آن پہنچا۔

''زینی! عدیل تم سے کیا کہہ رہا تھا؟'' اذلان نے چھوٹتے ہی سوال داغا۔

وہ اس کی غیر متوقع آمد اور اچانک پوچھے گئے سوال پہ بوکھلا گئی، لیکن پھر جلد ہی اس نے خود پہ قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

''کچھ خاص نہیں، بس اپنی ایک بات کر رہا تھا۔''

''مجھے ٹالنے کی کوشش نہیں کرو، میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔'' اذلان کے لہجے میں بلا کی سختی تھی۔

''سوری! میں آپ کو نہیں بتا سکتی! یہ ہماری پرسنل بات ہے۔'' زینی نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ اس پہ اذلان کے لہجے کی سختی کا بھی کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ اذلان کو اس بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسے عدیل کے ساتھ جانے سے منع کر دے گا۔ اور اس کا عدیل کے ساتھ جانا بھی بہت ضروری تھا۔ کیونکہ وہ اس سے کل کراس کی ساری خوش فہمیوں کو دور کرنا چاہتی تھی۔

''تم عدیل کے ساتھ کل کہیں جا رہی ہو؟'' اذلان کا لہجہ بہت چبھتا ہوا تھا۔ اس نے ارادتاً لفظ ''ڈیٹ'' استعمال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے حیرت سے اذلان کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی وسیع معلومات پہ ششدر تھی۔

''جی!'' زینی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اب جب اسے پتہ چل ہی گیا تھا تو انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔

''تم اس کے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گی، آئی سمجھ!'' اذلان نے حسب توقع فرمان جاری کیا۔ زینی اذلان کا جواب جانتی تھی اس لیے وہ ذہنی طور پر تیار تھی۔

''میں جاؤں گی۔'' زینی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے مضبوط لہجے میں کہا۔

''زینی! جب میں کہہ رہا ہوں کہ تم نہیں جاؤں گی، تو مطلب نہیں جاؤ گی۔''

اذلان نے اس کی دیدہ دلیری پہ حتی الامکان اپنے غصے کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

''اور جب میں نے بھی کہہ دیا کہ میں جاؤں گی تو پھر میں جاؤں گی۔''

زینی نے بھی اسی انداز میں کہا۔ زینی کی ہٹ دھرمی پہ اس کا تو جیسے دماغ ہی گھوم گیا۔ وہ غصے سے بے قابو ہوتا ہوا اس کی جانب بڑھا اور اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''زینی! مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ اگر مجھے غصہ آ گیا تو پھر بہت بُرا ہوگا۔''

اذلان کی گرفت اس کے بازوؤں پہ اتنی سخت تھی کہ تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسے اذلان کی جانب سے اس قسم کے رویے کی امید ہرگز نہیں تھی۔ دکھ اور تکلیف کے ملے جلے احساس میں وہ، وہ سب کہہ گئی جو وہ عام حالات میں کبھی نہ کہہ پاتی۔ وہ غصے میں یہ بھول گئی تھی کہ وہ کس کے سامنے کھڑی تھی۔

''مت ڈرائیں مجھے اپنے غصے سے، مجھے نہیں پرواہ آپ کے غصے کی۔ آپ ہوتے کون ہیں مجھ سے اس طرح سے پیش آنے

والے۔ آج تک کسی نے بھی مجھ سے اس طرح سے بات نہیں کی۔ اور ویسے بھی یہ میری زندگی ہے۔ میرا جو دل کرے گا میں کروں گی۔ میرا جہاں اور جس کے ساتھ مرضی جی چاہے گا میں جاؤں گی۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا مجھ پہ یہ پابندیاں لگانے کا۔'' وہ غصے سے بپھری ہوئی نہ جانے کیا کچھ کہہ گئی۔

وہ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرا کے جانے کے لیے مُڑی ہی تھی کہ اذلان نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ اس اچانک حملے پہ وہ خود کو سنبھال نہ پائی اور بڑے آرام سے کھنچتی چلی آئی۔ اب وہ مکمل طور پر اس کی دسترس میں تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے بہت مضبوطی سے اسے پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے پاس رکھی ہوئی کرسی کو گھسیٹا۔ وہ اس کی گرفت میں خود کو چھڑانے کی سعی میں مچل رہی تھی۔ مگر اس کے آہنی بازوؤں میں اس کی ہر کوشش بے سود تھی۔

پھر اس نے ایک جھٹکے سے اسے کرسی پہ بٹھایا اور خود قدرے اس پہ جھک گیا۔ وہ اس کے اتنے قریب تھا کہ اس کی گرم سانسیں اسے اپنے چہرے پہ محسوس ہو رہی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ اس کی اتنی قربت پہ اپنا آپ ہی بھول جاتا لیکن اس وقت وہ اتنے غصے میں تھا کہ اسے کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اسے زینی کے الفاظ اور انداز نے غصے سے پاگل کر دیا تھا۔ اس نے جانے انجانے میں اس کی مردانہ انا پہ چوٹ کی تھی اور یہ چیز اسے کسی صورت برداشت نہیں تھی۔ وہ اب براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اذلان کی آنکھیں غصے اور ضبط کی شدت سے سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اتنی تپش تھی کہ وہ زیادہ دیر تک ان میں نہ دیکھ پائی اور ڈر سے نظریں جھکا گئی۔ اس کے چہرے پہ چٹانوں جیسی سختی تھی۔ وہ کافی دیر تک خود پہ ضبط کیے اُسے گھورتا رہا اور پھر جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں اژدہاؤں جیسی پھنکار تھی۔ اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں کون ہوں اور میرا کیا حق ہے؟ اس کا تمہیں ابھی تھوڑی دیر تک پتہ چل جائے گا۔'' وہ یہ کہہ کر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور ایک معنی خیز سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھال کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی اس نے اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا اور فوراً ہی اٹھ کے کھڑی ہو گئی۔ خوف اور ٹینشن سے اس کا بُرا حال تھا اور ایسے میں جو نام اس کے ذہن میں آیا وہ دعا کا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس گئی اور سارا معاملہ اس کے گوش گزار کر دیا۔ ساری بات سننے کے بعد دعا کا رسپانس خلاف توقع تھا۔

''زینی! اگر تمہیں اپنا تیسرا چیلنج پورا کرنا ہی تھا تو کچھ اور کر لیتی۔ اتنا خطرناک انداز اپنانے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی کہ تم نے جو کہا وہ کر دکھایا۔'' دعا کی نظروں میں اس کے لیے ستائش ہی ستائش تھی۔

''اس لیے تم جیتی اور میں ہاری! اور آج کے بعد تم جو کہو گی میں وہی کروں گی۔''

''شٹ اَپ دعا!'' وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے چلائی۔

''میری یہاں ڈر سے جان نکلی جا رہی ہے اور تمہیں اپنے ہی راگ الاپنے کی پڑی ہے۔ باقی سب باتیں چھوڑو اور یہ سوچو کہ اس

سچویشن سے کیسے نمٹا جائے۔''

''میں کیوں نہ سوچوں؟ تم خود ہی سوچو۔ یہ سب کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ لیا تھا کیا؟ نہیں ناں! جنگل میں رہتے ہوئے شیر سے بیر لیا ہے تو اب بھگتو۔'' دعا نے اسے ٹکا سا جواب دیا۔ اسے دعا سے اس موقع پہ اس قدر خودغرضی کی امید ہرگز نہیں تھی۔ اس کی بے مروتی پہ اس کی شکل مزید روہانسی ہوگئی۔ اس نے شکایتی نظروں سے دعا کی طرف دیکھا۔

''اچھا ٹھیک ہے، یہاں بیٹھو، کچھ سوچتے ہیں۔'' وہ اس کی ملامت بھری نظروں پہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی پھر دعا نے اسے پاس رکھی ہوئی کرسی پہ بٹھا دیا اور خود بھی ایک کرسی کھینچ کے بیٹھ گئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں سر جوڑے کچھ سوچنے لگیں۔

۞..........۞..........۞

''اذلان بیٹا! کیا بات ہے تم نے اتنی ایمرجنسی میں ہم سب کو یہاں کیوں بلایا ہے؟''

دادی ماں نے تجسس سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، جو اس وقت ہونٹ بھینچے کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ بڑے ابا، چھوٹے ابا، بڑی ماں اور چھوٹی ماں بھی اس وقت ہال کے ساتھ منسلک اس کمرے میں موجود تھے جسے ڈریسنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

''اذلان جلدی کہو جو کہنا ہے، باہر سب مہمان بیٹھے ہیں مناسب نہیں لگتا یوں سب مہمانوں کو چھوڑ کر اندر آ کے بیٹھ جانا۔'' بڑی ماں نے اسے خاموش کھڑے دیکھ کر کہا۔ اس نے سب کو بڑی ہنگامی بنیادوں پہ اکٹھا کیا تھا اور اب سب اس کے بولنے کے انتظار میں تھے۔ جبکہ وہ پتہ نہیں کن سوچوں میں گم کھڑا تھا۔

''مجھے آپ سب سے یہ کہنا تھا کہ......وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا اور باقی الفاظ ذہن میں ترتیب دینے لگا۔ اسے اب اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جو کہنے جا رہا تھا، وہ کہنا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ بہرحال جو بھی تھا اسے اپنی بات ہر صورت کہنی تھی اس لیے سب کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''مجھے یہ کہنا تھا کہ مجھے آج، ابھی اور اسی وقت نکاح کرنا ہے۔ وہ بہت اطمینان سے ٹھہر ٹھہر بولا۔ جیسے بہت عام سی بات کر رہا ہو۔

کمرے میں مکمل طور پر خاموشی چھا گئی۔ سب حیرت و سکتے کے عالم میں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ انہیں یوں گمان ہوا کہ جیسے انہوں نے کچھ غلط سنا ہو۔ اذلان کا یوں اچانک نکاح کی فرمائش کرنا، ان سب کے لیے بڑی حیرت کی بات تھی۔ انہیں تو جیسے اپنے کانوں پہ یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''اذلان! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' دادی ماں نے بے یقینی کی کیفیت میں بمشکل کہا۔ انہیں اپنے لاڈلے اور سمجھدار پوتے سے اتنی غیر سنجیدہ بات کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

''میں وہی کہہ رہا ہوں جو آپ سب سن چکے ہیں۔'' اس کا انداز بہت شائستہ تھا۔ اس میں کسی قسم کی گستاخی یا بدتمیزی کا عنصر نہیں تھا۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے اور اتنی ایمرجنسی میں لڑکی کہاں سے ڈھونڈیں گے ہم لوگ۔''

بڑی ماں نے اپنی دانست میں سب سے اہم نکتہ اٹھایا، لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ مسئلہ بھی ان کا بیٹا خود ہی حل کر چکا تھا۔

''اس کے لیے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میں ڈھونڈ چکا ہوں۔''

''ڈھونڈ چکا ہوں''، کیا مطلب، کون ہے وہ لڑکی؟ بڑی ماں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولیں۔ اب انہیں واقعی پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔

''زینیا سالار!'' وہ تھوڑا جھجکتے ہوئے بولا۔

''مطلب اپنی زینی!'' بڑی ماں کے تصدیقی انداز پہ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

زینی کا نام سن کے سب مزید حیرت میں مبتلا ہو گئے۔ اذلان آج ان سب پہ حیرتوں کے پہاڑ توڑ رہا تھا۔

''اذلان یہ تو بہت خوش کی بات ہے کہ تم نے اپنے لیے زینی کا انتخاب کیا۔ اس لیے کہ یہ تو ہم سب کی بھی دلی خواہش تھی کہ زینی ہماری بہو بنے۔'' بڑے ابا نے خوشی سے کہا۔

''ایسا کریں گے کہ گھر پہنچنے کے بعد بیٹھ کے سارے معاملات طے کرلیں گے۔ اور جیسا تم چاہو گے ہم ویسا ہی کریں گے۔ کیوں سالار، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں!'' بڑے ابا نے چھوٹے ابا سے تصدیق چاہی۔

''جی بھائی صاحب! بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

چھوٹے ابا نے بڑے ابا کی ہاں میں ہاں ملائی۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہونا تھا۔ بلکہ وہ تو بہت خوش تھے کیونکہ ان کی تو دیرینہ خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔

''مجھے آج اور ابھی نکاح کرنا ہے۔'' وہ انہیں پلاننگ کرتا دیکھ کر بولا۔ وہ شاید اس کی بات نہیں سمجھے تھے۔

''اذلان یہ کیا بچپنا ہے۔ اس میں ضد کرنے والی کون سی بات ہے۔ تم سے کہہ جو دیا ہے کہ گھر جا کے جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہوگا۔ لیکن اس وقت یہاں یہ سب ممکن نہیں ہے۔''

اذلان کو بے تکی ضد پہ اڑے دیکھ کر بڑی ماں نے غصے سے کہا۔ وہ آج تک اپنے اس بیٹے کے مزاج کو سمجھنے میں ناکام تھیں۔ کمرے میں موجود سب ہی نفوس اس کی ضد کے پیچھے چھپی وجہ کو جاننے کا اشتیاق رکھتے تھے لیکن وہ کچھ بھی بتانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ سب نے ہی اسے معاملے کی نزاکت سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ تو سمجھنے کی بجائے مزید ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''اگر آپ لوگوں نے آج میری بات نہ مانی تو پھر میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گا۔'' اذلان نے اپنا آخری پتا پھینکا جس نے ساری بازی ہی اُلٹ دی۔ اس کی دھمکی نے اتنا اثر دکھایا کہ سب کو ماننا ہی پڑا کیونکہ اتنا وہ اس سے سب ہی واقف تھے کہ وہ جو کہتا تھا وہ

کرتا تھا، اس لیے اتنا بڑا رسک لینے کی بجائے انہوں نے اس کی بات ماننے میں ہی عافیت جانی۔

زندگی بعض اوقات ہمیں ایسے موڑ پہ لے آتی ہے کہ جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔ وہ چیزیں جن کے بارے میں سوچنا تو دور کی بات، ہم تصور بھی نہیں کر سکتے وہ ہماری زندگی میں ایسے رونما ہو جاتی ہیں کہ ہم حیرت کی تصویر نے دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ہم اپنی ہی زندگی کے فیصلوں میں بھی اتنے بے بس ہوتے ہیں کہ کوئی ہمیں اپنے اشاروں پہ اس طرح نچاتا ہے کہ ہم نہ چاہتے ہوئے بھی ناچتے چلے جاتے ہیں۔

زینی نے کرب سے سوچتے ہوئے اپنے ساتھ بیٹھے اذلان کو دیکھا جو نکاح نامے پہ سائن کر رہا تھا۔ زینی کا جی چاہا کہ وہ اٹھ کے اتنی دور بھاگ جائے کہ دوبارہ کبھی ان سب کے سامنے بھی نہ آئے مگر اسے اپنے کانوں میں اذلان کی دھمکیاں سنائی دینے لگیں۔ اذلان نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے نکاح کے لیے ہامی نہ بھری تو وہ اسے اٹھا کے لے جائے گا اور زبردستی اس سے نکاح کرے گا۔ ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے اس نے عزت سے زہر کا گھونٹ پینا گوارا کیا۔ کیونکہ جس حد تک وہ اسے جانتی تھی اس سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ وہ غصے میں کیا کچھ کر سکتا تھا، یہ اس سے بہتر اور کون جانتا تھا۔ وہ اپنی ہی سوچوں کی منجدھار میں غرق تھی کہ نکاح ہو گیا اور اسے پتہ بھی نہیں چلا۔ سب باری باری اسے اور اذلان کو مبارکباد دے رہے تھے اور وہ سپاٹ چہرہ لیے یوں بیٹھی تھی کہ جیسے نکاح اس کا نہیں کسی اور کا ہوا ہو! اس نکاح پہ سب سے زیادہ دعا خوش تھی۔ کیونکہ اس کی سب سے پیاری سہیلی اس کی بھابھی بن گئی تھی اور اس کے لیے اس سے زیادہ خوش کی بات اور کوئی نہیں تھی۔ اس اچانک ہونے والے رشتے پہ دعا کے ساتھ ساتھ سب ہی بہت حیران اور خوش تھے لیکن اگر زینی کے علاوہ کوئی خوش نہیں تھا تو وہ زرناش اور عدیل تھے۔

عدیل کے تو جیسے سارے ارمانوں پہ پانی ہی پھر گیا تھا۔ اور زرناش اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جل گئی تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اذلان کا اس کی باتوں پہ اتنا سخت ردعمل ہوگا۔ وہ حسد بھری نظروں سے اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی زینی کو دیکھ رہی تھی۔ اس نشست پہ بیٹھنے کے خواب وہ نجانے کب سے دیکھ رہی تھی اور اس نے پل بھر میں اس کے سارے خواب چکنا چور کر دیے تھے۔ اس کے دل میں زینی کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔ اُدھر زینی زرناش کی آگ برساتی نگاہوں سے بے خبر اپنے آپ کو کوسنے میں مصروف تھی۔ اذلان کی نگاہوں میں جیت کی چمک اور چہرے پہ فتح کی سرشاری دیکھ کے وہ جی جان سے جل گئی۔ اس کا تو جیسے بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے جان سے مار دے۔ اس کے چہرے پہ پھیلی معنی خیز سی مسکراہٹ اسے زہر لگ رہی تھی۔

''کاش کہ میں نے اس کی دھمکیوں سے ڈر کے اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ نہ کیا ہوتا تو اس وقت جیت اسکا مقدر نہ ہوتی۔''

زینی کی سوچوں میں پچھتاوے ہی پچھتاوے تھے۔ لیکن اس کے یہ پچھتاوے اس کی جیت کو ہار میں نہیں بدل سکتے تھے۔ کیونکہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔

شادی ختم ہو چکی تھی اور آج سب کی واپسی تھی۔ازلان نے دادی ماں، بڑی ماں، چھوٹی ماں، بڑے ابا اور چھوٹے ابا کے لیے جہاز کی ٹکٹ کروائے تھے۔ان سب کو لاہور سے اسلام آباد جہاز کے ذریعے جانا تھا اور انہیں ییئرپورٹ تک پہنچنے کی ذمہ داری ازلان نے حارث کے ذمہ لگائی تھی۔وہ سب اپنی اپنی پیکنگ کرنے میں مصروف تھے جب دعا نے اسے بتایا کہ وہ اور ازلان ایک گاڑی میں جائیں گے اور باقی وہ سب فیضان کی گاڑی میں جائیں گے۔

ازلان کا نام سنتے ہی اس کے تو جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی۔وہ ابھی کل والے واقعے کے شاک سے باہر نہیں نکلی تھی کہ اس نے اس کے سر پہ ایک اور بم پھوڑ دیا تھا۔وہ غصے سے دندناتی ہوئی فیضان کے سر پہ جا پہنچی۔اسے غصے میں دیکھ کے فیضان کے چہرے پہ بڑی جاندار سی مسکراہٹ آ گئی۔وہ اس کے چہرے کے بگڑے تاثرات دیکھ کے ہی سارا معاملہ سمجھ گیا تھا۔

”زینی!تم یہاں؟کوئی کام تھا کیا؟“

فیضان نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

”جی!مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔“

وہ اپنے غصے پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔

”ہاں،کہو کیا کہنا تھا۔“

وہ مکمل طور پہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”مجھے آپ کے علاوہ اور کسی کے ساتھ نہیں جانا واپس۔“

”اور کسی سے کیا مطلب؟“

اس نے انجان بنتے ہوئے ”اور کسی“ پہ زور دیا۔

”آپ کو پتہ ہے کہ میں کس کی بات کر رہی ہوں۔“

”کس کی؟فیضان کی ایکٹنگ قابل دید تھی۔

”فیضان بھائی پلیز!آپ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔آپ کو پتہ ہے میں کس کی بات کر رہی ہوں۔“

وہ غصے سے جھنجھلاتے ہوئے بولی اس کی جھنجھلاہٹ عروج پہ تھی۔وہ ازلان کا نام نہیں لینا چاہتی تھی اور فیضان اسے اس کا نام لینے پہ مجبور کر رہا تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے،تم ناراض نہ ہو۔ایسا کرو کہ ازلان بھائی سے جا کے پوچھ لو،اگر وہ کہیں گے تو میں تمہیں اپنی گاڑی میں لے جاؤں گا۔“

وہ اس کی ناراضگی کے خدشے سے فوراً ہی لائن پہ آ گیا۔اب وہ مکمل طور پہ سنجیدہ تھا۔

''مجھے ہی سے کچھ نہیں پوچھنا۔میں نے جب کہہ دیا کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی تو میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔میں کسی کی پابند نہیں ہوں۔وہ اپنا فیصلہ سناتے ہوئے اٹل لہجے میں بولی اس کا نام سنتے ہی اس کا غصہ پھر عود آیا تھا۔

''کون کسی کا پابند نہیں ہے۔''

ازلان نے کمرے میں آتے ہوئے اس کا آخری فقرہ اُچکتے ہوئے پوچھا۔وہ یوں انجان بن رہا تھا کہ جیسے اسے کچھ پتہ ہی نہ ہو۔جبکہ وہ کمرے میں آتے ہوئے اس کی پوری بات سن چکا تھا۔

''بھائی!زینی کو آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔''

فیضان سارا ملبہ اس کے سر ڈال کے فٹافٹ کمرے سے نکل گیا۔

فیضان کے جانے کے بعد وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔وہ سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑا بغور اس کا جائزہ لینے لگا جو کاسنی رنگ کا سوٹ پہنے الجھی الجھی سی کھڑی تھی۔دوپٹہ اس نے اپنے مخصوص انداز میں گلے میں لپیٹا ہوا تھا اور اس کے خوبصورت گھنے بال پونی میں سے نکل کر اس کے چہرے کا حصار بنائے ہوئے تھے۔

وہ اتنے سادہ اور لاپرواہ انداز میں بھی اسے اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ اس کے لیے اپنے دل پہ قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔وہ روٹھی روٹھی سی اسے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوئی۔اس کے لیے یہ احساس ہی اتنا خوش کن تھا کہ اب وہ صرف اور صرف اس کی تھی۔اور وہ اس پہ پورا پورا حق رکھتا تھا۔اسے بے اختیار اس پہ پیار آنے لگا اور وہ بے خود ہو کر اس کی جانب بڑھنے لگا۔زینی نے اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو وہ بوکھلا کے پیچھے ہو گئی۔اس کے بڑھتے قدم اسے مزید پیچھے ہٹنے پہ مجبور کرنے لگے۔پیچھے ہٹتے ہٹتے وہ دیوار کے ساتھ جا کے لگ گئی۔اس نے گھبرا کے ادھر اُدھر دیکھا تو مزید پیچھے ہٹنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔اس نے بے ساختہ اپنی جانب بڑھتے ازلان کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کی نظروں میں اتنا والہانہ پن اور وارفتگی تھی کہ اس نے گھبرا کے نظریں جھکا لیں۔وہ اس کے اتنے قریب آ کے رُک گیا کہ اگر وہ ہاتھ بڑھاتی تو باآسانی اسے چھو سکتی تھی۔اس کی بے حد قربت پہ اس کی سانسیں اتھل پتھل ہونے لگیں۔شرم وحیا کے مارے اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔پھر اس سے پہلے کہ اس کا دل اسے کسی جسارت پہ مجبور کرتا،وہ فوراً ہی پیچھے ہو گیا۔

اس کے پیچھے ہوتے ہی اس نے سکون کا سانس لیا۔

''تمہیں کچھ کہنا تھا!''

ازلان نے فرطِ جذبات سے بوجھل لہجے میں کہا۔وہ ابھی بھی اس پہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔

''جی۔''

وہ خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے بولی۔ اذلان کی بے لگام نظریں اسے کنفیوژ کر رہی تھیں۔

''کہو۔''

اس کی نظریں ابھی بھی اس کے چہرے پہ ہی الجھی ہوئی تھیں۔

''میں فیضان بھائی کی گاڑی میں چلی جاؤں گی۔ آپ ایسا کریں کہ آپ اپنی گاڑی میں دعا کو لے جائیں۔''

اس نے کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی بھی نظریں جھکائے کھڑی تھی کیونکہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت وہ اندر نہ پاتی تھی۔ اگر وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی تو کبھی بھی اپنی بات نہ کہہ پاتی۔ وہ اپنی آنکھوں سے مقابل کو ہرانے کا فن خوب جانتا تھا۔

''کہہ دیا جو کہنا تھا۔''

وہ تیوری چڑھا کر پوچھنے لگا۔ اس کا کچھ دیر پہلے والا خوشگوار موڈ یکسر بدل چکا تھا کیونکہ اسے اس کی تجویز ہرگز پسند نہیں آئی تھی۔

''جی! اب میں جاؤں؟'' اس نے اس کے بدلتے تیور دیکھ کر کھسکنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس لیے وہ اس کی جانب سے گرین سگنل ملے بغیر ہی پہ جا اور وہ جا ہونے ہی والی تھی کہ وہ اس کے راستے میں سیسہ پلائی دیوار بن کے کھڑا ہو گیا۔

''اپنے نادر و نایاب مشورے اپنے پاس ہی رکھو۔ یقیناً پھر کسی موقع پہ کام آئیں گے۔ تمہیں ایک اور بات آج میری کان کھول کر سن لو۔ میں انکار سننے کا عادی نہیں ہوں۔ اس لیے جب میں ہارن بجاؤں تو شرافت سے تیار ہو کے گاڑی میں آ کے بیٹھ جانا ورنہ میرے فیصلے سے بغاوت کی صورت میں نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔''

اس نے انگلی اٹھا کے اسے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ سخت اور کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ وہ ایک سخت سی نظر اس پہ ڈال کے کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ وہیں کھڑی اپنی بے بسی پہ کڑھتی رہی۔

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ایک ہی گاڑی میں بیٹھے سفر کر رہے تھے مگر ایک دوسرے سے بالکل انجان اور لاتعلق۔ وہ فرنٹ سیٹ پہ اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا رُخ شیشے کی طرف موڑا ہوا تھا اور یہ اس کا اعلانیہ اسکے ساتھ غصے اور ناراضگی کا اظہار تھا۔ اس نے پچھلے آدھے گھنٹے سے اس سے بات کرنا تو دور، دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ جبکہ وہ وقفے وقفے سے اس پہ اک سرسری سی نظر ڈال رہا تھا۔ وہ جب بھی اس کی طرف دیکھتا تو اِک دلفریب سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آ کے ٹھہر جاتی۔ اسے اس کا یہ روٹھا روٹھا سا انداز نہایت دلکش لگ رہا تھا۔ وہ مغرور حسینہ اس بات سے بالکل لاعلم تھی کہ اس کا ہر انداز اس کے دل پہ بہت گہرا وار کر رہا تھا۔ وہ جتنا اسے اگنور کر رہی تھی اس کا دل اتنا ہی اس کی طرف ہمک رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس پاگل اور نادان لڑکی کو اپنے دل کی تمام تر شدتوں اور جذبوں کی سچائیوں سے آگاہ کر دے۔ وہ اسے وہ سب بتا دے جو وہ اس کے لیے محسوس کرتا تھا۔ اسے بتا دے کہ کیسے اس کی معصومیت اور پاگل پن

نے اسے اپنی دیوانہ بنایا تھا۔ مگر پھر اپنے پاک اور بے ریا جذبوں کی ناقدری کے خوف سے اس نے اپنے دل پہ ضبط کے پہرے بٹھا دیے۔ وہ سب کچھ برداشت کرسکتا تھا ماسوائے اپنی ذات کی نفی کے۔

وہ اس کے جذبات اور خیالات سے بے خبر اپنی حالتِ زار پہ کڑھنے کا شغل فرمانے میں مصروف تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس بات پہ کڑھ رہی تھی کہ وہ جو سب کے سامنے بڑی شیرنی بنی پھرتی تھی پھر اس کے آگے کیوں بھیگی بلی بن جاتی تھی۔ وہ جو کسی کو اپنے آگے بولنے نہیں دیتی تھی پھر اس کے سامنے اس کی بولتی کیوں بند ہو جاتی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کی ہر بات کیوں مان لیتی تھی۔ وہ جو کسی سے نہیں ڈرتی تھی، پھر وہ کیوں اس سے ڈر رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنا سر پھاڑ لے۔ کیونکہ اسے اپنی بزدلی پہ شدید غصہ آ رہا تھا۔ وہ ابھی اس ذہنی کشمکش کا شکار تھی کہ اچانک ہی اس نے اس کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اسے تو جیسے کرنٹ لگ گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اس کی طرف مڑی۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ!''

وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرتے ہوئے بولی۔ اس کا غصے سے بُرا حال تھا۔ اس کی اتنی دیدہ دلیری پہ وہ غصے سے نیلی پیلی ہو رہی تھی۔

''چھوڑنے کے لیے نہیں تھاما یہ ہاتھ۔'' اس کے الفاظ جذبوں کی شدت سے بوجھل تھے۔ اس کا تیر ٹھیک نشانے پہ لگا تھا۔ اس نے جان بوجھ کے اس کا ہاتھ پکڑا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسے اپنی طرف موڑنے اور بولنے پہ اکسانے کا ایک یہی واحد راستہ تھا۔

''میں نے کہا، چھوڑیں میرا ہاتھ!''

''اگر نہ چھوڑوں تو!''

''میں اگر چپ چاپ آپ کی بات مان رہی ہوں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ کا جو دل چاہے وہ کریں۔ چھوڑیں میرا ہاتھ!''

وہ غصے سے بپھرتے ہوئے بولی۔

''اچھا! اگر نہ چھوڑوں تو کیا کرلوگی؟'' اس کا انداز اسے چڑانے والا تھا۔

''اگر آپ نے میرا ہاتھ نہ چھوڑا تو میں آپ کے ہاتھ پہ کاٹ لوں گی۔'' اس نے غصے سے خونخوار دھمکی دیتے ہوئے کہا۔ اس کی بچگانہ دھمکی پہ اس کا قہقہہ فلک شگاف تھا۔

''آپ کو لگ رہا ہے کہ میں مذاق کر رہی ہوں۔''

اسے اس کا انداز سراسر مذاق اُڑانے والا لگا۔

''نہیں!''

اذلان اپنی ہنسی کو کنٹرول کرتے ہوئے بولا۔

''تو پھر آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟''

وہ بُرا مان گئی۔

''اس لیے کہ اس میں بھی میرا ہی فائدہ ہے۔''

''وہ کیسے؟'' حیرت سے اس کی آنکھیں مزید بڑی ہوگئیں۔

''ایسے کہ اسی بہانے میرے ہاتھ کو تمہارے خوبصورت لبوں کو چھونے کا موقع مل جائے گا۔''

ازلان نے اس کی خوبصورت چمکدار آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

اس کی اتنے کھلے لفظوں میں کہی ہوئی بات پہ وہ شرم سے پانی پانی ہوگئی۔ اسے ازلان کی جانب سے اتنی بے باک گفتگو کی قطعی امید نہیں تھی۔ اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس سے ایسی بات بھی کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش ترک کر کے سٹپٹاتے ہوئے اپنا رُخ ہی پھیر لیا۔

اس کے چہرے پہ بکھرے شرم و حیا کے خوبصورت رنگ اس کے لیے بہت نایاب تھے۔ اسے اس کا یوں سٹپٹانا اور جھجکنا بہت لطف دے رہا تھا۔ اس کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا مگر وہ اسے چھڑانے کی کوشش کرنے کی بجائے شرم سے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ اسے بے اختیار اس پہ ترس آنے لگا۔ اس لیے اس نے خود ہی بہت نرمی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ چھوڑتے ہی اس نے فٹافٹ اپنے دونوں ہاتھ گود میں چھپا لیے کہ جیسے اسے خدشہ ہو کہ وہ دوبارہ نہ پکڑ لے۔ وہ ونڈ اسکرین پہ نظریں جمائے انہماک سے گاڑی چلا رہا تھا۔ مگر اس کے مسکراتے لب یہ جتا رہے تھے کہ اس کی یہ حرکت اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔

''پتہ نہیں زینی کیا کر رہی ہوگی؟''

دعا کا دھیان بار بار بھٹک کر اس کی طرف جا رہا تھا۔ ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر سفر کر رہی تھیں۔ وہ جب بھی کہیں بھی جاتیں تو ایک ساتھ جاتی تھیں۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ اب جب وہ اس کے ساتھ نہیں تھی تو پھر بھی اس کا دھیان اسی کی طرف تھا۔

''کیا بات ہے دعا! تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو۔''

فیضان نے دعا کی پریشانی بھانپتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں بھائی! پریشان تو نہیں ہوں، بس زینی کی فکر ہو رہی تھی۔ وہ بہت غصے میں بھائی کے ساتھ گئی تھی۔ آپ کو تو پتہ ہے نا اگر اس کی مرضی کے خلاف کوئی بھی کام ہو تو اسے کتنا غصہ آتا ہے۔ اور آج کل تو ہر کام اس کی مرضی کے بغیر ہی ہو رہا تھا۔''

دعا فکرمند ہوتے ہوئے بولی۔ اسے واقعی اس کی بہت فکر ہو رہی تھی۔

''ہاں! غصے میں تو وہ تھی......''

فیضان نے بات کرتے کرتے دعا کی طرف دیکھا۔

''میرے پاس بھی آئی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ میں آپ کی گاڑی میں جاؤں گی۔''

''پھر بھائی! آپ نے کیا کہا......؟

دعا نے بے صبری سے پوچھا۔ اسے زینی کا اچانک پیکنگ کرتے کرتے غائب ہونا اب سمجھ میں آیا تھا۔

''میں نے کیا کہنا تھا دعا! بھائی کے خلاف جانے کی ہمت ہے ہم میں سے کسی میں۔''

فیضان کی بات سن کے دعا چپ سی ہو گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ جو کہہ رہا تھا وہ ٹھیک تھا۔

''مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ بھائی کو اچانک یہ ہو کیا گیا ہے۔ وہ زینی کے ساتھ یہ سب کیوں کر رہے ہیں۔''

دعا نے بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''سمجھ تو مجھے بھی نہیں آ رہا آخر بھائی کے اتنے اچانک کیے گئے فیصلے کے پیچھے کیا وجہ تھی۔''

''مجھے پتہ ہے کہ اس کے پیچھے کیا وجہ ہے۔''

رومان، جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھا دعا اور فیضان کی گفتگو سن رہا تھا، اچانک مسکراتے ہوئے بولا۔

''کیا؟''

دعا نے بلاتوقف پوچھا۔ وہ ''وجہ'' جاننے کے لیے بہت بے چین ہو رہی تھی۔

''یہی، کہ بھائی کو زینی سے محبت ہو گئی ہے۔''

''رومان پلیز! کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔ ہر وقت مذاق اچھا نہیں لگتا۔''

دعا بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ وہ سب کچھ مان سکتی تھی ماسوائے لفظ محبت کے۔

''تمہیں لگ رہا ہے کہ میں مذاق کر رہا ہوں؟''

رومان نے دعا سے تصدیق چاہی، جو کہ اس وقت بالکل بھی اس موڈ میں نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے! میری سچائی اب وقت ہی ثابت کرے گا۔''

رومان نے دعا کو منہ بنا کے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

اذلان گاڑی چلاتے ہوئے وقتاً فوقتاً اس پہ بھی نظر ڈال رہا تھا جو آنکھیں موندے سیٹ پہ سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ وہ سو رہی تھی یا سونے کا بہانہ کر رہی تھی۔ اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا تھوڑا مشکل ہو رہا تھا۔ بہرحال جو بھی تھا اس میں بھی اسی کا فائدہ تھا۔ وہ اس کی بند

آنکھوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی پیاسی نظروں کو اس کے ہوش رُبا حسن سے سیراب کر رہا تھا۔ وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے صرف یہی سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اس کے حسن سے متاثر ہوا تھا؟ کیا وہ صرف اس حسن سے پاگل ہو کر اس کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوا تھا؟ کیا اس نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ صرف اس خوبصورت چہرے کے لیے کیا تھا؟ اسکا دماغ اس وقت منفی سوچوں کے بھنور میں پھنسا ہوا اسے الجھا رہا تھا۔ جبکہ اس کا دل اس کی ہر منفی سوچ کی مخالفت کر رہا تھا۔ دل و دماغ کی کشمکش میں وہ مزید الجھتا جا رہا تھا

جب اس کی تمام منفی سوچوں کو اس کا دل بڑے آرام سے رَد کرتا یہ دلیلیں دے رہا تھا کہ ''اذلان سکندر! تمہیں زینی کے حسن نے دیوانہ نہیں کیا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یونیورسٹی میں اس سے بھی خوبصورت چہرے تمہاری صرف اِک نظرِ کرم کے منتظر تھے۔ اگر خوبصورتی ہی تمہارے لیے اہم ہوتی تو اس سے خوبصورت لڑکیوں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ اذلان سکندر! تمہیں اس کی خوبصورتی نے نہیں بلکہ معصومیت اور پاگل پن نے دیوانہ بنایا تھا۔ تمہیں اس کی سنہری آنکھوں نے نہیں بلکہ ان آنکھوں میں چھپی شرارت نے اپنا اسیر کیا تھا۔ تمہیں اس کے خوبصورت ہونٹوں نے نہیں بلکہ ان کی بے ریا مسکراہٹ نے اپنا دیوانہ بنایا تھا۔ تمھیں اس کے دلکش چہرے نے نہیں بلکہ چہرے کی معصومیت نے پاگل کیا تھا۔''

اس کے دل کی تمام دلیلیں اتنی ٹھوس تھیں کہ دماغ کی تمام منفی سوچیں ایک جھٹکے میں ہی زائل ہوگئیں۔ اب وہ بہت مطمئن اور پُرسکون تھا۔ کیونکہ وہ کسی عام مرد کی طرح سطحی محبت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تو بہت خاص مردوں کی طرح خالص اور سچی محبت کا طلبگار تھا۔

وہ لوگ جہلم پہنچ چکے تھے اور ان کی گاڑی اسی ٹیولپ ہوٹل کے پاس سے گزر رہی تھی جہاں سے لاہور جاتے ہوئے انہوں نے آئسکریم اور کافی پی تھی۔ ہوٹل کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کا بے ساختہ دل چاہا کہ وہ گاڑی روک دے اور اسے اٹھا کے پوچھے کہ آئسکریم کھاؤ گی؟ چلو آج میں بھی اس سردی میں کافی نہیں پیتا، بلکہ تمہارے ساتھ آئسکریم کھاتا ہوں۔ پتہ نہیں کیوں آج اسکا دل اسے اس کے رنگ میں رنگنے پہ اکسا رہا تھا۔ لیکن پھر نجانے کیوں اس نے اپنے دل کی تمام خواہشوں کو اپنے دل میں ہی دبا لیا اور چپ چاپ گاڑی چلاتا رہا۔

انہیں لاہور سے واپس آئے ہوئے پورا ایک ہفتے ہو چکا تھا اور اس ایک ہفتے میں اس کا رویہ بہت عجیب تھا۔ وہ بہت اکھڑی اکھڑی اور ناراض سی رہتی تھی۔

وہ گھر سے کالج اور کالج سے گھر آ کے کمرے میں بند ہو جاتی۔ گھر میں کسی سے بھی وہ سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی ماسوائے دعا کے۔ اس نے خود کو اپنے کمرے اور اپنی ذات تک محدود کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنی تمام تر خفیہ سرگرمیوں کو بھی ترک کر دیا تھا۔ گھر میں سب ہی اس کے اس قسم کے رویے پہ بہت حیران اور پریشان تھے۔ اپنی اپنی جگہ سب ہی اس کے اس رویے کی وجہ پوچھ چکے تھے۔ مگر وہ کسی کو کچھ بھی بتانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اذلان بھی اس کے اس رویے کو نوٹ کر چکا تھا اور اسے زینی کو ایسے دیکھ کے حقیقتاً دکھ ہو رہا تھا۔

وہ اس میں آنے والی اتنی بڑی تبدیلی کا ذمہ دار خود کو ٹھہرا رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر ہنستی، کھیلتی، شوخ و چنچل زینی کو اس حال تک پہنچانے کا الزام اپنے سر لگا رہا تھا۔ اس نے کب چاہا تھا کہ وہ ایسی ہو جائے۔ اس نے تو خود ہنستی کھیلتی شریر سی زینی کو پسند کیا تھا۔ وہ زینی جس نے اسے زندگی کے خوبصورت ہونے کا احساس دلایا تھا۔ جس نے اسے زندگی بھرپور طریقے سے جینا سکھایا تھا۔ مگر آج وہ خود ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں اس کے لیے زندگی کوئی معنی ہی نہیں رکھتی تھی۔ اسے کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ اندر سے ٹوٹ چکی تھی۔

❂..........❂..........❂

''زینی! کیا کر رہی ہو؟'' دعا نے کمرے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں!''

زینی نے اُکتائے ہوئے لہجے میں بیڈ سے کتابیں سمیٹتے ہوئے جواب دیا۔

''اگر کچھ نہیں کر رہی تو آؤ پھر چھت پہ چلتے ہیں۔ کتنے دن ہو گئے ہمیں چھت پہ گئے ہوئے۔

''نہیں دعا! تم چلی جاؤ، میرا موڈ نہیں ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی، موڈ نہیں ہے۔ جائیں گے تو ساتھ جائیں گے، چلو میرے ساتھ۔''

دعا زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ وہ دونوں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ جب ازلان بھی چھت پہ آ گیا۔

''دعا! تمہیں امی بلا رہی ہیں۔''

وہ زینی کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

اس کے بیٹھتے ہی دعا اٹھ کے چلی گئی اور اسے جاتا دیکھ کر زینی بھی اٹھ کے جانے ہی والی تھی کہ جب اس نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر روک لیا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

ازلان نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کرسی پہ بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''کمرے میں۔''

اس کے بیٹھتے ہی اس نے اس کا ہاتھ خود بخود چھوڑ دیا۔ جس پہ اس نے کافی حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیوں؟''

اس کی نظروں میں اُبھرنے والا حیرت کا تاثر اسے بہت بھلا لگا۔

''کچھ کام تھا۔''

اس نے نظریں جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

''میری وجہ سے جا رہی ہو؟''

زینی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔اس کی خاموشی ہی اس کا جواب تھا۔

''اچھا! تھوڑی دیر بیٹھو، مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ پھر چاہے تم چلی جانا میں تمہیں نہیں روکوں گا۔''

وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بے بسی سے بولا۔

''جی بولیں!''

اس کی نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔ وہ ارادتاً اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی اور نہ ہی دیکھنا چاہتی تھی کیونکہ اس دنیا میں اگر وہ کسی سے نفرت کرتی تھی تو صرف اس سے، وہ اس سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس سے نفرت کر رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے نفرت کر سکتی تھی۔ مقابلے میں صرف ہار اور جیت ہوتی ہے، جبکہ نفرت...... نفرت میں صرف موت۔ وہ اسے اپنی نفرت سے اندرونی طور پر مارنا چاہتی تھی بالکل ایسے ہی جیسے اس نے اسے اور اس کی خوشیوں کو مار دیا تھا۔

وہ کچھ دیر بغور اس کے سرخی مائل چہرے کو دیکھتا رہا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ کیا نہیں تھا...... ناگواریت، نفرت، غصہ، لاتعلقی، بہر حال جو کچھ بھی تھا وہ اس سب کا حق رکھتی تھی۔ اس کی جگہ اگر کوئی بھی لڑکی ہوتی تو اس کا رویہ بھی یہی ہوتا۔ اس کی اتنی لاتعلقی پہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بات کہاں سے شروع کرے۔ لیکن جو بھی تھا اسے بات تو ہر حال میں کرنی تھی۔

''زینی! مجھے اس بات کا احساس ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ میں نے جو بھی کیا ہے، بہت غلط کیا ہے۔''

اس نے بہت سوچ سوچ کے اپنی بات کہنی شروع کی۔ اس کے الفاظ تھے یا نشتر، سیدھا اس کے دل پہ جا کے لگے۔ اس نے زخمی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''زینی پلیز! مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں تم سے۔''

اس کے اس طرح دیکھنے پہ وہ تڑپ کے بولا۔

''میں بہت بُرا ہوں، لیکن اتنا بھی نہیں جتنا تم مجھے سمجھتی ہو۔ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ سب غصے میں کیا۔ اگر تم مجھے اس وقت غصہ نہ دلاتیں تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔ تم تو جانتی ہو میرے غصے کو۔ مجھے غصے میں کچھ سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔''

اس کے اعتراف جرم پہ اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ ہم لڑکیاں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں نا، ذرا سی ہمدردی پہ ہی موم ہو جاتی ہیں۔

''زینی پلیز! رو مت، میرا مقصد تمہیں رُلانا یا تکلیف پہنچانا نہیں ہے۔ میں تو صرف اپنی غلطی کی معافی مانگنا چاہتا ہوں تم سے۔''

اس کے آنسو دیکھ کے وہ تو جیسے تڑپ ہی اٹھا۔ اس نے آگے بڑھ کر فوراً ہی اس کے قیمتی آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں پہ چُن

لیے۔ زندگی بھی انسان کو کبھی کبھی کیسے موڑ پہ لے آتی ہے۔ وہ اذلان سکندر جسے کبھی کسی لڑکی کے رونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، آج زینی کے آنسوؤں پہ کیسے تڑپ رہا تھا۔ وہ اذلان سکندر جو ڈھیروں لڑکیوں کے دل توڑ کر بھی کبھی شرمندہ نہیں ہوا، آج اس کے سامنے معافی کا طلبگار تھا۔ وہ کام جو انسان کبھی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا، محبت وہ سب کام کرواتی ہے انسان سے۔ محبت ایک واحد ایسا جذبہ ہے جس کے آگے ہر انسان بے بس ہے۔

''زینی پلیز! مجھے معاف کردو۔ میں نے جانے انجانے میں بہت دکھ پہنچایا ہے تمہیں۔ میرے غصے کی عادت نے مجھ سے میری واحد دوست بھی چھین لی اور مجھے اس بات کا سب سے زیادہ افسوس ہے۔''

اس کے لہجے کی سچائی نے زینی کو اسے معاف کردینے پہ مجبور کردیا۔

''زینی! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم دونوں سب کچھ بھول کر پھر سے دوست بن جائیں۔ اس لیے کہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت تو ہو نہیں سکتی، نہ تم میرے ٹائپ کی ہو اور نہ میں تمہارے، تو کیوں نہ اس رشتے کو سائیڈ پہ کرکے ہم پھر سے اچھے اور پکے والے دوست بن جائیں جیسے ہم پہلے تھے۔''

وہ کتنی خوبصورتی سے جھوٹ بول رہا تھا لیکن اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اگر وہ ابھی اس سے محبت کا اظہار کرتا تو وہ کبھی بھی اس کی محبت کی گہرائی اور جذبوں کی سچائی کو سمجھ نہ پاتی۔ اس لیے اس نے اپنی یکطرفہ محبت کے اظہار کو کسی مناسب وقت کے لیے چھوڑ دیا۔

پہلے وہ زینی کے دل میں محبت کی لَو جلانا چاہتا تھا اور اب یہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا مشن تھا۔

''زینی! کیا تم نے مجھے معاف کردیا؟''

اذلان نے اس کی مسلسل خاموشی پہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے اتنی خوبصورتی سے اس کی ساری غلط فہمیوں کو دور کیا تھا کہ وہ ایک پل میں سب کچھ بھول گئی۔

''تو پھر فرینڈز!''

اس نے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے اس نے فوراً ہی تھام لیا۔

''فرینڈز!''

اس کے مسکراتے چہرے نے اس کے اندر اطمینان ہی اطمینان بھر دیا تھا۔ وہ ایسی ہی تھی، فوراً سے مان جانے والی۔

''لیکن میری ایک شرط ہے!''

''کیا؟''

اس کی حیرت دیدنی تھی۔

''یہی کہ تم مجھے پتنگ اُرانا اور بائیک چلانا سکھاؤ گی۔اب اچھا تھوڑی لگے گا کہ زینی کا دوست ہو اور اسے پتنگ اُڑانا اور بائیک چلانا بھی نہ آتی ہو۔''

اس نے اتنے معصوم انداز میں کہا کہ اسے ہنسی آ گئی۔

''منظور ہے۔''

اس نے ہنستے ہوئے ہامی بھری۔

''پھر میری بھی ایک شرط ہے!''

اب اس کی باری تھی۔

''کیا؟''

وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے الجھ کے پوچھنے لگا۔

''یہی کہ آپ مجھے باؤلنگ کرنا سکھائیں گے۔اب اچھا تھوڑی لگے گا کہ اذلان سکندر کی دوست ہو اور باؤلنگ کرنا بھی نہ آتی ہو۔''

اس کا انداز بالکل اذلان جیسا تھا، جس پہ ان دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔وہ دونوں ایک ساتھ ہنستے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے تھے اس کا اندازہ ان دونوں کو بھی نہیں تھا۔اس نے اپنی محبت کے خالص اور سچے ہونے کو پہلے ہی قدم پہ ثابت کر دیا تھا۔

وہ اگر چاہتا تو زور زبردستی سے اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا تھا۔کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عورت موم کی طرح ہوتی ہے۔ اسے کوئی بھی کسی بھی سانچے میں ڈھال سکتا ہے۔لیکن اس نے ایسا نہیں کیا......

''کیوں؟''

کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتی اور جہاں محبت نہ ہو تو وہاں قربانی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔قربانی تو صرف محبت اور عقیدت میں ہوتی ہے۔

ارے یہ کمبخت محبت ہی تو ہے جو انسان سے ہر قسم کی قربانی لینے کا فن جانتی ہے اور جہاں یہ نہ ہو تو وہاں صرف مجبوری ہوتی ہے۔

اور وہ اتنا بے حس اور کم ظرف نہیں تھا کہ اس کی مجبوری کو آڑ بنا کے اس سے قربانی مانگتا، اور وہ ایسا کیوں کرتا؟

محبت اس نے تھوڑی ہی کی تھی۔محبت تو اس نے کی تھی بے سبب، بے اختیار، جب محبت اس نے کی تھی تو بدلنا بھی اس کو خود کو تھا۔

محبت میں ایسا تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ محبت خود کرو اور بدل کے دوسروں کو رکھ دو۔

''نہیں۔''

جب محبت خود کرو تو بدلو بھی خود کو اور جو ایسا نہیں کرتے وہ محبت ہی نہیں کرتے۔

وہ اپنی اَنا کے زعم میں بادشاہی کرتے ہیں اور محبت بادشاہی نہیں فقیری مانگتی ہے صاحب، فقیری بھی وہ جو تپتی دھوپ میں ننگے پیر ہوش و حواس سے بیگانہ کر کے اپنے محبوب کے در پہ عشق و جنوں کی دھمال ڈالنے پہ مجبور کر دے۔

وہ اس امید پہ خود کو بدل رہا تھا کہ جب اسے محبت ہوگی تو وہ بھی خود کو بدل لے گی۔ وہ بھی قربانی دے کر اپنی محبت کے خالص اور سچے ہونے کا ثبوت دے دے گی اور یہی اس محبت کی سب سے بڑی خوبصورتی ہے۔

مجھے اپنے رنگ میں رنگ لے یا میرے رنگ کا ہو جا

کچھ ایسا کر کہ ہم دونوں یکجا ہو جائیں۔

''زینی! تمہارے اور بھائی کے بیچ کیا بات ہوئی؟'' رات میں جب وہ سونے کے لیے بیڈ پہ لیٹی تو دعا نے پاس لیٹتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہمارے بیچ کوئی بات ہوئی؟''

اس نے حیران ہوتے ہوئے سوال داغا۔

''ایک تو تمہارے موڈ سے اور دوسرا جب بھائی نے مجھ سے کہا تھ کہ تمہیں امی بلا رہی ہیں تو امی نے مجھے نہیں بلایا تھا۔ بھائی نے مجھے وہاں سے اٹھانے کے لیے بہانہ کیا تھا اس لیے میں سمجھ گئی کہ یقیناً انہیں تم سے کوئی بات کرنی ہوگی جو وہ میری موجودگی میں نہیں کر سکتے ہوں گے۔ اس لیے شرافت سے مجھے بتا دو کہ تمہارے اور بھائی کے درمیان کیا بات ہوئی۔''

دعا نے مسکراہٹ دباتے ہوئے انگلی اٹھا کے دھمکی دی۔

''انہوں نے مجھ سے معافی مانگی۔''

وہ بہت سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

''کیا؟ بھائی نے تم سے معافی مانگی؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

دعا ایک جھٹکے سے اٹھی اور بے یقینی سے اٹھ کے بیٹھ گئی۔

''ہاں! یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا تھا لیکن ایسا ہی ہوا ہے۔''

اسنے بیڈ سے ٹیک لگا کے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا ہوا، کیا تم نے معاف کر دیا؟''

دعا نے تجسس سے پوچھا۔

''ہاں! کر دیا۔ تم تو جانتی ہو دعا میں زیادہ دیر تک کسی سے خفا نہیں رہ سکتی اور ویسے بھی وہ پہلے ہی بہت شرمندہ اور نادم تھے اس لیے میں نے انہیں مزید شرمندہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور شاید میں نے ایسا اس لیے بھی نہیں کیا کہ غلطی میری بھی تھی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ غصے کے کتنے تیز ہیں۔ اس وقت اگر میں نے انہیں غصہ نہ دلایا ہوتا تو شاید میرے ساتھ ایسا نہ ہوتا۔''

وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

''اچھا چلو چھوڑو، جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔''

دعا نے اسے نادم دیکھ کر تسلی دی۔

''اور ویسے بھی تمہاری کہیں نہ کہیں تو شادی ہونی ہی تھی، اچھا ہے بھائی سے ہو گئی۔ اب تم اس گھر سے کہیں نہیں جاؤ گی۔ ہمیشہ اسی گھر میں رہو گی اور اسی بہانے تمہاری اس گھر کو نہ چھوڑنے والی خواہش بھی پوری ہو گئی، ہے ناں؟ دعا نے اسے بہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں! یہ تو ہے، اب میں اس گھر سے کہیں نہیں جاؤں گی ہمیشہ یہیں رہوں گی تم سب کے ساتھ۔'' وہ ایک دم خوش ہو گئی۔ اسے اپنے مستقبل یا حال کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اسے تو شاید شادی کے صحیح معنی بھی نہیں معلوم تھے۔ وہ تو صرف اس بات پہ خوش تھی کہ وہ اب ہمیشہ اس گھر میں رہے گی اور اس کی خوشی کے لیے یہ وجہ بہت تھی۔ کیونکہ وہ ایسی ہی تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ خوش ہونے والی۔

رات کے تقریباً بارہ بج رہے تھے جب اسے لگا کہ کوئی اس پہ جھکا ہوا اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پہلے تو اسے اپنا خواب لگا لیکن پھر جب اٹھانے والے کی سپیڈ میں تیزی آئی تو اسے سمجھ آیا کہ یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ وہ آنکھیں مسلتا ہوا دیکھنے کی کوشش کرنے لگا کہ کون ہے جس کی اتنی ہمت کہ وہ رات کے اس پہر اس کے کمرے میں آ کے اسے اٹھانے کی جرأت کر رہا ہے۔ آنکھیں کھولنے کے بعد کچھ دیر تک تو اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ سامنے والے کو پہچان ہی نہیں پایا لیکن پھر جیسے ہی اس کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو وہ اپنے سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

''زینی! تم یہاں؟ اس وقت؟ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کے بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ وہ اسے اس طرح اچانک اپنے کمرے میں دیکھ کے بوکھلا گیا تھا۔

''جی۔''

اس نے صرف ''جی'' کہنے پر ہی اکتفا کیا۔ کیونکہ وہ اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کے شرمندہ ہو گئی تھی۔

''کوئی کام تھا کیا؟'' اسے ابھی بھی اس کی اتنی غیر متوقع آمد کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''جی! کام تھا، لیکن میرا نہیں آپ کا۔''

اس نے اطمینان سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''میرا کام؟''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''جی! آپ نے کہا تھا نا کہ میں آپ کو بائیک چلانا سکھا دوں، تو میں اسی کام سے آئی تھی۔''

''اس وقت؟''

اس نے حیرت سے گھڑی کی طرف دیکھا۔

''جی، میں اپنے تمام خفیہ کام اسی وقت ہی انجام دیتی ہوں۔''

''لیکن زینی!''

اس نے احتجاج کرنا چاہا، لیکن اس نے اس کی ایک نہ سنی۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں، اٹھیں اور چلیں میرے ساتھ۔''

وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے، تم جاؤ میں آتا ہوں۔''

اذلان نے اس کے آگے ہار مانتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ تیار ہو کر نیچے آیا تو وہ بائیک کے پاس کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''آپ ایسا کریں کہ آپ پیچھے بیٹھیں اور مجھے دیکھیں کہ میں بائیک کیسے چلاتی ہوں، پھر میں آپ کو سکھاؤں گی۔''

اس نے پیشہ ورانہ انداز میں اسے ہدایات جاری کیں۔

''اچھا ٹھیک ہے۔''

وہ فرمانبرداری سے کہتا ہوا پیچھے بیٹھ گیا۔

آج اتنے دنوں بعد وہ بائیک چلاتے ہوئے بہت خوش تھی۔ ٹھنڈی ہواؤں نے اس کے موڈ کو مزید خوشگوار کر دیا تھا۔ وہ بائیک اسٹارٹ کرنے سے لے کر بائیک چلانے تک کے سارے گُر اسے سمجھا رہی تھی۔ لیکن وہ تو دنیا و مافیہا سے بے خبر کسی اور ہی جہان میں پہنچا ہوا تھا۔

ہوا کے دوش پہ اُڑتے اس کے خوبصورت بال بار بار اُڑ کر اس کے چہرے پہ آ رہے تھے اور وہ ان کی مہک میں اتنا مدہوش تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بار بار اپنے چہرے پہ آتے اس کے حسین بالوں کو اپنے ہاتھوں سے پیچھے کر رہا تھا اور اسے یہ عمل اتنا لطف دے رہا تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وقت تھم جائے اور وہ یونہی کرتا رہے۔ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا وہ جب بھی اس کے ساتھ

ہوتا تو اس کا دل چاہتا کہ وقت تھم جائے۔ اور وہ یونہی ان لمحوں میں کھویا رہے۔ لیکن چونکہ وقت کا کام ہے گزرنا، اس لیے اسے اسے گزرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ وقت گزر گیا اور اسے اس وقت پتہ چلا جب اس نے ایک جھٹکے سے بائیک روک چابی اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ لیں چابی، اب آپ کی باری ہے۔''

بائیک کی چابی دیکھ کر اس کے کھوئے ہوئے ہوش ایک دم ٹھکانے آئے۔

''میں کیسے، مجھے تو چلانی نہیں آتی۔''

وہ حواس باختہ ہوتے ہوئے بولا۔

''آپ بیٹھیں تو سہی، اتنا مشکل نہیں ہے۔ میں خود سکھاتی ہوں آپ کو۔''

زینی نے اسے تسلی دی۔

پھر اس کی دو چار دن کی انتھک محنت کے بعد بالآخر اسے بائیک چلانا آ ہی گئی۔

اسے بائیک چلاتا دیکھ کے اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ وہ اس بات پہ بہت خوش تھی کہ اس نے اسے بائیک چلنا سکھا دی تھی اور اس کی ایک شرط پوری کر دی تھی۔

آج کل گھر میں دعا اور حاذق کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔ شکیلہ پھوپھو نے دو دن پہلے فون کر کے حاذق کے لیے دعا کا رشتہ مانگا تھا۔ دادی ماں اس رشتے پہ بہت خوش اور مطمئن تھیں۔ بقول ان کے گھر بھی دیکھا بھالا تھا اور لڑکا بھی اپنا تھا۔ دادی ماں نے پھوپھو سے دو دن کا وقت مانگا تھا اور دو دن بعد دادی ماں نے انہیں ہاں میں جواب دیا تھا۔ کیونکہ گھر میں سب ہی افراد نے حاذق کے حق میں فیصلہ دیا تھا اور ایسا ہی ہونا تھا کیونکہ حاذق سے بڑھ کر ان سب کے لیے کون تھا۔ شکیلہ پھوپھو کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی ہی منگنی کرنے آ جائیں۔ لیکن کچھ مجبوریوں کی وجہ سے بات اگلے مہینے تک پہنچ گئی۔ زینی اور رومان دونوں نے مل کر دعا کو خوب چھیڑا۔ شرمائی شرمائی سی دعا، زینی کو اتنی پیاری لگی کہ بے اختیار اس نے اسے گلے لگا کر ڈھیر ساری دعائیں دے دیں۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد تانیہ اور رانیہ کا بھی فون آ گیا۔ پہلے تو انہوں نے دعا کو مبارکباد دی اور پھر اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ جس میں زینی نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ ان تینوں کا جب دعا کو چھیڑنے کا شوق پورا ہو گیا تو انہیں منگنی کی تیاریوں کے حوالے سے فکر لاحق ہو گئی۔

کپڑے، جوتے، جیولری، چونکہ لڑکیوں کا پسندیدہ موضوع گفتگو ہوتا ہے اس لیے وہ چاروں بڑے انہماک سے اس پہ تبصرے کرنے لگیں۔ دعا کو تو ویسے ہی بڑا سجنے سنورنے کا شوق تھا اس لیے اس کی فکر دیدنی تھی۔ اسے ابھی سے ہی اس بات کی ٹینشن ہو رہی تھی کہ اسے منگنی پہ سب سے خوبصورت نظر آنا ہے اور اس ٹینشن کو لے کے اس نے رانیہ اور تانیہ کا خوب دماغ چاٹا۔ وہ کچھ دیر تو ان کی گفتگو کا حصہ بنی رہی لیکن پھر جب وہ اُکتا گئی تو اٹھ کے نیچے آ گئی۔ بڑی ماں اور چھوٹی ماں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ بھی ان کے پاس آ کے بیٹھ

گئی۔ اذلان کو چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی اور وہ بڑی ماں کو چائے کا کہنے کی بجائے اسے چائے کا کہہ کے باہر لان میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد زینی بھی چائے لے کر باہر لان میں ہی آ گئی۔ وہ دونوں بیٹھ کے باتیں کرنے لگے۔ زینی اب اس سے بہت بے تکلف ہو گئی تھی اور وہ بھی اسے بالکل دوستوں کی طرح ٹریٹ کرتا تھا جس وجہ سے اس کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا۔

چائے پینے کے بعد اذلان نے عادتاً سگریٹ سلگا لیا۔ وہ اس سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ سگریٹ بھی پی رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تو خود پہ قابو رکھ کے بیٹھی رہی، لیکن جب اس سے مزید صبر نہ ہوا تو اس نے اس سے پینے کے لیے سگریٹ مانگ لیا۔ اذلان نے اسے بہت بہلانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانی۔ پھر مجبوراً اسے زینی کو سگریٹ دینا پڑا۔ کیونکہ وہ اس کی کوئی بھی بات رَد نہیں کر سکتا تھا۔ اذلان سکندر، زینیا سالار کے سامنے بے بس تھا۔ اور وہ یہ بہت پہلے ہی جان چکا تھا اس لیے اس نے اپنا دل اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔

زینیا سالار دنیا کی وہ واحد ہستی تھی جس کے لیے اذلان سکندر کے دل میں ضد، اَنا، غصہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے لیے اس کے دل میں پیار ہی پیار تھا۔ وہ اس کے لیے سرتاپا محبت ہی محبت تھا۔ اس نے سگریٹ اس کے ہاتھ سے لے کر پینا شروع کر دیا۔ ایک دو کش لینے کے بعد جب اسے سگریٹ کا ذائقہ بہت عجیب سا لگا تو اس نے سگریٹ واپس کر دیا۔ اس نے تو صرف اپنا شوق پورا کرنا تھا جو اس نے کر لیا تھا۔ اسے سگریٹ پکڑانے کے بعد وہ زیادہ دیر پھر وہاں نہ رکی اور اٹھ کے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سگریٹ کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے وہ سگریٹ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا جو کچھ دیر پہلے اس کے ہونٹوں میں تھا۔

سگریٹ ہونٹوں سے لگاتے ہی اس کے دل میں عجیب سے احساسات جاگ اٹھے۔ اپنی دلی حالت سے گھبرا کر اس نے فوراً ہی سگریٹ مسل دیا اور سگریٹ کے اس ٹکڑے کو پھینکنے کی بجائے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اذلان سکندر اس سگریٹ کے ٹکڑے کو کیسے زمین کی نذر کر سکتا تھا جس پہ زینی کے ہونٹوں کا لمس ہو وہ اس کے لیے اس کی جان سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔

✿............✿............✿

اذلان آفس سے گھر واپس آیا تو اس کی نظر لان میں بے چینی سے ٹہلتی ہوئی زینی پہ پڑی۔ وہ اندر جانے کے بجائے سیدھا اس کے پاس آ گیا۔

"ہائے! کیسی ہو؟" اس نے لان میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

زینی نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ ابھی بھی بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

"کیا بات ہے زینی! پریشان لگ رہی ہو؟"

ازلان نے اس کی پریشان صورت دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''نہیں، کچھ نہیں، بس ایسے ہی۔''

زینی نے اسے ٹالنا چاہا۔

''ایسے کیسے کچھ نہیں۔تمہاری شکل بتا رہی ہے کہ تم پریشان ہو۔بتاؤ مجھے کیا پریشانی ہے؟''

ازلان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اصرار کیا۔

''وہ دراصل میری کترینہ نہیں مل رہی۔''

اسنے فرطِ جذبات سے بوجھل ہوتے لہجے میں اپنی پریشانی کی وجہ بتائی۔

''کیا؟ کون کترینہ؟''

اس نے الجھتے ہوئے پوچھا۔اسے لگا کہ شاید اسے سننے میں غلطی ہوئی تھی۔

''میری بلی۔''

''میں نے پیار سے اس کا نام کترینہ رکھا تھا۔''

اس نے تفصیل بتائی۔

''زینی!تم ایک بلی کے لیے اتنا پریشان ہو رہی ہو؟''

ادھر ہی ہوگی، آجائے گی۔تم ٹینشن نہ لو۔''

اس نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے تسلی دی۔

''ایسے کیسے ٹینشن نہ لوں۔کل سے نہیں مل رہی۔کل جب میں اس کے لیے چھت پہ دودھ لے کر گئی تو وہ نہیں تھی۔میں دودھ رکھ کے آگئی کہ جب وہ آئے گی تو خود ہی پی لے گی،لیکن وہ نہیں آئی۔''

اس کی پریشانی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ نہیں آئی، کیا پتہ وہ آئی ہو۔''

وہ اس کی پریشانی کو مدنظر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''ایسے کہ جب آج میں چھت پہ گئی تو اس کا دودھ ویسے ہی پڑا تھا۔جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کل سے غائب ہے۔''

اس نے ٹھوس دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔

''غائب سے کیا مراد،تمہیں کسی پہ شک ہے؟''

اس نے اَبرو چڑھا کر پوچھا۔اس کا انداز بالکل تفتیشی افسروں جیسا تھا۔

''مجھے شک نہیں بلکہ یقین ہے اس پہ۔'' وہ جارحانہ انداز میں بولی۔

''کس پہ؟''

وہ متجسس ہوا۔

''ساتھ والوں کے بلّے پہ۔''

اس نے اس کے تھوڑا قریب جھکتے ہوئے گویا انکشاف کیا۔

''بلّے پہ؟''

اذلان نے لفظ ''بلّے'' پہ زور دیا۔معاملہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ گمبھیر تھا۔

''جی!یقیناً۔''

''اسی نے میری کترینہ کو ورغلایا ہوگا جو وہ گھر چھوڑ کر بھاگ گئی، ورنہ وہ ایسی نہیں تھی۔''

اس کے لہجے میں اپنی کترینہ کے لیے یقین ہی یقین تھا۔اس کا جی زینی کے یقین پہ صدقے واری جانے کو چاہا،لیکن وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے خود پہ قابو رکھ کے بیٹھا رہا۔

''تمہیں اتنا یقین کیسے ہے کہ تمہاری کترینہ کو ساتھ والوں کے بلّے نے ہی ورغلایا ہے۔وہ کہیں اور بھی تو جا سکتی ہے۔''

اس نے کترینہ کی گمشدگی کے معاملے میں دلچسپی لیتے ہوئے نقطہ اٹھایا۔

''مجھے ایسے یقین ہے کہ میں نے اسے کتنی بار اپنی کترینہ پہ لائن مارتے ہوئے دیکھا تھا۔اور تو اور، ایک دو دفعہ تو وہ اس سے ملنے ہماری چھت پہ بھی آ گیا تھا، پھر میں نے بھگایا تھا اسے۔''

اس کی اتنی باریک بینی پہ اذلان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔اب وہ اس سے مزید کیا بحث کرتا۔اس کے پاس تو باز پرس کرنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

''اب تم کیا چاہتی ہو؟''

اس نے مسکراتے لبوں کے ساتھ ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''میں!بس اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتی ہوں۔''

اس کے عزائم خطرناک تھے۔

''کیسے؟''

ازلان تجسس سے اس سے پوچھنے لگا۔

''اُسے کترینہ گمشدگی کیس۔'' میں اس کے اگلے قدم کا انتظار تھا۔

''آپ چلیں میرے ساتھ۔''

وہ اٹھ کے کھڑی ہوگئی اور اس نے اسے بھی اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ وہ بھی چپ چاپ اس کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں ساتھ والوں کے دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ زینی نے بیل بجائی تو اندر سے ایک خاتون باہر آئیں۔

''جی بولیں!''

خاتون نے ان دونوں کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہمیں آپ کے گھر کی تلاشی لینی ہے۔''

زینی نے منہ پھاڑ کر کہا۔

''جی؟''

خاتون نے ''جی'' کو کافی لمبا کھینچا۔ خاتون نے منہ کے زاویہ بتا رہے تھے کہ انہیں زینی کی بات کچھ ہضم نہیں ہوئی۔

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ ہم آپ کے ساتھ والے گھر سے آئے ہیں۔ کل سے ہماری بلی غائب ہے اور ہمیں شک ہے کہ وہ آپ کی چھت پہ ہے، اگر آپ اجازت دیں تو کیا ہم اپنی بلی کو جا کے دیکھ لیں۔''

ازلان نے جلدی جلدی بات کو سنبھالا۔ اس نے تو بات بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن ازلان کے شائستہ انداز نے خاتون کے بگڑے ہوئے تیور کافی حد تک درست کر دیئے۔

''جی تشریف لائیں۔''

خاتون نے دروازے میں سے ہٹتے ہوئے اندر آنے کی دعوت دی۔ اندر آتے ہی انہوں نے چھت کو جانے والے راستے کی راہ لی۔ زینی جلدی میں ایک ساتھ دو دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے فٹافٹ چھت پہ پہنچی۔ چھت پہ جا کے تھوڑا ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد انہیں کترینہ مل گئی جو واقعی اسی بلّے کے ساتھ تھی۔ زینی نے قہر برساتی نظروں سے بلّے کو دیکھتے ہوئے جلدی سے کترینہ کو گود میں لے لیا۔ زینی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس بلّے کا خون کر دے۔ لیکن خاتون کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے خود پہ ضبط کے پہرے بٹھاتے ہوئے صرف گھورنے پہ ہی اکتفا کیا۔ زینی کی جذباتی حالت کے پیشِ نظر ازلان نے جلدی جلدی خاتون کا شکریہ ادا کیا اور زینی کو لے کے چلتا بنا۔

''میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں اس بلّے کا خون کر دیتی۔''

اس نے دروازے سے نکلتے ہی غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''مجھے اندازہ ہورہا تھا تمہاری حالت سے۔''

ازلان نے مسکراتے ہوئے بلی کے اوپر ہاتھ پھیرا۔وہ واقعی بہت خوبصورت 'بلی' تھی۔

''اب تم ایسا کرو کہ اس کی تھوڑی خدمت کرو، میں فریش ہو کے آتا ہوں۔''

وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے ڈھیلے انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے!''

وہ مسکراتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

شومئی قسمت کہ ''کترینہ گمشدگی واقعے'' کی خبر چھوٹی ماں کے کانوں تک پہنچ گئی۔انہیں زینی کے اس کارنامے پہ شدید غصہ آیا۔

وہ غصے سے بے حال لاؤنج میں آئیں، جہاں دعا اور زینی ایل۔ای۔ڈی پہ کوئی پروگرام دیکھنے میں مگن تھیں۔

''زینی! تم اپنی حرکتوں سے کب باز آؤ گی۔میں نے تمہیں کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ یہ الٹی سیدھی حرکتیں نہ کیا کرو۔''

چھوٹی ماں نے آتے ہی اسے بے نقط سنانا شروع کر دیں۔

''کیا ہوا امی، اب میں نے کیا کا ہے......؟''

اس نے چھوٹی ماں کو فارم میں دیکھ کے معصومیت سے پوچھا

''مجھ سے پوچھ رہی ہو۔تمہیں نہیں پتہ کہ تم نے کیا کیا ہے۔''

''نہیں!''

اس نے انجان بنتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔اس کی اتنی ڈھٹائی پہ چھوٹی ماں کا پارہ مزید ہائی ہو گیا۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی ایک بلی کے لیے اتنا تماشا کرنے کی۔

بلی ہی تھی افریقہ کے جنگلوں سے آئی ہوئی کوئی ان دیکھی مخلوق نہیں جس کے لیے اتنا واویلا کیا تم نے۔اور تو اور وہ ازلان بے چارا تھکا ہارا واپس آیا تھا آفس سے تم نے اسے بھی لگا دیا اپنے ساتھ بلی ڈھونڈنے میں۔''

چھوٹی ماں کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔انہیں زیادہ غصہ اس بات کا تھا کہ اس نے ازلان کو کیوں اپنے ساتھ اس اُوٹ پٹانگ مشغلے میں شامل کیا۔

''امی! آپ کو پتہ ہے کہ وہ ''بلی'' مجھے کتنی عزیز ہے۔''

اس نے بُرا مانتے ہوئے کہا۔اس نے جان بوجھ کر کترینہ کہنے سے گریز کیا۔اسے چھوٹی ماں کی کترینہ کی شان میں کی گئی گستاخی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

''اور رہی بات ان کی تو انہیں میں نے نہیں کہا تھا اپنے ساتھ چلنے کو، وہ خود آئے تھے۔''

اس نے جھوٹ بولنے میں ہی عافیت جانی، کیونکہ اس وقت چھوٹی ماں کا جو موڈ تھا انہیں سچ بتانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

''زینی! میں عاجز آ گئی ہوں تمہاری ان حرکتوں سے۔ باز آ جاؤ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔''

چھوٹی ماں اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولیں۔

انہوں نے آج سے پہلے اس سے کبھی اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔

''کیا بات ہے؟ کیوں ڈانٹ رہی ہو میری بیٹی کو!''

بڑی ماں نے چھوٹی ماں کو جھڑکتے ہوئے پوچھا۔ وہ چھوٹی ماں کی آواز سن کے کمرے سے باہر آئی تھیں۔

''دعا! زینی کو لے کے کمرہ میں جاؤ۔''

بڑی ماں نے شفقت سے اسے دلاسہ دیتے ہوئے دعا سے کہا۔ وہ دونوں اٹھ کے اوپر چلی گئیں۔

''تم کیوں ڈانٹ رہی تھی زینی کو؟ تمہیں پتہ ہے کہ مجھے اچھا نہیں لگتا جب تم اسے ڈانٹتی ہو۔'' بڑی ماں منہ بسورتے ہوئے بولیں۔

''میں کیا کروں، اس کی حرکتیں ہی ایسی ہیں۔ پتہ نہیں کب عقل آئے گی اسے۔ میں تو تنگ آ گئی ہوں اس کی اُوٹ پٹانگ حرکتوں سے۔''

چھوٹی ماں نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

''کیوں اب کیا کیا ہے اس نے؟ بڑی ماں کے پوچھنے پہ چھوٹی ماں نے سارا معاملہ ان کے گوش گزار کر دیا جسے سن کے وہ بے ساختہ ہنسنے لگیں۔

''اب آپ کیوں ہنس رہی ہیں؟''

چھوٹی ماں جھنجھلاتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''اس لیے کہ وہ جو کر رہی ہے، ٹھیک کر رہی ہے۔ تم نے خوامخواہ ڈانٹ دیا میری بیٹی کو۔''

بڑی ماں کے لہجے میں اس کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟''

چھوٹی ماں نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے محسوس نہیں کیا کہ جب سے زینی اس کی زندگی میں آئی ہے وہ کتنا بدل گیا ہے۔ زینی کا ساتھ اس کے اندر کتنا مثبت بدلاؤ لایا ہے۔ وہ ہنستے کھیلنے لگا ہے۔ اپنی زندگی جینے لگا ہے۔ اب وہ کتنا خوش رہنے لگا ہے اور یہ سب کچھ صرف اور صرف زینی کی وجہ سے

ہوا ہے۔ جو کوئی نہ کر پایا وہ زینی نے کر دکھایا اور میں اس پہ بہت خوش ہوں اس لیے تم بھی اسے کچھ نہ کہا کرو۔"

بڑی ماں کے چہرے پہ اک عجیب سے چمک اور خوشی تھی جسے دیکھ کے چھوٹی ماں بھی مطمئن ہو گئیں۔

آج کل گھر میں بہت رونق تھی، کیونکہ شکیلہ پھوپھو اپنی پوری فیملی کے ساتھ ان کے ہاں براجمان تھیں۔ وہ دعا کی منگنی کے سلسلے میں آئی تھیں جو کل ہونا طے پائی تھی۔ تمام دوستوں اور رشتہ داروں کو کارڈ بٹ چکے تھے اور منگنی کے حوالے سے تقریباً تمام تیاریاں بھی مکمل تھیں۔ گھر میں ہر طرف خوشی کا سماں تھا اور ہر کوئی اپنے اپنے انداز سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اس وقت بھی تمام لڑکیاں ٹولی کی شکل میں لاؤنج میں بیٹھی ایک دوسرے کو مہندی لگا رہی تھیں۔ دعا کو مہندی لگ چکی تھی اور اس وقت تانیہ زرتاشا کو مہندی لگا رہی تھی۔

"زینی! بھابھی کے بعد میں تمہیں مہندی لگاؤں گی۔"

تانیہ نے مہندی لگاتے ہوئے زینی سے کہا جو دعا کے ساتھ کھُسر پھُسر کرنے میں مصروف تھی۔

"سوری! مجھے نہیں لگوانی، مجھے مہندی بالکل نہیں پسند۔"

وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولی۔

"زینی! تم کیسی لڑکی ہو کہ تمہیں مہندی نہیں پسند؟"

تانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"بس میں ایسی ہی ہوں۔"

اس نے کندھے اُچکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"ارے واہ! یہاں تو مہندی لگ رہی ہے۔"

حارث نے اندر آتے ہوئے چہک کر کہا۔ وہ اور اذلان گھر سے باہر کسی کام سے گئے تھے اور ابھی ہی واپس آئے تھے۔

"تانیہ! اپنی بھابھی کو اچھی سی مہندی لگانا۔"

حارث نے محبت پاش نظروں سے زرتاشا کو دیکھتے ہوئے اسے ہدایت دی۔

"آپ فکر نہ کریں بھائی! میں اچھی ہی لگاؤں گی۔"

تانیہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا جو زرتاشا سے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہہ رہا تھا۔

اذلان جو حارث اور زرتاشا کو ہی دیکھ رہا تھا اسے حارث کا یوں زرتاشا پہ محبت نچھاور کرنا اور اس کا آگے سے شرمانا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی نظریں خود بخود بھٹک کر زینی پہ جا ٹھہریں۔ اس کے دل میں بھی کسی کی محبت کا احساس اچانک سے انگڑائی لے کر بیدار

ہوا۔ اس کا دل بھی کسی کی چاہت کے لیے شدت سے مچلنے لگا۔ وہ جو محبتیں ٹھکرانے کا عادی تھا، آج دل میں حسرت لیے کھڑا کسی سے چاہے جانے کا طلبگار تھا۔

کسی کی اک نظرِ کرم کا منتظر تھا۔ پھر وہ خود ہی اپنے بے سود خواہشوں اور حسرتوں پہ بے دلی سے مسکرا دیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ابھی اس کے نصیب میں انتظار کی طویل گھڑیاں لکھی ہوئی تھیں اس لیے کہ محبت کی آگ تو اس کے سینے میں دہک رہی تھی جو آہستہ آہستہ اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ وہاں تو ابھی چنگاری بھی نہیں تھی۔ ابھی تو اس کا صبر آزما امتحان شروع ہوا تھا۔ ابھی تو اسے اس دیوانی مستانی کو جو لفظ محبت سے بھی ناآشنا تھی، آشنا کرانا تھا۔ ابھی تو اسے اس کے دل کی بنجر زمین پہ محبت کا بیج بونا تھا اور اس کے لیے کتنا وقت، صبر اور حوصلہ درکار تھا، یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

''اذلان! تم کہاں کھوئے ہوئے ہو؟''

حارث نے اس کے آگے چٹکی بجا کے اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کہیں نہیں یار! میں نے کہاں کھونا ہے۔''

وہ بے دلی سے کہتے ہوئے مسکرا دیا۔

''ویسے اگر تم چاہو تو کھونے کے لیے بہت کچھ ہے یہاں۔''

حارث نے شرارت سے آنکھ مارتے ہوئے اسے زینی کے حوالے سے چھیڑا۔

اذلان نے جواباً ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کی طرف اُچھال دی۔ بعض اوقات دکھاوے کے لیے مسکرانا بھی کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔ یہ اذلان سے بہتر اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ تم بہت تھک گئے ہو!''

حارث نے اس کے اُترے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی شکستہ حالی کے اثرات اس کے چہرے پہ بھی تھے۔

''ہاں! مجھے بھی لگتا ہے۔''

اذلان نے معنی خیزی سے کہا۔ وہ واقعی اپنی منہ زور خواہشوں کے آگے بند باندھتے باندھتے تھک گیا تھا۔ وہ جتنا اس کی ذات سے بے خبر تھی اس کی تشنگی اتنی ہی بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ کچھ دیر آرام کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔''

اذلان، حارث سے کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''زینی! بیٹھ بیٹھ کے میری کمر اکڑ گئی ہے، مجھے پلیز کمرے میں لے چلو۔''

دعا ملتجی لہجے میں بولی۔زینی اسے بہت احتیاط سے لے کر کمرے میں چلی گئی۔کیونکہ اس کے ہاتھوں اور پیروں پہ مہندی لگی ہوئی تھی۔

''دعا!تم ایسا کرو کہ لیٹ جاؤ۔کل پورے فنکشن میں تمہیں بیٹھنا ہے۔اگر ابھی سے تھک جاؤ گی تو کل کیا کرو گی۔''

زینی اسے بیڈ پہ لٹا کے لائٹ آف کر کے باہر آ گئی۔جیسے ہی وہ باہر آئی تو اس کا سامنا اذلان سے ہوا جو ان کے کمرے کی طرف ہی آ رہا تھا۔

''زینی!دعا سے کہو کہ میرے لیے ایک کپ اچھی سی چائے بنا دے۔میرے سر میں بہت درد ہے۔''

اذلان نے اک سرسری سی نظر اس پہ ڈالتے ہوئے کہا۔وہ ارادتاً اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

''دعا کے تو ہاتھوں میں مہندی لگی ہے۔آپ ایسا کریں کہ اپنے کمرے میں جائیں،میں آپ کے لیے اچھی سی چائے بنا کے لاتی ہوں۔''

وہ یہ کہہ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔جبکہ اذلان اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چائے بنا کر اس کے کمرے میں لے آئی اور بنا دستک دیے ہی دروازہ کھول کے اندر آ گئی کیونکہ وہ دونوں اب ایک دوسرے کے اتنے اچھے دوست بن چکے تھے کہ اسے ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔وہ چائے لے کر کمرے میں آئی تو وہ صوفے کی پشت پہ سر ٹکائے بیٹھا اپنے ہاتھوں سے سر دبا رہا تھا اور ٹانگیں اس نے سامنے میز پہ رکھی ہوئی تھیں۔زینی پہ نظر پڑتے ہی وہ تھوڑا سیدھا ہو کے بیٹھ گیا لیکن اس کی ٹانگیں ابھی بھی میز پر ہی تھیں۔

''یہ لیں آپ کی چائے!''

وہ اس کے پاس صوفے پہ بیٹھ کے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔جسے اس نے اک بے جان سی مسکراہٹ کے ساتھ تھام لیا۔

''کیا ہوا،سر میں زیادہ درد ہے؟''

زینی نے فکرمندی سے پوچھا جس پہ اذلان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اگر آپ کہیں تو میں سر دبا دوں۔''

وہ مروّت سے بولی کیونکہ وہ کمرے میں آتے ہوئے اسے سر دباتا دیکھ چکی تھی۔

''ہاں،ضرور!''

اس نے فوراً ہی حامی بھر لی۔اس کا بے چین دل تو کب سے اس کے ساتھ کا طلبگار تھا۔پھر وہ کیسے اس کی پیشکش کو رد کر دیتا۔

جیسے ہی اس نے اپنا ٹھنڈا ہاتھ اس کے ماتھے پہ رکھا تو اس کے اندر سلگتی منہ زور جذبوں کی آگ پہ جیسے ٹھنڈی پھوار پڑ گئی۔ اک عجیب سا سکون و اطمینان اس کی تشنہ روح میں اُتر گیا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی لمبی مسافت کے بعد اس کی ساری تھکن اُتر گئی ہو۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ اس نے پرُسکون ہوتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور سر دوبارہ صوفے کی پشت پہ ٹکا دیا۔ زینی اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے بہت آرام آرام سے اس کا سر دبا رہا تھی۔

''زینی! ایک بات پوچھوں۔''

ازلان نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''ایک نہیں، دو پوچھیں!''

زینی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کے جواب دیا جس پہ اک مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو بھی چھو گئی۔

''تم نے مہندی کیوں نہیں لگائی؟''

اس کے دل کی معصوم سی خواہش آخر سوال بن کے اس کے ہونٹوں پہ آ ہی گئی، حالانکہ وہ یہ بات پہلے سے جانتا تھا کہ اسے مہندی لگانا پسند نہیں۔

''اس لیے کہ مجھے مہندی نہیں پسند۔''

اس کی آنکھوں میں ہلکا سا حیرت کا تاثر اُبھرا جو ایک لمحے میں زائل بھی ہو گیا۔ کیونکہ اسے ازلان سے اس قسم کے سوال کی امید ہرگز نہیں تھی۔

''کیوں نہیں پسند؟ حالانکہ تمہارے ہاتھوں پہ تو مہندی لگی ہوئی بہت اچھی لگتی ہے۔''

''بس مجھے نہیں پسند، کیوں آپ کو پسند ہے کیا؟''

اس نے جواب دیتے ہوئے دوبدو پوچھا۔

''ہاں! مجھے تو مہندی بہت پسند ہے۔''

اس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقرار کیا۔

''اور خاص طور پر تمہارے ہاتھوں پہ لگی ہوئی۔''

ازلان اس کی شفاف آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا۔

اگر اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ازلان کی آنکھوں سے چھلکتے محبت کے جام اور لہجے میں چھائی پیار کی خماری سے اس کے دل میں چھپے محبت کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا راز ضرور پا لیتی۔ لیکن وہ زینیا سالار تھی، صدا کی الہڑ، لاپرواہ اور نا سمجھ۔

''بس!''

اذلان نے اس کا ہاتھ اپنے ماتھے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ اگر کچھ دیر اور اس کے ساتھ بیٹھا تو اپنی انا اور خودداری کا بھرم کھودے گا۔

''سکون مل گیا؟''

اس کا ہاتھ ابھی بھی اذلان کے ہاتھ میں تھا۔

''ہاں بہت!''

اس نے بہت گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''چلیں ٹھیک ہے۔ آپ چائے پئیں، میں جا رہی ہوں۔''

وہ یہ کہہ کے آرام سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے کمرے سے چلی گئی اور وہ اس کے جانے کے بعد اپنے خالی ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ جس میں کچھ دیر پہلے اس کا ہاتھ تھا۔

وہ اذلان کے کمرے سے نکل کے سیدھا تانیہ کے پاس چلی آئی جو تقریباً سونے ہی والی تھی۔

''تم سوئی نہیں ابھی تک؟''

تانیہ نے اسے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

''نہیں۔''

وہ بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ مجھے تم سے مہندی لگوانی تھی۔''

''اس وقت؟''

تانیہ تقریباً چیختے ہوئے بولی۔

''زینی! تم کیا چیز ہو؟ جب میں تمہیں مہندی لگانے کا کہہ رہی تھی اس وقت تم نخرے کر رہی تھیں اور اب آدھی رات کو آ گئی ہو مہندی لگوانے۔ جاؤ اب میں نہیں لگا رہی۔''

تانیہ نے اسے کھری کھری سناتے ہوئے ٹکا سا جواب دیا۔

''ٹھیک ہے نہ لگاؤ، تمہاری مرضی۔''

اس نے لاپرواہی سے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔

لیکن میری بھی ایک بات کان کھول کر سن لو۔ جب تک تم مجھے مہندی نہیں لگاؤ گی میں تمہیں سونے نہیں دوں گی۔ اس لیے اگر سونا چاہتی ہو تو شرافت سے مجھے مہندی لگادو۔''

اس نے اپنے ازلی ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دھمکی دی۔

تانیہ جانتی تھی کہ اس کی دھمکی صرف دھمکی کی حد تک محدود نہیں تھی۔ وہ سچ میں ایسا ہی کرے گی، اس لیے اسے گھورتے اور سو صلواتیں سناتے ہوئے وہ اسے مہندی لگانے بیٹھ گئی۔ فٹافٹ اسے مہندی لگا کے تانیہ نے اسے بڑی تمیز سے پکڑ کر کمرے سے باہر نکالا اور کمرے کا دروازہ پیچھے سے لاک کر دیا۔

تانیہ کی اس حرکت پہ وہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔

کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد بھی جب اسے نیند نہ آئی تو وہ اٹھ کے بیٹھ گئی۔ اسے بہت سخت بھوک لگ رہی تھی اور بہت یاد کرنے پہ بھی اسے یاد نہ آیا کہ اس نے کھانا کب کھایا تھا۔ بھوک سے اس کا بُرا حال تھا اور ایسی حالت میں نیند آنا محال تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس کے ہاتھوں پہ مہندی لگی تھی جو ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی اس لیے وہ اپنے ہاتھوں سے تو کھا نہیں سکتی تھی۔ دعا سو رہی تھی اور تانیہ کے پاس جانے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کافی سوچ بچار کے بعد ایک نام اس کے ذہن میں آیا تو وہ فوراً اٹھ کے کمرے سے باہر آ گئی۔ بڑی احتیاط سے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کے وہ اندر چلی گئی اور اس کے سرہانے کھڑے ہو کے اسے اٹھانے لگی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد وہ اٹھ تو گیا لیکن اس پہ نظر پڑتے ہی اسے جیسے کرنٹ لگا۔

''زینی! تم یہاں؟ کوئی کام تھا کیا؟''

وہ اپنی حیرت پہ قابو پاتے ہوئے اٹھ کے بیٹھ گیا۔

''جی۔''

اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ اسے اس بات پہ شرمندگی محسوس ہو رہی تھی کہ اس نے اسے اتنی گہری نیند سے جگا دیا۔

''زینی! اس وقت نہیں، مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔ ہم پھر کسی دن بائیک چلائیں گے۔''

ازلان نے اس کی اتنی غیر متوقع آمد سے نتیجہ اخذ کر کے انکار کرتے ہوئے کہا۔ اس کے ذہن میں کچھ دن پہلے والا واقعہ گردش کرنے لگا۔

''نہیں، میں اس لیے نہیں آئی۔''

اس نے وضاحت پیش کی۔

''تو پھر؟''

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ دیکھیں، یہ کیا ہے۔''

اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کے اس کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

''تمہارے ہاتھ ہیں، اور کیا؟''

''میرے ہاتھوں پہ کیا ہے؟''

اس نے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

''مجھے کیا پتہ تمہارے ہاتھوں پہ کیا ہے۔''

کمرے میں روشنی کم ہونے کی وجہ سے اسے اس کے ہاتھوں پہ لگی مہندی نظر نہیں آ رہی تھی۔

''اُف!''

اس نے جھنجھلاتے ہوئے کمرے کی لائٹ آن کر دی۔

''یہ دیکھیں مہندی، اتنی دیر سے آپ کو یہ دکھا رہی تھی۔''

وہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے رکھتے ہوئے غصے سے بولی۔

اس کے مہندی لگے ہاتھوں پہ نظر پڑتے ہی اِک دلفریب سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آ کے ٹھہر گئی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہے۔''

اس نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے تعریف کی۔

''میں یہاں تعریف سننے نہیں آئی۔''

زینی نے اس کی خوش فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر کس لیے آئی ہو؟''

وہ اَبرو چڑھا کے سوالیہ نظرں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''میں یہاں اس لیے آئی ہوں کہ مجھے بہت سخت بھوک لگی ہے۔''

اس نے مظلوم سی شکل بنائی۔

''تو اس میں میں کیا کروں؟''

اذلان نے الجھتے ہوئے پوچھا۔ اسے ابھی بھی اس کی آمد کا مقصد سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''آپ یہ کریں کہ آپ اٹھ کے میرے ساتھ نیچے کچن میں جائیں اور اپنے ہاتھوں سے مجھے کھانا کھلائیں۔ کیونکہ یہ مہندی میں نے آپ کی وجہ سے لگائی ہے تو اس لیے اس کا خمیازہ بھی آپ ہی کو بھگتنا پڑے گا۔

وہ طیش میں آ کے بولی۔ اس پہ اس وقت غصہ اور جھنجھلاہٹ طاری تھی۔ کیونکہ اسے بہت سخت بھوک لگی تھی اور اس کا رویہ اس وقت اس کے لیے صبر آزما تھا۔ زینی کی بات سن کے اس کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی اور اس سے پہلے کہ اس کا صبر جواب دے جاتا، وہ اس کے ساتھ اٹھ کے نیچے آ گیا۔

''مجھے لگتا تھا کہ صرف مجھے ہی بہت غصہ آتا ہے، لیکن تم بھی کم نہیں ہو۔''

اس نے سیڑھیاں اُترتے ہوئے اس پہ چوٹ کی، جس پہ وہ جھینپ کے مسکرا دی۔

وہ دونوں کچن میں آ کے فریج میں سر دیئے کھڑے فریج کا جائزہ لینے لگے اور تھوڑے سے غور و فکر کے بعد اس نے زینی کے کہنے پہ فریج میں رکھا ہوا چاکلیٹ کیک نکال لیا۔ پھر کیک کا ایک بڑا سا پیس کاٹ کے وہ پلیٹ میں رکھ کے اسے کھلانے لگا۔ وہ بہت پیار اور آرام سے اسے ایک ایک چمچ کیک کا کھلا رہا تھا۔ جسے وہ کافی لطف اندوز ہو کے کھا رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ جب وہ اپنے ہاتھوں سے کسی کو کچھ کھلا رہا تھا اور بلاشبہ یہ اس کی زندگی کا حسین ترین تجربہ تھا۔ اذلان کا اس کے ساتھ برتاؤ اس وقت بالکل بچوں جیسا تھا اور وہ بھی موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے خود خدمت کروا رہی تھی۔

''زینی! تم نے مہندی میری وجہ سے لگائی ہے۔''

اس نے بے خود ہو کے پوچھا۔ اس کا دل یہ سوال پوچھنے کے لیے کب سے مچل رہا تھا۔

''جی۔''

اس نے کیک کھاتے ہوئے مصروف سے انداز میں صرف ''جی'' کہا۔

''کیوں؟''

وہ اب براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ اس کا خوش فہم دل نجانے کیا سننے کا خواہش مند تھا۔

''کیونکہ آپ کو مہندی پسند ہے، بس یہی سوچ کے میرا دل کیا اور میں نے لگوا لی۔''

اس نے سادگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سچ بولا۔ وہ پاگل لڑکی نہیں جانتی تھی کہ اس کے الفاظ اور لہجے کی سچائی نے اسے کتنی خوشی دی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر اس کے الفاظ کی بازگشت میں کھویا رہا۔ اسے اس کی پسند کا خیال تھا۔ یہ سوچ کے ہی اس کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔

اسے چند ہی دنوں میں وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئی تھی اور اس کی وجہ وہ خود تھی کیونکہ وہ اس قابل تھی کہ اسے ٹوٹ کے چاہا جاتا۔

''بس۔''

زینی کے بس کہنے پہ اذلان نے اپنا ہاتھ روک دیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کا منہ صاف کیا اور اسے لے کر اوپر آ گیا۔ کمرے میں جاتے ہوئے زینی نے اسے گڈ نائٹ کہا، جس کے جواب میں اس نے صرف مسکرانے پہ ہی اکتفا کیا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

''اذلان! پتہ کرواؤ یہ لڑکیاں کہاں رہ گئی ہیں مہمان بھی آنا شروع ہو گئے ہیں اور ان کی ابھی تک کوئی خبر ہی نہیں۔''

بڑی ماں اذلان کے پاس آ کے فکرمندی سے گویا ہوئیں۔ جو تقریب کے حوالے سے تیاریاں دیکھنے میں مصروف تھا۔

''ماں! رومان اور حارث لینے گئے ہیں انہیں۔ آپ فکر نہ کریں ابھی تھوڑی دیر تک آ جائیں گی۔'' اذلان نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''لو، وہ آ گئیں۔''

بڑی ماں یہ کہہ کر خوشی سے ان کی طرف بڑھ گئیں۔ جبکہ اس نے محض گردن گھما کے انہیں دیکھا۔ جیسے ہی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کی نظر زینی پہ پڑی جو بڑے شاہانہ انداز میں ایک شانِ بے نیازی سے دعا کا ہاتھ پکڑے چلی آ رہی تھی۔ دعا کا دوسرا ہاتھ تانیہ نے تھاما ہوا تھا جبکہ زرتاشا اور رانیہ ان کے پیچھے تھیں۔ وہ بہت لہک لہک کے چلتی ہوئی اس کے پاس سے گزر گئیں اور اس کی نظروں نے حدنگاہ ان کا تعاقب کیا۔ زینی ایک ہوا کے جھونکے کی طرح آئی اور اس کے اردگرد تازگی اور خوشبو بکھیر کے چلی گئی۔ اس نے بے خود ہو کے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

''بھائی! بند آنکھوں سے کسے دیکھ رہے ہیں؟''

فیضان نے اس کے کندھے پہ تھپکی دیتے ہوئے پوچھا۔ وہ شرارت سے کھڑا اسے دیکھ کے مسکرا رہا تھا۔

''نہیں، کسی کو بھی نہیں۔''

اس نے بوکھلا کے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھائی! کوئی تو تھا جسے دیکھ کے آپ ٹھنڈی آہیں بھر رہے تھے۔''

فیضان نے اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''میں نے کہا ناں کوئی نہیں تھا، یہ فضول باتیں چھوڑو اور کام کرو۔''

وہ اپنی چوری پکڑے جانے پہ بھرم دکھاتے ہوئے بولا۔

''اب تم آ گئے ہو تو انتظامات دیکھو، میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں تیار ہونے۔''

وہ یہ کہہ کر جلدی سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ کیونکہ وہ فیضان کے سامنے اپنی پول کھلنے پہ بہت شرمندہ تھا۔

آسمان پہ چاند اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا اور اس کے سامنے ستاروں کی روشنی بہت ماند لگ رہی تھی۔ ہر طرف رنگ ونور کا سا سماں تھا۔ فضا میں پھیلی مسحور کن خوشبوئیں ہر اک کو تازگی اور بشاشت کا احساس فراہم کر رہی تھیں۔ کھلی فضا میں لگائی گئی کرسیوں پہ بیٹھے مہمان تقریب سے بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ دعا اور حاذق کی انگوٹھی پہنائی کی رسم ادا ہو چکی تھی اور اب مہمانوں کو کھانا کھلایا جا رہا تھا۔ کھانے سے فراغت پانے کے بعد اذلان، حاذق کو اپنے دوستوں سے ملوانے لے گیا اور دعا کو سٹیج پہ اس کی دوستوں نے گھیر لیا۔

''دعا! وہ کون ہے؟''

دعا کی دوستوں میں سے ایک نے اذلان کی جانب اشارہ کر کے پُر اشتیاق نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ میرے بڑے بھائی ہیں، اذلان سکندر۔''

دعا نے اشارے کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے فخر سے بتایا۔

''تم نے کبھی ذکر نہیں کیا اپنے بھائی کا۔''

''بس کبھی موقع ہی نہیں ملا۔''

''یار! تمہارے بھائی کتنے ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہیں۔''

دعا کی ایک اور دوست نے ٹھنڈی آہ بھر کے تبصرہ کیا۔

''ان کی منگنی یا شادی ہوئی ہے۔''

''نہیں، ابھی نہیں ہوئی۔''

دعا نے بے اختیار زینی کی طرف دیکھتے ہوئے جھوٹ بولا، کیونکہ زینی نے اسے منع کیا تھا کہ وہ کالج میں اس نکاح کے حوالے سے کچھ نہ بتائے۔

''اچھا! یہ تو بڑی اچھی بات ہے، اس کا مطلب ہمارا چانس بن سکتا ہے۔''

دعا کی دوست نے آنکھ مار کے خوش ہوتے ہوئے بے باک انداز میں کہا۔

''جی نہیں، میرے بھائی ایسے نہیں ہیں۔ وہ لڑکیوں کو بالکل بھی لفٹ نہیں کرواتے اس لیے یہ خیال دل سے نکال دو۔''

دعا نے اذلان کی حمایت میں بولتے ہوئے اپنی دوستوں کو ہری جھنڈی دکھائی۔

''خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کے اچھے اچھے شریف زادے پٹڑی سے اُتر جاتے ہیں تو تمہارے بھائی کیا چیز ہیں۔''

دعا کی دوست نے اِک ادا سے سر کو جھٹکا دے کر بال پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

زینی جو دعا اور اس کی دوستوں کے پاس بیٹھی ان کی گفتگو سن رہی تھی، اسے دعا کی دوستوں کا یوں اذلان کے بارے میں تبصرہ کرنا بہت ناگوار گزرا۔ اسے ان کی بے باک نظروں اور باتوں سے بہت کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے ان کا یوں اذلان کی شان میں قصیدے پڑھنا حسد میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ جو اذلان کو اپنی ملکیت سمجھنے لگی تھی کسی اور کا یوں بغیر اجازت اس کی ملکیت پہ قبضہ اسے شدید غصہ دلا رہا تھا۔

اس کا جی چاہا کہ وہ انہیں بتا دے کہ جس پہ وہ اتنا فدا ہو رہی ہیں، وہ اس کا شوہر ہے۔ لیکن پھر اس نے یہ بھی مناسب نہ سمجھا اور غصے سے جھنجھلاتی ہوئی اٹھ کے دعا کے پاس آ گئی۔

''اچھا چلو چھوڑو یہ باتیں، ہمیں اپنے بھائی سے ملواؤ تو سہی، ہمارا ان سے تعارف تو کرواؤ۔''

دعا کی دوست نے فرمائش کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں ضرور! میں بلاتی ہوں انہیں۔''

پھر دعا نے اذلان کو بلاوا بھیجا، جو اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا باتوں میں مگن تھا۔ وہ اپنے دوستوں سے ایکسکیوز کرتا ان کی طرف آ گیا۔

''ہاں دعا بولو۔''

اس نے دعا کے پہلو میں بیٹھی زینی پہ اک سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''بھائی! یہ میری کالج فرینڈز ہیں اور انہیں آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہو رہا تھا۔''

دعا نے اپنی دوستوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''کیسی ہیں آپ لوگ؟''

اس نے اخلاقیات نبھاتے ہوئے پوچھا۔

''ہم تو بہت اچھی ہیں، آپ کیسے ہیں؟''

دعا کی دوست نے شوخ لہجے میں مسکراتے ہوئے دوبدو پوچھا، جس پہ اذلان کے سنجیدہ چہرے پہ بھی مسکراہٹ آ گئی۔

''میں بھی بہت اچھا ہوں۔''

اذلان نے ان کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''ہمیں آپ سے مل کے بہت خوشی ہوئی، اور آپ کو؟''

''مجھے بھی!''

وہ بھی مروّت سے بولا۔

پھر ان کی نہ ختم ہونے والی باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ وہ اذلان سے مختلف سوالات پوچھ رہی تھیں جن کا وہ خلاف معمول بڑی خوش اخلاقی سے جواب دے رہا تھا۔ آج تو اس کا انداز ہی بدلا ہوا تھا۔ وہ تو وہ اذلان لگ ہی نہیں رہا تھا جو لڑکیوں کو گھاس بھی نہ ڈالتا تھا۔

''اتنی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کبھی ہمارے ساتھ تو نہیں کیا، جتنا ان پرکٹی کبوتریوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔''

زینی نے دعا کے قریب کھسکتے ہوئے غصے سے کہا۔ وہ اس کی ضرورت سے زیادہ خوش اخلاقی پہ جل بھن کے کباب ہو رہی تھی۔

''زینی!''

دعا نے بُرا مانتے ہوئے اسے ٹوکا۔ جبکہ اذلان کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے اس نے اس کا اقول زریں سن لیا تھا۔

''کیا زینی! ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔''

وہ دعا کے گھورنے کو کسی کھاتے میں نہ لاتے ہوئے لاپرواہی سے بولی۔

''کہیں تم جیلس تو نہیں ہو رہیں۔''

دعا نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

''ہونہہ!'' اس نے نخوت سے سر کو اک جھٹکا دیا۔

''میں اور ان سے جیلس، ابھی میرے اتنے بُرے دن بھی نہیں آئے۔''

وہ بے نیازی سے کہتی سٹیج سے اُتر کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد اب اذلان کا یہاں کیا کام تھا۔ وہ تو صرف زینی کو دکھانے کے لیے یہاں کھڑا تھا۔ وہ تو جیسے جاتے جاتے اس کی ساری خوش اخلاقی بھی اپنے ساتھ لے گئی۔ وہ بھی ان سے معذرت کرتا وہاں سے چلا گیا۔

زینی سٹیج سے اُتر کے لان میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھ گئی۔ اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اگر دعا کی دوستیں اس سے بے تکلف ہو رہی تھیں تو اسے کیوں بُرا لگ رہا تھا۔ وہ اپنی کیفیات سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ بہت الجھی الجھی سی بیٹھی تھی کہ اسی ثناء میں اذلان آ گیا۔

''کیا ہوا زینی، یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟''

اس نے کرسی اس کے قریب کھینچ کے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں، بس ایسے ہی۔''

وہ بے رُخی سے بولی۔

''وہاں سب تصویریں بنوا رہے ہیں اور تم یہاں بیٹھی ہو۔ کیوں تمہیں نہیں بنوانیں؟''

''نہیں، مجھے نہیں بنوانی۔''

''کیا بات ہے میرے دوست کا موڈ کیوں اتنا خراب ہے؟''

ازلان نے بغور اس کے پھولے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں آپ کی دوست نہیں ہوں۔''

''کیوں بھئی، کیوں میری دوست نہیں ہو؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''اس لیے کہ اگر آپ میں آپ کی دوست ہوتی تو آپ مجھے ٹائم دیتے نہ کہ لوگوں سے ہنس ہنس کے باتیں کرتے۔''

اس نے روٹھے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کا گلہ سن کے اک دلکش سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ اسے زینی کا اپنے لیے حساس ہونا بہت اچھا لگا۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔''

وہ اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

''ادھر میری طرف دیکھو۔''

''نہیں مجھے نہیں دیکھنا آپ کی طرف۔''

وہ ہنوز اسی انداز میں بولی۔ وہ اسے نظرانداز کرنے کے لیے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے نہ دیکھو۔''

اس نے لاپروائی سے کہتے ہوئے کرسی اٹھائی اور عین اس کے سامنے رکھ کے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔

''زینی! تم میری سب سے اچھی اور پیاری دوست ہو۔ تمہاری جگہ اگر کوئی لینا بھی چاہے تو نہیں لے سکتا۔ اس لیے خود کو دوسروں کیساتھ کمپیئر مت کیا کرو۔''

ازلان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''اور جہاں تک بات لوگوں کو ٹائم دینے کی ہے تو وہ ہمارے مہمان ہیں، ہم نے انہیں اپنے گھر مدعو کیا ہے۔ اگر ہم انہیں ٹائم نہیں دیں گے تو کون دے گا؟''

اس نے سنجیدگی ومتانت سے سمجھاتے ہوئے اسے دیکھا۔

''میرے کہنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا۔''

ازلان کے سمجھانے پہ اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے نظریں چرائیں۔

''تو پھر کیا مطلب تھا؟''

وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''میرا مطلب یہ تھا کہ میں بھی آپ کی دوست ہوں، آپ کو مجھے بھی ٹائم دینا چاہیے۔ جب سے فنکشن اسٹارٹ ہوا ہے آپ ایک دفعہ بھی میرے پاس نہیں آئے۔ آپ نے مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ میں کیسی لگ رہی ہوں؟ میرا میک اَپ اور بال کیسے بنے ہیں؟ میں نے آدھی رات کو آپ کی خاطر تانیہ سے سو باتیں سن کے جو مہندی لگوائی تھی وہ اچھی لگ رہی ہے یا نہیں؟ آپ نے کچھ بھی تو نہیں بتایا مجھے؟''

زینی نے روٹھے روٹھے لہجے میں ڈھیر سارے گلے کیے۔ وہ جو ہر وقت اس کی توجہ کا مرکز بنی رہتی تھی آج ذرا سی لاپرواہی پہ ہی تڑپ اٹھی۔

ازلان حیرت کی تصویر بنا یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کیسے اتنی جان لیوا باتیں اتنے سادے انداز میں کر لیتی تھی۔ وہ بے بس سا صرف اسے دیکھتے کا دیکھتا رہ جاتا تھا۔

''ہاں واقعی! یہ تو مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔''

وہ خود کو سنبھال کے نارمل ہوتے ہوئے بولا۔

''آج مجھے معاف کر دو، آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔''

اس نے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے معذرت کی۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ پلیز! ایسا نہیں کریں، اگر کسی نے دیکھ لیا تو۔''

اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا اور شکر کیا کہ سب ایک دوسرے میں مگن تھے اور ان کی طرف کوئی بھی متوجہ نہیں تھا۔

''پہلے تم مجھے معاف کرو اور اپنی ناراضگی ختم کرو پھر میں چھوڑوں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے، اب میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔''

زینی نے اس کے ہاتھ نیچے کرتے ہوئے جلدی جلدی کہا۔

''یہ ہوئی نا بات، اب پوچھو کیا پوچھ رہی تھیں تم۔''

وہ اب تھوڑا ریلیکس ہوئے بیٹھ گیا۔

''میں کیسی لگ رہی ہوں؟''

اس نے بال ٹھیک کرتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا۔

''تم اس وقت اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ مجھے گمان ہو رہا ہے کہ تم اسی دنیا کی ہو یا پرستان سے آئی ہوئی کوئی پری یا شہزادی۔''

ازلان نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اس کی تعریف کی۔

''کیا واقعی!''

اس نے بے یقینی سے آنکھیں پھیلائیں۔

''جی واقعی!''

اس نے اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تصدیق کی۔

''اور تمہارے ہاتھوں پہ لگی ہوئی مہندی بھی اتنی ہی پیاری لگ رہی ہے۔''

اس کی تعریف پہ وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی اور اسے خوش دیکھ کے اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''اچھا چلو اب بتاؤ میں کیسا لگ رہا ہوں تمہارے دوست ہونے کے معیار پہ پورا اُتر رہا ہوں کہ نہیں۔''

اس نے بھی بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سٹائل سے پوچھا۔

''آپ بھی بہت اچھے لگ رہے ہیں۔''

اس نے کھلکھلا کے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''ہینڈسم اور گڈ لکنگ، بقول ان چڑیلوں کے۔''

زینی نے آخری لفظ منہ میں ہی بڑبڑائے، لیکن پھر بھی اس نے سن لیے۔

''بقول کن کے؟''

''بقول لوگوں کے۔''

اس کے ابرو چڑھا کے پوچھنے پر اس نے فٹافٹ وضاحت کر دی۔

''اچھا!''

اس نے مسکراتے ہوئے صرف ''اچھا'' کہا۔

ابھی وہ دونوں وہاں بیٹھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ بڑی ماں آ گئیں اور ازلان کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

''اذلان بیٹا! دعا کی فرینڈز کو ان کے گھر چھوڑ آؤ۔ رات بہت ہو گئی ہے اس لیے ان کے گھروں سے کوئی نہیں آ سکتا۔ بس تھوڑا ہی دور ہے۔ تمہارا زیادہ وقت نہیں لگے گا۔''

''امی! وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ کسی اور کو کہہ دیں۔ آپ کو تو پتہ ہے مجھ سے یہ کام نہیں ہوتے۔''

اس نے جان چھڑانے کے لیے عذر پیش کیا۔

''نہیں اذلان! جوان جہان بچیوں کا معاملہ ہے۔ میں اتنے نازک معاملے میں تمہارے علاوہ کسی اور پہ بھروسہ نہیں کر سکتی۔ تم میچور اور ذمہ دار ہو اس لیے تمہیں ہی جانا ہو گا۔''

بڑی ماں نے سختی سے انکار کرتے ہوئے اسے معاملے کی نزاکت سمجھائی۔

''اچھا ٹھیک ہے امی! بھیجیں انہیں میں چھوڑ آتا ہوں۔''

وہ بے دلی سے کہہ کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ جیب میں سے چابی نکال کے گاڑی کا دروازہ کھول کے بیٹھ گیا اور ان کا انتظار کرنے لگا۔

جیسے ہی اس نے شیشے میں سے انہیں آتے دیکھا تو گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ دونوں گاڑی کے پاس آ کے رُکیں۔ پھر ان میں سے ایک پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کے بیٹھ گئی اور دوسری فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کے بیٹھنے ہی والی تھی کہ اچانک سے زینی نے اسے پیچھے سے دھکا دیا اور فٹافٹ یہ کہہ کے بیٹھ گئی کہ ''سوری! یہ میری سیٹ ہے۔''

زینی کے اس طرح دھکا دے کے بیٹھنے پہ اذلان کو بڑی زور کی ہنسی آئی لیکن وہ ہونٹ بھینچ کے ضبط کر گیا۔

وہ بیچاری ہکا بکا کھڑی زینی کو دیکھنے لگی جو بڑے آرام سے سیٹ پہ بیٹھی بیلٹ باندھ رہی تھی۔ زینی کے اس انداز پہ وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی اور اسی شرمندگی کے ساتھ وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کے بیٹھ گئی۔ ان دونوں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کا سر پھاڑ دیتیں کیونکہ اس نے ان کا سارا پلان چوپٹ کر دیا تھا۔ انہوں نے جان بوجھ کے اپنے ڈرائیور کو نہیں بلایا تھا تاکہ وہ اذلان کے ساتھ جا سکیں اور ان کا یہ پلان کسی حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا لیکن زینی نے ان کے سارے کیے کرائے پہ پانی پھیر دیا۔

''زینی! تم کہاں جا رہی ہو؟''

''اذلان نے اسے سیٹ بیلٹ باندھتے دیکھ کے حیرت سے پوچھا۔ وہ دراصل میرا آئسکریم کھانے کا من رہا تھا تو میں نے سوچا کہ آپ انہیں چھوڑنے جا رہے ہیں تو میں بھی چلتی ہوں واپسی پہ آئسکریم بھی کھا لوں گی۔''

''لیکن زینی......!''

اذلان نے احتجاج کرنا چاہا۔

"چلیں، اب جلدی کریں نا، دیر ہو رہی ہے۔"

زینی نے بات ادھر اُدھر کرتے ہوئے عجلت سے کہا۔

سارا راستہ خاموشی سے کٹا۔ زینی یوں مگن ہو کے شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی کہ جیسے وہ اس گاڑی کا حصہ ہی نہ ہو۔ دعا کی دوستوں کو ان کے گھر ڈراپ کر کے اذلان نے گاڑی سیدھا آئس کریم پارلر کے سامنے پارک کر دی۔

"تم یہاں ہی بیٹھو، میں لے کے آتا ہوں۔ اب اس حلیے میں تو میں تمہیں اندر لے کے جانے سے رہا۔"

وہ اِک تنقیدی نگاہ اس کے حلیہ پہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"جی ٹھیک ہے!"

زینی نے سعادت مندی سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ آئسکریم لے کے آ گیا۔ آئسکریم اسے تھمانے کے بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کے بیٹھ گیا۔ زینی نے آئسکریم کھول کے کھانا شروع کر دی تو اس نے بھی سگریٹ نکال کے سلگا لیا۔ سگریٹ کے کش لیتے ہوئے وہ بغور زینی کا جائزہ لینے لگا، جو ارد گرد سے بے نیاز آئسکریم کھانے میں مگن تھی۔ وہ واقعی اتنی مگن تھی یا مگن ہونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی، اس کے لیے یہ طے کرنا تھوڑا مشکل ہو رہا تھا۔

"زینی! تم نے یہ سب کیوں کیا؟"

اذلان نے تھوڑا الجھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا؟"

زینی نے انجان بننے کی ایکٹنگ کی۔

"تم جانتی ہو کہ میں کس بارے میں بات کر رہا ہوں۔"

اذلان کی نظریں ابھی بھی اس پہ جمی ہوئی تھیں۔

"میرا واقعی آئسکریم کھانے کا دل کر رہا تھا، سچ میں۔"

زینی نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"تم نے دعا کی دوست کو دھکا کیوں دیا؟"

اذلان اصل مدعے پہ آ گیا۔ اذلان کے اس طرح اچانک پوچھنے پہ زینی کا آئسکریم کھاتا ہاتھ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔ اس نے بے ساختہ اذلان کی جانب دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک نظر اس پہ ڈال کے بنا کچھ کہے دوبارہ اپنی آئسکریم پہ جھک گئی۔

''زینی! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔''

ازلان نے اسے دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے پوچھا جو پتہ نہیں کن خیالوں میں کھوئی تھی۔

''میں نے اسے دھکا اس لیے دیا تھا کیونکہ وہ میری جگہ پہ بیٹھ رہی تھی۔ یہ جگہ صرف میری ہے اس لیے اس پہ بیٹھنے کا حق بھی صرف مجھے ہی حاصل ہے اور کسی کو نہیں۔''

زینی نے ٹھہر ٹھہر کر مضبوط لہجے میں کہا اور دوبارہ آئسکریم کھانے لگی جبکہ ازلان اس کے جواب پہ اسے دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔

۞.........۞.........۞

آج چھٹی کا دن تھا اور سب گھر پہ ہی موجود تھے۔ رات دیر تک چلنے والے فنکشن کی وجہ سے سب اتنا تھک گئے تھے کہ سو کر اٹھتے اٹھتے تقریباً دو پہر ہو گئی۔ اس وقت سب ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ باتوں کا نا تمام ہونے والا سلسلہ بھی جاری تھا۔ کل کے فنکشن کے حوالے سے سب کے پاس کچھ نہ کچھ ایسا تھا جو وہ ایک دوسرے کو بتا کر محظوظ ہو رہے تھے۔ خاص طور پر لڑکیوں کی باتیں تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ وہ ناشتہ کرتے ہوئے مسلسل ایک دوسرے کے کان میں کھسر پھسر کر کے کھی کھی کر رہی تھیں۔

''لڑکیو! وہ کون سے لطیفے ہیں جو تم ایک دوسرے کو سنا رہی ہو۔ ہمیں بھی سناؤ تا کہ ہم بھی اپنے دانتوں کی نمائش کریں۔''

رومان نے ان کے ہنسنے پہ چوٹ کرتے ہوئے کہا۔ وہ کافی دیر سے بیٹھا انہیں نوٹ کر رہا تھا۔

''نہیں رہنے دو، اگر تم نے اپنے دانتوں کی نمائش کی تو سب ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کے چلے جائیں گے اور کوئی بھی ناشتہ نہیں کرے گا۔''

زینی نے مسکراتے ہوئے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ جس پہ رومان سمیت سب قہقہہ لگا کے ہنس پڑے۔

''نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ اگر تم لوگوں کی برداشت کر رہے ہیں تو میری بھی سہہ لیں گے۔''

رومان نے دوبدو منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

''خدارا تم اپنے ناگوار اور ناہنجار قہقہوں کا موازنہ ہماری سریلی اور دھیمی کھلکھلاہٹ سے تو نہ کرو۔''

زینی ہاتھ جوڑ کے صدمے سے دوچار ہوتے ہوئے بولی۔

''سریلی اور دھیمی کھلکھلاہٹ!''

رومان یہ جملہ دہرا کے قہقہہ لگا کے ہنس پڑا اور اس سے پہلے کہ ان کی یہ ہلکی پھلکی نوک جھونک شدید قسم کی جھڑپ کا روپ اختیار کرتی حارث نے گفتگو کا موضوع ہی بدل دیا۔

''یار! میں سوچ رہا تھا کہ کل ہماری واپسی ہے تو کیوں نہ آج ایک کرکٹ میچ ہو جائے ہمارے درمیان۔''

حارث نے اذلان کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی رائے جاننے کی کوشش کی۔

''ہاں، کیوں نہیں، ضرور! یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔ اسی بہانے بچپن کی یادیں بھی تازہ ہو جائیں گی۔ یاد ہے تمہاری ٹیم ہر دفعہ میری ٹیم سے ہار جاتی تھی۔''

اذلان نے ہامی بھرتے ہوئے اسے یاددہانی کرائی۔

''ہاں! لیکن اس بار ایسا نہیں ہوگا۔''

حارث نے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

''او۔ کے۔ لیٹس سی!''

وہ لاپرواہی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

''واؤ! کتنا مزہ آئے گا، میں بھی کھیلوں گی۔''

زینی نے پُر جوش ہوتے ہوئے نعرہ بلند کیا۔

''ہیلو! کدھر؟ آرام سے بیٹھو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے تم لڑکیوں کے کھیلنے کی۔ صرف ہم لڑکے ہی کھیلیں گے۔''

رومان نے لڑکیوں کے جوش و خروش پہ پانی پھیرتے ہوئے رعب سے کہا۔

''ہاں! رومان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے تم لوگوں کی۔ ایویں کہیں ہڈی وڈی تڑوا کے بیٹھ جاؤ گی۔''

حاذق نے بھی رومان کا ساتھ دیتے ہوئے مخالفت کی۔

''او، ہیلو! تم لوگ کون ہوتے ہو یہ طے کرنے والے کہ ہم کھیلیں گے یا نہیں۔''

زینی نے ان کے آگے چٹکی بجاتے ہوئے انہیں آئینہ دکھایا۔

''اس بات کا فیصلہ حارث بھائی کریں گے کہ ہم کھیلیں گی یا نہیں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے حارث کے پاس آ گئی۔

''تو ٹھیک ہے، حارث بھائی آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ نہیں کھیلیں گی۔''

رومان نے بے نیازی سے کہتے ہوئے حارث کو فرمان جاری کیا۔

''کیوں کہہ دیں؟''

اور بائی داوے! تمہیں کیا تکلیف ہے ہمارے کھیلنے سے۔ کہیں تمہیں یہ خدشہ تو نہیں کہ ہم تم سے اچھا نہ کھیل لیں۔''

''اوہ! خوش فہمی تو دیکھو محترمہ کی۔''

رومان نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''حارث بھائی! آپ بتائیں ہم کھیلیں گی یا نہیں۔''

زینی نے رومان کو نظر انداز کرتے ہوئے حارث سے دوٹوک سے پوچھا۔

''حارث بھائی پلیز! ہمیں بھی کھیلنا ہے۔''

اس سے پہلے کہ حارث اپنا فیصلہ سناتا، دعا، تانیہ اور رانیہ بھی بول پڑیں۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے، تم لوگ بھی کھیلو گے۔''

حارث نے لڑکیوں کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ پھر کیا تھا لڑکیوں نے خوشی سے اُچھلنا شروع کر دیا اور خوشی کے مارے حارث کے آ کے لپٹ گئیں۔

''حارث بھائی! یہ کیا بات ہوئی، آپ ہمیشہ اس چڑیل کی مانتے ہیں۔''

رومان نے منہ بسور کے زینی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''یار! تمہیں تو پتہ ہے میں اس کی بات کو رد نہیں کر سکتا۔''

حارث نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا، جو رومان کی طرف منہ چڑانے میں مصروف تھی۔ اس کے اس بچگانہ انداز پہ سب اسے دیکھ کے ہنس پڑے۔

''لیکن میری ایک شرط ہے؟''

''کیا؟''

زینی نے سوالیہ نظروں سے حارث کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ یہ کہ تم میری ٹیم میں کھیلو گی۔''

حارث کی شرط سن کے زینی کی نظریں بے ساختہ اذلان کی جانب اٹھیں جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کے لیے دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا اور پھر زینی نے نظریں جھکا لیں۔ بس وہ ایک پل ہی کافی تھا فیصلے کے لیے۔ وہ اس ایک پل میں فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے کیا کرنا تھا۔

''بولو نا زینی، ٹھیک ہے۔''

حارث نے اسے خاموش دیکھ کر دوبارہ پوچھا۔

''نہیں۔''

وہ مضبوط لہجے میں بولی اور آرام سے اُٹھ کے اذلان کے پیچھے آ کے کھڑی ہو گئی۔

''میں ان کی ٹیم میں کھیلوں گی۔''

زینی کا فیصلہ سن کے اذلان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ وہ کہیں نہ کہیں یہ جانتا تھا کہ وہ اس کے حق میں ہی فیصلہ دے گی۔

''زینی!''

حارث نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے پکارا۔

''حارث بھائی! بہت اچھا ہوا آپ کے ساتھ۔ اور لیں اس کی سائیڈ۔''

رومان نے اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے موقع سے فائدہ اٹھایا۔

''زینی! مجھے تم سے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی بدل جاؤ گی۔''

حارث نے دکھی ہونے کی ایکٹنگ کی جس پہ سب نے اس کی حمایت میں افسوس سے سر ہلائے۔

اذلان، حارث کے اس ڈرامے پہ مسلسل مسکرا رہا تھا جبکہ زینی شرمندہ سی سر جھکائے کھڑی تھی۔

''بس کر دیں، کیوں تنگ کر رہے ہیں اس بیچاری کو۔''

زرتاشا نے آگے بڑھ کر اس کی سائیڈ لی اور ان سب کے اجتماعی ڈرامے سے اس کی جان خلاصی کروائی۔

میچ کے حوالے سے ساری تیاریاں مکمل تھیں اور میچ کے لیے لان منتخب کیا گیا تھا جو اس وقت لان کی بجائے سٹیڈیم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایک ٹیم اذلان کی سرپرستی میں کھیل رہی تھی اور دوسری حارث کی۔ اذلان کی ٹیم میں فیضان، ذیشان، دعا اور زینی شامل تھے، جبکہ حارث کی ٹیم میں حاذق، رومان، تانیہ اور رانیہ شامل تھے۔ دونوں ٹیموں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ زرتاشا کو نیوٹرل رکھتے ہوئے امپائر کے اہم ترین منصب پہ فائز کیا گیا تھا۔ زرتاشا کی حلف برداری کی تقریب میں زینی اور دعا نے اس سے ڈھیر سارے وعدے اور بہت سی قسمیں لی تھیں۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں جذبات کی رَو میں بہہ کے اور شوہر نامدار کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کے وہ دھاندلی جیسے اقدامات پہ نہ اُتر آئے، اسی لیے انہوں نے ایسا وقت آنے سے پہلے ہی اسے پابند کر دیا اور اپنی خوب ساری تسلی کر لی۔

طے شدہ وقت کے مطابق دونوں ٹیمیں گراؤنڈ میں اُتر چکی تھیں اور اذلان نے ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ اذلان اور فیضان نے بہت عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے پانچ اوورز میں بغیر وکٹ دیئے 40 رنز بنائے۔ ان دونوں کی پارٹنر شپ مخالفین کے چھکے چھڑا رہی تھی اور پھر چھٹے اوور کی پہلی ہی گیند پہ فیضان آؤٹ ہو کے پویلین لوٹ گیا۔ فیضان کو آؤٹ کرنے کے بعد مخالف ٹیم کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہوا اور ان کے چہرے پہ کچھ رونق آئی۔ فیضان کے بعد اب ذیشان وکٹ پہ موجود تھا اور ایک اوور کھیلنے کے بعد وہ بھی پویلین لوٹ گیا۔

اسکور بورڈ کی طرف اگر نظر دوڑائی جائے تو اذلان کی ٹیم کے 7 اوورز میں 2 وکٹوں کے نقصان پہ 55 رنز تھے۔ ذیشان کے بعد اب زینی کی باری تھی۔ وہ بہت اعتماد سے بلا لہراتی ہوئی آئی اور اذلان کے ساتھ پارٹنرشپ میں شامل ہوگئی۔ دونوں نے مل کے خوب دھواں دھار بیٹنگ کی اور آخری گیند تک پچ پہ کھڑے رہے۔ 10 اوورز میں پوری ٹیم نے مجموعی طور پر 95 رنز بنائے، جو مخالف ٹیم کے لیے ایک تگڑا ٹارگٹ تھا۔ اذلان کی ٹیم کی بیٹنگ ختم ہونے کے بعد اب چائے کا وقفہ تھا اور اس کے بعد حارث کی ٹیم کی باری تھی۔

چائے کے وقفے کے بعد دوبارہ میچ کا آغاز ہو چکا تھا۔ حارث اور حاذق پچ پہ موجود تھے جبکہ اذلان کی ٹیم فیلڈنگ سنبھالے ہوئی تھی۔ حارث اور حاذق نے بہت اچھا اسٹارٹ لیا لیکن یہ کیا، تیسرے ہی اوور میں حارث 15 رنز بنا کے آؤٹ ہو گیا۔ اگر اسکور پہ نظر ڈالی جائے تو وہ اس وقت 25 رنز تھی جو کہ ایک معقول اسکور تھی۔ حارث کے بعد اب رومان حاذق کے ساتھ وکٹ سنبھالے کھڑا تھا۔ حارث کے آؤٹ ہونے سے ٹیم پہ پریشر بڑھ گیا تھا۔ اس لیے وہ دونوں کافی محتاط انداز میں کھیل رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ دونوں نے وکٹ پہ اپنے قدم جما لیے اور دھڑا دھڑ اسکور بنانے لگے۔ اذلان، فیضان اور ذیشان تینوں نے مل کر انہیں آؤٹ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ زینی اور دعا تو اب باقاعدہ دعائیں کر رہی تھیں لیکن شاید اس وقت دعائیں بھی اثر نہیں کر رہی تھیں۔

رومان اور حاذق نے 9 اوورز میں 90 رنز بنا لیے تھے اور اس وقت انہیں جیت کے لیے صرف 6 رنز درکار تھے جو کہ نظر آ رہا تھا کہ وہ بہت آسانی سے بنا لیں گے۔ آخری اوور تھا اور اذلان یہ سوچ بچار ہی کر رہا تھا کہ وہ یہ آخری اوور کس سے کروائے، کہ اچانک اس کے ذہن میں زینی کا خیال آیا۔ وہ زینی کے پاس آیا اور اسے اوور کرانے کے لیے کہا۔ زینی نے گیند پکڑتے ہوئے ہامی بھر لی، لیکن فیضان اور ذیشان نے بہت احتجاج کیا۔ ان کے لاکھ احتجاج کرنے کے باوجود اذلان اپنے فیصلے پہ اٹل رہا اور زینی کو ہی اوور کرانے کا کہا۔

اذلان کے اس بے وقت فیصلے پہ مخالف ٹیم کو بھی بڑی حیرت ہوئی لیکن انہیں حیرت سے زیادہ خوشی ہوئی، کیونکہ یہ فیصلہ ان کے حق میں بہتر تھا۔ اسوقت وکٹ پہ رومان موجود تھا جو یہ بات بہت اچھے سے جانتا تھا کہ زینی کو باؤلنگ کرانا نہیں آتی۔ اس لیے وہ بہت ریلیکس انداز میں کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ وہ پہلی ہی گیند پہ چھکا مار کے میچ ختم کر دے گا۔ جیسے ہی زینی نے گیند کروائی تو اس نے بیٹ ہوا میں لہرایا لیکن یہ کیا، چھکا لگنے کی بجائے گیند سیدھا وکٹ پہ لگا۔ وہ ہکا بکا کھڑا زینی کو دیکھنے لگا جو خوشی سے اُچھل رہی تھی۔ وہ سکتے کے عالم میں کھڑا تھا کیونکہ اس کے لیے قبول کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا کہ اسے زینی نے آؤٹ کیا تھا۔ بہر حال جو بھی تھا، وہ آؤٹ ہو چکا تھا اور اب وکٹ پہ تانیہ موجود تھی۔ وہ بھی زینی کے آگے ٹِک نہ پائی اور دو بالز ضائع کرنے کے بعد تیسری گیند پہ آؤٹ ہوگئی۔ زینی کے اوور کی چار بالز ہو چکی تھیں۔ اب مخالف ٹیم کو 2 گیندوں پر 6 رنز درکار تھے جو کہ بنتے نظر نہیں آ رہے تھے کیونکہ وکٹ پہ رانیہ کھڑی تھی جو بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ زینی نے اپنے اوور کی پانچویں گیند کروائی جو اس نے ضائع کر دی۔ مخالف ٹیم پر پریشر بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ انہیں 1 گیند پہ 6 رنز درکار تھے۔ زینی نے آخری گیند کروائی جو اس نے کھیلنے کی کوشش کی اور کافی حد تک کامیاب بھی رہی۔ آخری گیند پہ ایک رن بنا اور یوں

اذلان کی ٹیم 4 رنز سے میچ جیت گئی۔ حارث کی ٹیم کو کافی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جبکہ اذلان کی ٹیم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ زینی، دعا اور ذیشان کی خوشی تو سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی، جبکہ اذلان اور فیضان اپنے جذبات پہ کافی حد تک کنٹرول کیے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد حارث کی ٹیم نے اپنی ہار تسلیم کرتے ہوئے انہیں کھلے دل سے مبارکباد دی جسے انہوں نے قبول کرتے ہوئے ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ پھر وہ سب وہیں لان میں بیٹھ کے میچ کے حوالے سے باتیں کرنے لگے۔ سب نے مل کر میچ میں کی گئی غلطیوں پہ ایک دوسرے کا خوب مذاق اُڑایا۔ اور اچھی کارکردگی پہ حوصلہ افزائی کی۔ زینی کی باؤلنگ پہ سب نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے خوب داد و تحسین دی جس پہ اس نے جھینپ کر اذلان کی طرف دیکھا جو اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

⚝..........⚝..........⚝

''شکیلہ اور بچوں کی وجہ سے کتنی رونق تھی نا گھر میں، ان کے جانے سے گھر کتنا سُونا سُونا ہو گیا ہے۔''

دادی ماں نے افسردگی سے کہا۔

دادی ماں، بڑی ماں، چھوٹی ماں اور دعا لاؤنج میں بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھیں۔

''جی ماں! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ان کے جانے سے واقعی بہت اُداسی ہو گئی ہے۔ ہم سب کی موجودگی کے باوجود گھر اتنا خالی خالی لگتا ہے۔''

بڑی ماں نے دادی ماں کی بات کی تائید کی۔

''شکیلہ کا بھی فون آیا تھا وہ بھی کہہ رہی تھی کہ اتنے دن ہو گئے واپس آئے ہوئے لیکن ابھی تک دل نہیں لگا۔''

''یاد ہے جب ہم حارث کی شادی سے واپس آئے تھے تو ہمارا بھی یہی حال تھا۔ کتنا یاد کرتے تھے سب کو ہر وقت انہی کی باتیں کرتے رہتے تھے۔''

چھوٹی ماں نے بے دلی سے مسکراتے ہوئے بڑی ماں کو دیکھا اور چائے کا کپ اٹھا لیا۔

''ہاں! یاد ہے، بالکل یاد ہے۔''

اک مدھم سی مسکراہٹ بڑی ماں کے لبوں کو بھی چھو گئی۔

''ویسے ہماری دعا کی قسمت بہت اچھی ہے۔ بہت اچھا سسرال ملا ہے۔ اپنوں سے رخصت ہو کے اپنوں میں ہی چلی جائے گی۔''

چھوٹی ماں نے شفقت سے دعا کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے رشک سے کہا۔

''ہاں، بے شک! بس اللہ کا شکر ہے!''

بڑی ماں تشکر بھرے لہجے میں بولیں۔

''دعا! یہ زینی کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہی۔''

دادی ماں نے دعا سے زینی کی بابت پوچھا۔

''وہ کمرے میں ہے دادی ماں۔''

''میں کافی دنوں سے محسوس کر رہی ہوں کہ وہ بہت چپ چپ سی ہو گئی ہے۔ نہ پہلے کی طرح ہنستی بولتی ہے اور نہ ہی اچھلتی کودتی ہے۔ کیا بات ہے کسی نے کچھ کہا ہے اس سے۔''

دادی ماں نے ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! یہ بات میں نے بھی نوٹ کی ہے۔ کہیں تم نے تو کچھ نہیں کہا اسے۔''

بڑی ماں نے چھوٹی ماں کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔

''میری کیا مجال کہ آپ سب کے ہوتے ہوئے اسے کچھ کہہ سکوں، کیا پتہ خود ہی عقل آ گئی ہو۔''

چھوٹی ماں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے قیاس آرائی کی جس پہ بڑی ماں نے انہیں گھوری سے نوازا۔

''جاؤ دعا! بُلا کے لاؤ اسے، بولو ہم سب کے ساتھ آ کے چائے پیئے۔''

دادی ماں نے دعا کو فرمان جاری کیا جس پہ وہ سعادت مندی سے سر ہلاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

دعا کمرے میں آئی تو زینی بیڈ پہ کتابیں پھیلائے گم صم سی بیٹھی تھی۔

''زینی! نیچے سب تمہیں چائے کے لیے بُلا رہے ہیں۔''

دعا نے کھڑے کھڑے اسے پیغام دیا۔

''تم لوگ پیو، میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔''

زینی نے انکار کرتے ہوئے بیڈ پہ رکھی کتاب اُٹھا لی۔

''کیا بات ہے زینی! کوئی پریشانی ہے کیا؟ بہت اُلجھی اُلجھی لگ رہی ہو۔''

دعا نے زینی کے ہاتھ سے کتاب لیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''پتہ نہیں دعا، مجھے خود نہیں پتا کہ مجھے کیا پریشانی ہے۔''

وہ بے بسی سے بولی۔

''کیا ہوا زینی! مجھے بتاؤ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔''

دعا نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس کی ڈھارس بندھائی۔

''دعا! پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے۔ نہ میرا کسی سے بات کرنے کو دل کرتا ہے، نہ ہنسنے کھیلنے کا جی چاہتا ہے، پڑھنے بیٹھتی ہوں تو پڑھا نہیں جاتا۔ کتنی کتنی دیر کتابیں کھول کے بیٹھی رہتی ہوں لیکن ذہن ادھر اُدھر بھٹک جاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے خیالوں میں کھو جاتی ہوں۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔''

زینی نے روہانسی صورت بناتے ہوئے اپنی کیفیات بتائیں۔

''مجھے پتہ ہے کہ تمہیں کیا ہوا ہے۔''

دعا نے مسکراتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

''کیا؟''

''محبت! تمہیں محبت ہو گئی ہے۔''

''محبت! لیکن کس سے؟''

''زینی!''

دعا نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''اذلان بھائی سے، بیوقوف اور کس سے۔''

''اچھا! تمہیں ایسا لگتا ہے۔''

''ہاں۔''

''لیکن کیسے؟''

''تمہارے پچھلے کچھ دنوں کے ریکارڈ سے۔''

دعا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس پہ چوٹ کی جس پہ شرم سے اس کے عارض سرخ ہو گئے۔

''اچھا! اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو پھر ایسا ہی ہو گا۔''

زینی نے معصومیت کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے جھینپ کر کہا۔

''اوئے ہوئے! میں صدقے جاؤں تمہارے اس شرمانے پہ۔''

دعا نے اسے شرماتے دیکھ کر چھیڑا۔

دعا کے اس طرح چھیڑنے پہ زینی کے چہرے پر حیاء کے بہت سے رنگ بکھر گئے جنہیں چھپانے کے لیے اس نے اپنا چہرہ

دونوں ہاتھوں کے پیچھے چھپا لیا۔

دعا کو زینی کی اس معصومانہ ادا پر بہت پیار آیا۔

"لیکن دعا! ایک مسئلہ ہے۔"

اس کے چہرے پر بکھرے رنگ ایک دم ماند پڑ گئے اور ان کی جگہ پریشانی نے لے لی۔

"کیا مسئلہ ہے؟"

دعا نے اس کی بدلتی کیفیت کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"یہی کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔"

"تمہیں کیسے پتہ کہ بھائی تم سے محبت نہیں کرتے۔"

"انہوں نے خود مجھ سے کہا تھا کہ میں ان کے ٹائپ کی نہیں ہوں اور انہوں نے مجھ سے نکاح صرف غصے اور ضد میں کیا تھا۔"

زینی نے مایوس ہوتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"ابھی نہیں کرتے تو کیا ہوا، کرنے لگ جائیں گے۔"

دعا نے لاپرواہی سے کندھے اُچکاتے ہوئے اس کی پریشانی کو ہوا میں اُڑاتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہیں کرو، جیسے تمہیں بھائی سے محبت ہوگئی ہے ایسے ہی انہیں بھی آہستہ آہستہ تم سے محبت ہو جائے گی۔ اللہ نے نکاح کے تین بولوں میں بہت طاقت رکھی ہے۔ یہ اپنا آپ منوا کر رہتے ہیں۔"

دعا نے اس کی پریشان صورت دیکھتے ہوئے تسلی دی۔

"دعا! کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

زینی نے امید کے دیپ آنکھوں میں جلاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یقین سے بولی۔

"اچھا! اب باقی باتیں ہم بعد میں کریں گے۔ چلو نیچے چلتے ہیں ورنہ تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی کلاس ہو جائے گی۔"

دعا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

آج دعا اور زینی کے کالج میں رزلٹ تھا اور ان دونوں کے بہت اچھے نمبر آئے تھے۔ وہ دونوں بہت خوشی خوشی کالج سے گھر لوٹی

تھیں اور آتے ہی انہوں نے گھر میں ایک اُدھم مچادیا تھا۔

رزلٹ اچھا لانے کی صورت میں دادی ماں، بڑی ماں اور چھوٹی ماں نے ان سے کچھ وعدے کیے تھے جنہیں اب پورا کرنے کا وقت آن پہنچا تھا اس لیے وہ تینوں چپ چاپ بیٹھی ان دونوں کا نا تمام ہونے والا فرمائشی پروگرام سن رہی تھیں جسے انہیں ہر حال میں پورا کرنا تھا۔

اب وہ دونوں بہت بے صبری سے بڑے ابا اور چھوٹی ابا کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ اور انتظار کی گھڑیاں تھیں کہ کٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ اللہ اللہ کر کے ان دونوں کے آنے کا وقت ہوا اور جیسے ہی وہ گھر کے اندر داخل ہوئے تو وہ دونوں بھاگتی دوڑتی اپنا رزلٹ لے کر ان کے پاس پہنچیں۔ انہوں نے رزلٹ دیکھ کر ان دونوں کی خوب حوصلہ افزائی کی اور شاباش کے ساتھ ساتھ انعام بھی دیا۔ جس پر ان دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اذلان نے بھی ان دونوں کا رزلٹ دیکھ کر انہیں مبارکباد دی اور ساتھ ہی ڈنر کی آفر بھی کر دی جو بغیر کسی حیل وحجت کے انہوں نے قبول کر لی۔ پھر انہوں نے سب کے ساتھ بیٹھ کر شام کی چائے پی اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ کیونکہ انہیں ڈنر پر جانے کی تیاری کرنی تھی۔

وہ دونوں اپنے اپنے وارڈ روب کھولے کپڑوں کی سلیکشن کر رہی تھیں۔ دعا نے اپنے لیے بہت خوبصورت پرنٹ کا مرچنڈا کلر کا سوٹ نکالا اور اس کے ساتھ جیولری اور جوتے میچ کرنے لگی۔ جبکہ زینی ابھی بھی الماری میں سر دیئے الجھی سی کھڑی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا پہنے۔ پھر بہت سوچ بچار کے بعد اس نے ایک کرتہ اور جینز کی پینٹ نکال کے بیڈ پر رکھ دی اور اس کے ساتھ میچنگ کا دوپٹہ ڈھونڈنے لگی۔ اچانک ہی دعا کی نظر بیڈ پہ رکھے زینی کے منتخب کردہ سوٹ پر پڑی تو وہ تو جیسے بل کھا کر رہ گئی۔

''زینی! تم یہ پہنو گی؟''

دعا نے تقریباً چیختے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! کیوں اچھا نہیں ہے؟''

وہ اس کے چہرے کے بگڑے زاویے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''تم بھائی کے ساتھ ڈنر پر جا رہی ہو یا مچھلیاں پکڑنے۔''

دعا نے دانت پیستے ہوئے اس پہ طنز کیا۔

''زینی پلیز! کبھی کچھ ڈھنگ کا بھی پہن لیا کرو۔''

دعا نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

''کیا ہے، مجھے نہیں سمجھ آ رہا کہ میں کیا پہنوں۔''

زینی نے جھنجھلاتے ہوئے کہا اور بیڈ پہ آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئی۔

''تم رہنے دو، میں خود ہی دیکھتی ہوں، تمہیں تو بالکل بھی ڈریسنگ سینس نہیں ہے۔ پتہ نہیں کیا بنے گا تمہارا۔''

دعا نے اس کے منتخب کردہ کپڑے واپس الماری میں گھساتے ہوئے اسے بے بھاؤ کی سنائیں اور وہ ڈھیٹوں کی طرح بیٹھی مسکراتی رہی۔

پھر دعا نے الماری میں سے ایک بہت نفیس سی کڑھائی والا پنک اور وائٹ کمبینیشن کا سوٹ نکالا اور ایک ستائشی نظر اس پہ ڈال کے اسے بیڈ پہ رکھ دیا پھر اس نے سوٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت لائٹ سی جیولری میچ کر کے نکالی اور اب وہ جوتوں کی سلیکشن میں مصروف تھی۔ زینی اس وقت سے دم سادھے بیٹھی اس کی تمام کاروائی دیکھ رہی تھی۔ جوتوں کی سلیکشن سے فراغت پا کر دعا نے اسے چینج کرنیکا حکم صادر کیا جو اس نے بلا چوں چراں بجالایا۔ پھر دعا نے اسے بہت نیچرل سا میک اَپ کیا اور بال بنانے کے بعد اسے شیشے کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔

''دعا! یہ کچھ زیادہ نہیں ہو گیا۔''

وہ خود کو شیشے میں دیکھتے ہوئے جھجک کر بولی۔

''نہیں، کچھ زیادہ نہیں ہوا۔ خبردار جو تم نے کسی چیز کو اُتارا۔''

دعا نے اس کے ارادے بھانپتے ہوئے انگلی اٹھا کے تنبیہ کی۔

''آج کل لڑکیاں گھروں میں اتنا تیار ہو کے رہتی ہیں اور تمہیں ڈنر پہ جانے کے لیے یہ زیادہ لگ رہا ہے۔''

''دعا! تمہیں تو پتہ ہے کہ مجھے اس سب کی عادت نہیں ہے۔''

زینی نے دعا کی باتوں کے جواب میں عذر پیش کیا۔

''عادت نہیں ہے تو عادت بنالو۔ کیونکہ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ اذلان بھائی بھی تم میں دلچسپی لیں تو خود کو بدلنے کی کوشش کرو۔ اپنی چال ڈھال میں نزاکت اور پہننے اوڑھنے میں بدلاؤ لاؤ۔ کیونکہ لڑکوں کو سر جھاڑ منہ پھاڑ لڑکیاں نہیں بلکہ نرم و نازک اور خوبصورت لڑکیاں اپیل کرتی ہیں۔''

دعا نے مخلصانہ انداز میں اسے سمجھایا۔ جس پہ اس نے فوراً ہی دل چھوڑتے ہوئے کہا۔

''ہائے دعا! پھر تو میرا کوئی چانس نہیں ہے۔''

''کیوں چانس نہیں ہے، تم اتنی خوبصورت تو ہو، اور اس وقت تو تم اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ بھائی تمہیں دیکھیں گے تو دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔''

دعا نے پیار سے اس کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے اس کی ہمت بڑھائی۔

''اب تم ایسا کرو کہ بھائی کے کمرے میں جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ ہم تیار ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ جب ہم تیار ہو جائیں تو انہیں بتا دیں۔''

''نہیں، میں نہیں جا رہی، تم خود ہی جا کے بتا دو۔''

زینی نے گھبراتے ہوئے انکار کیا۔ اسے اس حلیے میں اذلان کے کمرے میں جاتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔

''زینی مجھے ابھی تیار بھی ہونا ہے۔ تم تیار ہو، جا کے بتا دو۔ اس میں کون سی بڑی بات ہے۔''

دعا نے اس کی گھبراہٹ دور کرنے کے لیے بہت ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے جا رہی ہوں۔''

زینی نے ''مرتا کیا نہ کرتا'' والے محاورے پہ عمل کرتے ہوئے ہامی بھر لی۔ اب وہ اذلان کے کمرے کے باہر کھڑی سوچ رہی تھی کہ اندر جائے یا نہیں۔ پتہ نہیں کیوں اسے ایک عجیب سی جھجک محسوس ہو رہی تھی اندر جاتے ہوئے۔ حالانکہ پہلے تو وہ آدھی رات کو بھی بے دھڑک اس کے کمرے میں چلی جاتی تھی۔ پھر آج کیوں شرم آڑے آ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی اور شاید نہ کبھی جان پاتی کیونکہ یہ سب اس لیے تھا کہ اس کے سوچنے کا انداز، احساسات، کیفیات سب بدل چکا تھا۔ دل نے محبت کی لے پہ دھڑکنا سیکھ لیا تھا۔ محبت نے اپنا آپ منوا لیا تھا اور جب محبت کسی سے اپنا آپ منوا لیتی ہے تو پھر اسے یکسر بدل دیتی ہے۔ اسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے، بالکل ایسا ہی زینی کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ جہاں محبت کے ادراک نے اذلان کو اسکے دل کے سب سے اونچے سنگھاسن پہ بٹھایا تھا وہیں اس کے دل میں اس کے لیے شرم وحیاء، لحاظ اور حجاب بھی پیدا کر دیا تھا۔

یہ محبت بھی نا کتنی عجیب شے ہے۔ پوری دنیا میں کسی سے اتنی حیاء نہیں آتی جتنی اپنے دل میں بسنے والے اس شخص سے آتی ہے جس سے آپ کو محبت ہوتی ہے۔ کسی شخص کی موجودگی بھی آپ کے چہرے پہ شرم کی لالی نہیں بکھیر سکتی، جو آپ کے جسم وجاں میں مقیم شخص کی صرف شبیہہ بکھیر دیتی ہے۔

زینی نے کمرے میں جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے دروازے پہ دستک دی۔

''آ جائیں۔''

اذلان کی جانب سے اجازت پا کر اس نے بہت آہستگی سے دروازہ اندر کی جانب دھکیلا اور کمرے میں داخل ہو گئی۔

''زینی! تمہیں کب سے دستک دینے کی ضرورت پیش آ گئی؟''

زینی پہ نظر پڑتے ہی اذلان نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''مجھے لگا شاید آپ بزی ہوں گے۔''

زینی نے عذر تراشا۔

''میں آپ سے یہ کہنے آئی تھی کہ ہم لوگ تیار ہیں۔''

وہ انگلیاں چٹاتے ہوئے نظریں جھکا کے بولی۔

''ہاں! وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔''

ازلان نے بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بے خود ہو کر کہا۔

''جی؟''

زینی نے نا سمجھی کے عالم میں سر اٹھا کے اس کی جانب دیکھا۔

''تم جاؤ، میں بس یہ وائنڈ اَپ کر کے آتا ہوں۔''

ازلان نے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جلدی جلدی کہا۔ اس نے اپنی بے خودی پہ خود کی سرزنش کی۔

''رکو زینی!''

ازلان کے پیچھے سے پکارنے پہ اس نے خود کو فوراً بریک لگائی اور خوشی خوشی پیچھے مڑی۔ اسے لگا کہ شاید اب وہ اس کی تعریف کرے گا۔

''جی!''

اس نے مڑتے ہوئے ایک ادا سے دوپٹہ شانے پہ درست کرتے ہوئے کہا۔

''تم ایسا کرو کہ دعا کو لے کر نیچے کار پورچ میں آ جاؤ، میں بھی وہیں ملتا ہوں تم دونوں کو۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' اس نے بمشکل حلق سے آواز نکالتے ہوئے جواب دیا۔

وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی کمرے میں آئی اور آتے ہی دعا پہ برسنے لگی۔

''دعا! تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ مجھے دیکھیں گے تو دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔ لیکن یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ انہوں نے تو مجھے ایک نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ دیکھتے کا دیکھتا رہ جانا تو بہت دور کی بات۔''

وہ اس وقت غصے اور دکھ کے ملے جلے تاثرات کا شکار تھی۔

''اچھا کیا ہوا، نہیں دیکھا تو دیکھ لیں گے۔ اس میں اتنا غصہ کرنے والی کون سی بات ہے۔''

دعا نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے بہت دھیمے انداز میں سمجھایا۔

''اچھا اب اپنا موڈ ٹھیک کرو اور چلو میرے ساتھ۔''

وہ اسے پچکارتے ہوئے بولی۔

بہار کا موسم تھا اس لیے ہر طرف پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے جو آنکھوں کو بہت فرحت کا احساس بخش رہے تھے۔ پھولوں کی سوندھی سوندھی خوشبو نے پورے ماحول کو معطر کیا ہوا تھا۔ ہر طرف ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں جو ماحول کو مزید خوشگوار اور سحر انگیز بنا رہی تھیں۔

زینی نے گاڑی سے اُتر کر ایک جذب کے عالم میں گہرا سانس کھینچا۔ جس نے اس کی روح تک کو سرشار کر دیا۔

اذلان ان دونوں کو ڈنر کے لیے شہر کے سب سے اچھے اور پُر فضا ریسٹورنٹ پر لایا تھا جہاں آ کر انہیں بہت خوشگوار سا احساس ہوا۔

وہ دونوں اذلان کی معیت میں چلتی ہوئی ایک کارنر ٹیبل منتخب کر کے اس پہ بیٹھ گئیں۔

ریسٹورنٹ میں ان ڈور اور آؤٹ ڈور دونوں ہی جگہ بیٹھنے کی سہولت موجود تھی۔ لیکن انہوں نے باہر کھلی فضا میں بیٹھنے کو ترجیح دی۔

وہ دونوں اپنی اپنی کرسیاں سنبھال کر اپنے اردگرد بیٹھے لوگوں کا جائزہ لینے لگیں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ویٹر آ گیا۔ اذلان نے اسے ان دونوں کی پسند کا کھانا آرڈر کیا جسے نوٹ کر کے وہ چلا گیا۔ اور وہ دونوں پھر سے اپنے مشغلے میں محو ہو گئیں۔

اسی تانکا جھانکی میں اچانک ہی دعا کی نظر ایک ٹیبل پہ پڑی جہاں اس کی کالج کلاس فیلو اپنی فیملی کے ساتھ موجود تھی جیسے ہی اس کی نظر بھی دعا پہ پڑی تو اس نے بے ساختہ جوش سے ہوا میں ہاتھ ہلایا اور دونوں نے دور سے ہی ہیلو ہائے کی۔ اسی اثناء میں کھانا ٹیبل پہ لگ گیا اور وہ دونوں کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ کھانا چونکہ ان دونوں کی پسند کا تھا اس لیے انہوں نے جتنا بھی کھایا خوب رغبت سے کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد اذلان نے ان دونوں کی پسند کی آئسکریم آرڈر کی۔ آئسکریم کے آتے ہی دعا نے اپنا کپ اٹھایا اور ان دونوں سے ایکسکیوز کرتی اپنی کلاس فیلو کی ٹیبل پہ چلی گئی۔ اس نے ایسا جان بوجھ کر کیا۔ کیونکہ وہ ان دونوں کو اکیلے بیٹھنے اور باتیں کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

دعا کے جانے کے بعد بھی ان دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی۔ اور وہ چپ چاپ بیٹھی اپنی آئسکریم میں چمچ ہلاتی رہی۔ اس کی عدم دلچسپی پہ اذلان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو پتہ نہیں کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا زینی، آئسکریم پسند نہیں آئی؟''

اذلان نے اس کی عدم دلچسپی کو نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، اچھی ہے۔''

زینی نے مختصراً کہا اور آئسکریم کی ایک چمچ منہ میں ڈال لی۔

وہ بغور اسے دیکھنے لگا جو بڑے انہماک سے آئسکریم میں چمچ ہلا رہی تھی۔ وہ اسے بہت بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ نہ ہی وہ آج

ازلان سے بے تکلف ہو رہی تھی اور نہ ہی بے جھجک اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''زینی! اتنی چپ چپ کیوں ہو، کچھ بول کیوں نہیں رہیں۔''

ازلان نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا میں چپ نہیں رہ سکتی؟''

زینی نے جواب دینے کی بجائے الٹا سوال داغا۔

''نہیں!''

''کیوں؟''

''کیونکہ تم چپ چپ اچھی نہیں لگتیں اور ویسے بھی مجھے تمہاری باتوں کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ اب اگر تم نہ بولو تو مجھے عجیب سا لگتا ہے۔''

ازلان نے مسکراتے ہوئے اپنے دل کی بات بتائی۔

''لیکن آج میں نہیں بولوں گی۔''

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ ہمیشہ میں بولتی ہوں اور آپ سنتے ہیں۔ لیکن آج میں چاہتی ہوں کہ آپ بولیں اور میں سنوں۔''

زینی نے اس کے ''کیوں'' کی وضاحت دی۔

''اچھا! کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟''

ازلان نے ایک دلفریب سی مسکراہٹ لبوں پہ سجا کے اسے اپنی نظروں میں قید کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ تو کب سے اس دن کا منتظر تھا کہ جب وہ بھی اس کی ذات میں دلچسپی لیتے ہوئے اس سے اس کے بارے میں کچھ پوچھے۔

''نہیں، بس ایسے ہی، میں نے سوچا کہ ہم دوست ہیں تو جیسے آپ کو میری پسند ناپسند سب پتہ ہے تو مجھے بھی تو آپ کے بارے میں کچھ پتہ ہونا چاہیے۔ بس اسی لیے۔''

زینی نے بہت ہوشیاری سے خود کو کمپوز کرتے ہوئے بات بنائی۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں اس کی دلی حالت اس پہ عیاں نہ ہو جائے۔

''ہاں! تو پھر پوچھو کیا پوچھنا ہے۔''

اس کے لبوں کی گہری ہوتی مسکراہٹ اس بات کا عندیہ تھی کہ اس نے زینی کے دل کا راز پا لیا تھا۔

''بس یہی کہ آپ کی پسند ناپسند اور وہ تمام دل کی باتیں جو آپ نے آج تک کسی سے نہ کی ہوں۔''

''اچھا! تو تم میری رازداں بننا چاہتی ہو۔''

اذلان نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ جس پہ اس نے کوئی جواب دینے کے بجائے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی معصوم سی خواہش پر اذلان کو ٹوٹ کے پیار آیا۔

وہ تو کب سے اس کی محبت اور جذبوں کی محرم اور رازداں تھی۔ بس وہ پاگل لڑکی ہی اس حقیقت سے انجان تھی۔

محبت جب بانہیں کھولے آپ کا استقبال کر رہی ہو، آپ کے جذبوں کو حوصلہ افزائی اور پذیرائی مل رہی ہو اور محبت بھی وہ جو آپ کی اپنی اور محرم ہو تو ایسے میں اپنے دل اور منہ زور خواہشات پہ قابو رکھنا کتنا مشکل ہوتا ہے، یہ اس وقت اذلان سکندر سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

اس نے بہت سختی سے اپنے دل کو جھڑکتے ہوئے خود پہ قابو پانے کی کوشش کی لیکن دل تھا کہ بار بار اس کی طرف ہمک رہا تھا۔ اس کی طلب میں تشنہ ہو رہا تھا۔ اسے یہ بتانے کے لیے مچل رہا تھا کہ جس راستے پہ اس نے ابھی قدم رکھا تھا وہ اس راستے پہ اپنا سب کچھ ہار کے کب سے پلکیں بچھائے بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اور ایسی صورتحال میں کہ جب مقابل کی آنکھوں میں بھی وہی جذبوں اور محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دے رہا ہو تو نظر چرانا کتنا کٹھن ہوتا ہے، یہ صرف وہی جانتا تھا۔

وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا اس لیے سامنے والے کے لیے اس کے دل کا راز پانا بہت مشکل تھا۔ کیونکہ وہ اپنی کیفیات چھپا کے مسکرانا جانتا تھا اور یہی اس کا سب سے بڑا کمال تھا اور اس وقت بھی اس نے یہی کیا تھا۔

''زینی! تمھیں یہ جان کر بہت حیرت ہوگی کہ میں بظاہر بہت خشک اور سرد مزاج نظر آنے والا بندہ اندر سے بہت رومانٹک ہوں۔ مجھے ہر وہ چیز جو قدرت اور حسن سے تعلق رکھتی ہے، بہت خوبصورت اور دلکش لگتی ہے۔ مجھے آدھی رات کو اپنے کمرے کے ٹیرس پہ کھڑے ہو کے چودھویں کے چاند کو دیکھنا بہت سحر انگیز لگتا ہے۔ مجھے پھول، رنگ اور خوشبو حد سے زیادہ پسند ہیں۔ اور یہ سب مجھے اپنے اندر محو کرنے کی حد درجہ صلاحیت رکھتے ہیں۔''

اذلان ایک مدھم سی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے اسے بہت دھیمے لہجے میں اپنے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ حیرت کی تصویر بنی، بنا پلک جھپکائے اسے یوں دیکھ رہی تھی کہ جیسے اس کے لیے اس سب پہ یقین کرنا بہت ناممکن سی بات ہو۔

''اور میرے فارغ وقت کے مشاغل بھی تم سے بہت مختلف ہیں۔ میں فرصت کے لمحوں میں کتابوں کا ساتھی بننا پسند کرتا ہوں، خواہ کسی بھی قسم کی کتاب ہو اور ہاں، مجھے شعر و شاعری بھی بہت پسند ہے۔''

اذلان نے اس کی حیرت سے حظ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ وہ حیرت سے آنکھیں کھولے بیٹھی سیدھی اس کے دل میں اُتر رہی تھی۔

''مجھے لگتا ہے میں نے تمہیں بور کر دیا۔ چلو کوئی اور بات کرتے ہیں۔''

اذلان نے اسے مسلسل خاموش دیکھ کر جان بوجھ کر کہا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو بس یوں ہی......!''

زینی نے اپنی ہونقوں والی کیفیت پہ شرمندہ ہوتے ہوئے وضاحت دینی چاہی۔

''کچھ اور پوچھنا ہے تمہیں؟''

''جی!''

زینی نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ جو پوچھنا چاہ رہی تھی کیسے پوچھے۔

''تو پوچھو۔''

وہ اس کی گھبراہٹ سے لطف اٹھاتے ہوئے بولا۔

وہ جو دوسروں کے چھکے چھڑانے کی ماہر تھی، آج اذلان کے سامنے ''بھیگی بلی'' بنی بیٹھی تھی۔ یہ محبت بھی ناں انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔

''ہر انسان کا کوئی نہ کوئی آئیڈیل ہوتا ہے۔ یقیناً آپ کا بھی کوئی ہوگا۔ اگر آئیڈیل نہیں بھی ہے تو یقیناً ذہن میں کوئی خاکہ ہوگا۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ کو کس قسم کی لڑکیاں پسند ہیں۔''

زینی نے بڑی مشکل سے بہت سوچ سمجھ کر الفاظ کا چناؤ کرتے ہوئے اپنے دل کی بات پوچھی۔ وہ اذلان کو یہ جتانے کی کوشش کر رہی تھی کہ جیسے وہ بہت نارمل سی بات پوچھ رہی ہو۔ لیکن اذلان سکندر یہ جانتا تھا کہ اس نارمل سی بات کے پیچھے کتنے ابنارمل جذبات چھپے ہوئے تھے۔

''میرا کوئی خاص آئیڈیل نہیں ہے۔ لیکن مجھے فل مشرقی ٹائپ لڑکیاں پسند ہیں۔ مطلب شلوار قمیض پہننے والی، ہاتھوں میں بھر بھر کے چوڑیاں پہننے والی اور مہندی لگانے والی۔ بہت دھیمے انداز میں ٹھہر ٹھہر کر بولنے والی، بہت رکھ رکھاؤ والی اور صوبر قسم کی۔''

''تمہیں یقیناً بہت حیرت ہو رہی ہوگی میری سوچ جان کر کہ اتنے ماڈرن دور میں بھی میری اتنی دقیانوسی سوچ ہے۔ لیکن ایسا ہی ہے۔ مجھے یہ آج کل کی مغربی لباس اور انداز و اطوار اپنانے والی ماڈرن لڑکیاں بالکل پسند نہیں جنہیں نہ اٹھنے بیٹھنے کی تمیز ہوتی ہے اور نہ ہی بات چیت کی۔ خیر میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گیا۔ یقیناً یہ تمہارے اوپر سے ہی گزر رہی ہوں گی۔ کیونکہ یہ تمہارے ٹائپ کی باتیں جو نہیں ہیں۔ یقیناً تم بہت بور ہو رہی ہوگی۔''

اذلان نے جان بوجھ کر کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو سکتے کے عالم میں بیٹھی تھی۔ وہ زینی کو کیوں تنگ کر رہا

تھا وہ نہیں جانتا تھا لیکن ایک بات تھی اسے یہ سب بہت لطف دے رہا تھا۔ اسے زینی کی حالت بہت مزہ دے رہی تھی۔

بہت سوچ بچار کے باوجود وہ اذلان کی بتائی گئی مندرجہ بالا تمام خوبیوں میں سے کوئی ایک خوبی بھی خود میں نہ پاتی تھی۔ وہ حیران و پریشان سی بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ اذلان کی بتائی گئی خوبیوں والی لڑکی کسی سیارے پہ پائی جاتی تھی۔ کیونکہ ایسی کوئی مخلوق اس کی آنکھوں کے سامنے سے تو نہ گزری تھی۔

بہر حال جو بھی تھا اذلان کی باتوں نے اس کے دل میں ایک موہوم سی امید کو بھی ختم کر دیا تھا۔ اسے تھوڑی دیر پہلے تک جو یہ امید تھی کہ کبھی نہ کبھی وہ اس میں دلچسپی لینے لگے گا، اب ختم ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ کیونکہ اسے جس قسم کی لڑکی پسند تھی وہ اس معیار پر کہیں سے بھی پورا نہیں اترتی تھی۔ وہ بہت بوجھل دل کے ساتھ اٹھ کر گاڑی تک آئی تھی۔

''زینی! یہ کیا کر رہی ہو؟''

دعا نے کمرے میں آ کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا، جو الماری میں سے ایک ایک کر کے سارے کپڑے نکال کے بیڈ پہ پھینک رہی تھی۔

''ارے واہ! کیا بات ہے۔ تم تو بڑی سگھڑ ہو گئی ہو۔ بنا کسی کے کہے ہی اپنی الماری سیٹ کر رہی ہو۔''

دعا نے اس کی جانب سے کوئی جواب نہ پا کر خود ہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں، میں کوئی الماری نہیں سیٹ کر رہی ہوں۔ میں تو صرف اپنی شوار قمیض ڈھونڈ رہی ہوں۔''

زینی نے اس کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے بہت مصروف اور الجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''کیوں؟''

وہ تھوڑا اُلجھی۔

''کیونکہ انہیں شلوار قمیض پہننے والی لڑکیاں پسند ہیں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج سے میں بھی شلوار قمیض پہنوں گی۔''

زینی نے اسے فٹافٹ بتایا۔

''تمہیں یہ بھائی نے خود بتایا ہے۔''

دعا نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! زینی نے ہنوز اسی انداز میں کہا۔

''اچھا......''

دعا نے اچھا پہ زور دیتے ہوئے کہا اور بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

''لیکن ایک مسئلہ ہے دعا! میرے پاس تو گنی چنی دو تین شلوار قمیض ہیں۔اب میں کیا کروں۔''

زینی نے ساری الماری خالی کر کے مایوسی سے تھک کے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو اس میں اتنا مایوس ہونے والی کیا بات ہے۔ویسے بھی ہم نے ایک دو دن تک گرمیوں کی شاپنگ کرنے بازار جانا ہے تو تم بھی چلی جانا اور اپنے لیے کپڑے لے لینا۔''

دعا نے ایک منٹ میں اس کی ساری پریشانی رفع کرتے ہوئے کہا۔جس پہ وہ فوراً ہی خوش ہوگئی۔

''اچھا چلو اب یہ واپس الماری میں تہہ کر کے رکھو۔''

دعا نے بیڈ پر بکھرے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا! رکھتی ہوں۔''

زینی نے سستی سے اٹھتے ہوئے کہا اور کپڑے واپس الماری میں رکھنے لگی۔ایک دو سوٹ تو اس نے تہہ کر کے رکھے لیکن باقی اس نے ایسے ہی الماری میں گھسا دیئے جس پہ دعا نے اسے خوب باتیں سنائیں۔دعا نے اسے ہڈحرام اور کام چور ہونے تک کے طعنے دیئے، لیکن اس کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگی اور اس نے ڈھیٹوں کی طرح مسکراتے ہوئے اپنی کاروائی جاری رکھی۔

پھر کچھ دنوں بعد جب دعا، بڑی ماں اور چھوٹی ماں بازار جانے کے لیے تیار ہونے لگیں تو زینی بھی دعا کے ساتھ بازار جانے کے لیے تیار ہو کے نیچے آ گئی۔اسے بازار جانے کے لیے تیار کھڑا دیکھ کر بڑی ماں اور چھوٹی ماں کو حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا۔کیونکہ کہاں وہ ان کے لاکھ اصرار کرنے پہ بھی بازار جانے سے دور بھاگتی تھی اور آج خود بازار جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

پھر انہیں حیرت کا دوسرا جھٹکا اس وقت لگا جب اس نے بازار میں اپنے لیے شلوار قمیض پسند کی۔وہ دونوں حیرت زدہ سی کپڑے پسند کرتی زینی کو دیکھ رہی تھیں جبکہ دعا ان دونوں کی حالت سے حظ اٹھاتے مسلسل مسکرا رہی تھی۔پھر انہیں حیرت کا تیسرا جھٹکا اس وقت لگا جب اس نے اپنے کپڑوں کے ساتھ میچنگ چوڑیاں خریدیں۔آج وہ انہیں قدم قدم پہ چونکا رہی تھی۔اور اب وہ دونوں حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی تھیں، کیونکہ زینی انہیں آج نارمل نہیں لگ رہی تھی۔

پھر زینی نے انہیں حیرت کے جھٹکے دینے کا جو سلسلہ جاری کیا تو اس کا کوئی اختتام نہیں تھا۔وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ انہیں حیران کر رہی تھی۔اس کا اٹھنا بیٹھنا، ہنسنا بولنا، پہننا اوڑھنا، سب بدل رہا تھا۔اس نے چند ہی دنوں میں اپنے آپ کو بالکل بدل کے رکھ دیا تھا اور اس میں آنے والے اس بدلاؤ اور تبدیلی پہ گھر میں سب ہی بہت حیران تھے۔سب ہی یہ جاننے کی ٹوہ میں تھے کہ اس میں یہ تبدیلی کیونکر اور کیسے آئی۔لیکن وہ کسی کو کچھ بھی بتانے کے لیے تیار نہیں تھی۔

اس نے اس سب کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا سوائے دعا کے۔گھر میں صرف دعا اور اذلان تھے جو اس سب کے پیچھے

چھپی وجہ سے آگاہ تھے۔ اذلان نے اس کے بدلتے انداو اطوار نہ صرف نوٹ کیے تھے بلکہ وہ یہ سب بہت انجوائے کر رہا تھا۔

اسے اس بات پہ بہت خوشی ہو رہی تھی کہ اس نے خود کو اس کی پسند کے مطابق ڈھال لیا تھا اور شاید وہ یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ جیسے اس نے اس کی محبت میں خود کو اس جیسا کر لیا تھا تو کیا اس کی محبت بھی اتنی کھری اور سچی تھی کہ وہ خود کو اس کی پسند کے مطابق ڈھال سکے اور اسے یہ دیکھ کے حیرت ہوئی تھی کہ وہ اپنے امتحان میں بڑے اچھے طریقے سے کامیاب ہوئی تھی۔

❁..........❁..........❁

''اُف یہ محبت بھی ناں انسان سے کیا کیا کراتی ہے...... وہ کام جو ساری زندگی کوئی زور زبردستی بھی آپ سے نہیں کروا سکتا وہی محبت بہت خاموشی اور اپنی مرضی سے کروا لیتی ہے۔ کوئی ڈنڈے کے زور پہ بھی آپ کی کسی ایک عادت کو بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور محبت بڑے آرام سے آپ کو سر سے لے کر پاؤں تک بدل دیتی ہے۔ محبت کس طرح انسان کو زیر کرتی ہے یہ اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔ ہوش تو اسے اس وقت آتا ہے جب وہ اپنا سب کچھ لٹا کے گھٹنوں کے بل بیٹھا اس کے سامنے اپنا سر ٹیک چکا ہوتا ہے اور اس وقت واپسی کے سارے راستے بند ہو چکے ہوتے ہیں اور انسان کے پاس صرف ایک ہی چارہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وہ خود کو محبت کے سپرد کر دے۔''

اسے آج یہ سوچ کے ہنسی آ رہی تھی کہ کچھ دن پہلے جب اذلان نے اسے اپنی پسند کی لڑکی کا خاکہ بتایا تھا تو اسے سن کے کتنی حیرت ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ یہ سوچنے پہ مجبور ہو گئی تھی کہ کیا ایسے حلیے اور عادات وسکنات والی کوئی لڑکی اس دنیا پہ پائی جاتی تھی۔ کیسے اس نے اذلان کا دل جیتنے کی امید ہی چھوڑ دی تھی۔ لیکن آج اسے یہ سوچ کے خوشی ہو رہی تھی کہ اگر اس نے ابھی تک اذلان کا دل نہیں جیتا تھا تو کیا ہوا، اس نے خود کو تو بدل لیا تھا۔ اس نے خود کو اس معیار پہ لا کے کھڑا کر دیا تھا کہ جہاں وہ اذلان کا دل جیتنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اسے امید تھی کہ اب کبھی نہ کبھی وہ اسے چاہنے اور سراہنے لگے گا کیونکہ اس نے خود کو اس کی پسند کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ اس نے خود کو اس خاکے میں فٹ کر دیا تھا جیسا اس نے اپنے لیے چاہا تھا۔

''ہائے! کیسی ہو؟''

اذلان نے خوشگوار موڈ میں اس کے پاس رکھی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ جس پہ اس نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ لان میں کتاب کھولے بیٹھی نجانے کب سے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔''

اس نے دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ ابھی بھی ذہنی ابتری کا شکار تھی۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''کچھ خاص نہیں، بس کتاب پڑھ رہی تھی۔''

''میں بور ہو رہا تھا تو سوچا تمہارے پاس آ کر بیٹھ جاؤں۔ میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا نا!''

ازلان نے بغور اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔''

اس نے نظریں جھکاتے ہوئے مختصراً کہا۔

''چلو یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اور سناؤ کیا ہو رہا ہے آج کل۔''

''کچھ بھی نہیں، بس پڑھائی۔''

وہ کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''اپنی کترینہ کی سناؤ۔ دوبارہ تو تمہیں چھوڑ کر نہیں بھاگی ناں؟''

ازلان نے اس کا موڈ چینج کرنے کے لیے موضوع بدلا اور وہ اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔

''نہیں۔''

زینی نے ہولے سے ہنستے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے کترینہ کی گمشدگی والے دن کا سارا منظر گھوم گیا۔

ازلان نے ہنستی ہوئی زینی کو بغور دیکھا۔ وہ واقعی کتنا بدل گئی تھی۔ وہ بالکل ویسی ہی ہو گئی تھی جیسی وہ چاہتا تھا اور وہ اس کی اس تبدیلی پہ خوش بھی تھا۔ لیکن پھر...... پتہ نہیں کیوں اس کی خوشی آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ وہ جیسا وہ تھا وہ بھی ویسی ہی ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ خوش نہیں تھا۔ اسے زینی کی خاموشی اور جھجک کوفت میں مبتلا کرنے لگی تھی۔ وہ اس سے کھل کر باتیں کیوں نہیں کرتی تھی؟ وہ پہلے کی طرح اس کے ساتھ کھلکھلا کے ہنستی کیوں نہیں تھی؟ وہ اس سے جھجک اور لحاظ کیوں محسوس کرنے لگی تھی؟ یہ سب سوچیں اس کے دل کی بے چینی اور تشنگی کو بڑھا رہی تھیں۔ اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کے اندر آنے والی تبدیلیاں اس کی ذات میں ہلچل اور توڑ پھوڑ مچا دیں گی۔ وہ اسے اب ویسا ہی دیکھنا چاہتا تھا جیسی وہ پہلے تھی۔ جیسے اس نے اسے پسند کیا تھا۔ جیسے وہ اس کے دل میں اتری تھی۔ بے فکر اور لاپرواہ۔ لیکن اب وہ اسے یہ سب کیسے بتائے، وہ سوچ رہا تھا۔

''زینی! میں سوچ رہا تھا کہ اتنے دن ہو گئے تم آدھی رات کو میرے کمرے میں مجھے بائیک چلانے کے لیے اٹھانے نہیں آئیں، نہ ہی تم نے مجھے پتنگ اُڑانے کا کہا اور نہ ہی کرکٹ کھیلنے کا۔ میں تو انتظار ہی کرتا رہ گیا۔''

ازلان نے کن اکھیوں سے سنجیدہ بیٹھی ہوئی زینی کو دیکھتے ہوئے لاپرواہ انداز میں کہا۔

''میں نے یہ سب چھوڑ دیا ہے۔''

ایک بے جان سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

’’کیوں؟‘‘

اسے اپنے دل میں ایک عجیب سی چبھن کا احساس ہوا۔

’’کیونکہ اب میں بڑی ہوگئی ہوں۔‘‘

’’اچھا! یہ انقلاب کب آیا؟‘‘

اس نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔

’’بس آ گیا! کیوں، آپ کو پتہ نہیں چلا؟‘‘ اس نے ایسی نظروں سے اذلان کو دیکھا کہ اس کے دل کا بوجھ بڑھتا ہی چلا گیا۔

’’نہیں۔‘‘ اس نے کمزور لہجے میں جھوٹ بولا۔

’’اچھا! چلیں اب تو پتہ چل گیا نا!‘‘

وہ عجیب کاٹ دار لہجے میں بولی۔

’’ہاں!‘‘

’’تو پھر کیسا لگا آپ کو یہ انقلاب، اچھا لگا نا!‘‘

اس کی نظروں میں اُبھرنے والے تاثر کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔

’’نہیں۔‘‘

’’کیوں؟‘‘ اس نے حیرت سے آنکھیں بڑی کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کا جواب اس کے لیے بہت غیر متوقع تھا۔

’’کیونکہ مجھے تو اپنی دوست ہنستی کھیلتی اور شرارتیں کرتی ہی اچھی لگتی تھی۔ یہ سنجیدہ سنجیدہ اور بڑی بڑی سی لڑکی تو مجھے اپنی دوست لگ ہی نہیں رہی۔‘‘

اذلان نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔

’’لیکن آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ آپ کو سنجیدہ اور صوبر قسم کی لڑکیاں پسند ہیں۔‘‘

زینی نے شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے یاد دہانی کرائی۔

’’ہاں! کہا تھا، لیکن لڑکیوں کے لیے۔ تم لڑکی تھوڑی ہو، تم تو میری سب سے اچھی دوست ہو اور تم جیسی ہو مجھے ویسی ہی اچھی لگتی ہو۔‘‘

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

’’اور ہاں! میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ خود کو کسی سے کمپیئر مت کیا کرو۔ تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔‘‘

اذلان نے احساسات سے بوجھل ہوتے لہجے میں کہا۔

''تو یہ آپ مجھے پہلے نہیں بتا سکتے تھے۔''

زینی نے روٹھے ہوئے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی گلہ کیا۔

''چلو، اب تو بتا دیا نا!''

اذلان کے چہرے پر بڑی شریری مسکراہٹ اور انداز میں لاپرواہی تھی۔

''بڑی مہربان آپ کی کہ آپ نے بتا دیا۔''

وہ اس کے لاپرواہ انداز پہ تپ کے بولی۔

''اور یں میں نے اتنی محنت کی!''

اس کا غصہ اور دکھ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

''اچھا چلو چھوڑو، جانے دو۔''

اذلان نے ہنستے ہوئے پیار سے کہا۔

اسے اس وقت اذلان کی ہنسی بھی زہر لگ رہی تھی۔ اس نے اس کے بے موقع ہنسنے پہ اسے گھور کے دیکھا۔

''چلو آؤ بائیک چلاتے ہیں۔''

اذلان نے اس کا غصہ کم کرنے کے لیے فراخدلی سے پیشکش کی۔

''نہیں۔'' زینی نے دوٹوک انکار کرتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت غصے سے بھری پڑی تھی۔

اذلان نے بہت اصرار کیا لیکن وہ نہ مانی۔ پھر اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اس نے اسے ہاتھ سے پکڑا اور اسی طرح زبردستی گیٹ سے باہر لے گیا۔

اس نے کمرے کا دروازہ ایک زوردار دھماکے کے ساتھ کھولا اور بلا جھجک اس کے سر پر آن پہنچی۔

''آپ تھائی لینڈ جا رہے ہیں۔''

وہ اپنی اُتھل پُتھل ہوتی سانسوں کو نارمل کرتے ہوئے تفتیشی انداز میں پوچھتے ہوئے بولی۔

''ہاں جا رہا ہوں۔''

اذلان نے لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ لاشعوری طور پر اسی کی آمد کا منتظر تھا۔

''لیکن کیوں؟''

اس نے مضطرب ہو کے پوچھا۔

''تم جانتی تو ہو، پھر پوچھ کیوں رہی ہو۔''

اذلان نے فائل بند کر کے ٹیبل پہ رکھی اور مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تو کسی اور کو بھیج دیں نا! آپ کا جانا ضرور ہے کیا؟''

''ہاں' میرا جانا ضروری ہے۔ نیا نیا کام ہے اس لیے میں کسی اور پہ بھروسہ نہیں کر سکتا۔''

''آپ نے پہلے تو ذکر نہیں کیا اپنے اس قسم کے کسی ٹور کا۔''

اس نے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے پوچھنے لگی۔ اس کا دل کسی صورت اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''بس اچانک ہی پروگرام بنا ہے تو پہلے کیسے بتا دیتا۔''

اذلان نے مسکرتے ہوئے بغورا سے دیکھا۔ اس کی بے چینی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

''آپ کسی اور کو بھیج دیں، لیکن خود نہ جائیں نا!''

زینی نے بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے کہا۔ اس کی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''زینی پلیز! ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ! ایسا نہیں ہو سکتا۔ مجھے ہی جانا ہو گا۔''

اس نے بہت پیار سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''نہیں، مجھے کچھ نہیں سمجھنا۔''

''زینی پلیز!'' وہ لجاجت بھرے انداز میں بولا۔

''نہیں! میں نے کہہ دیا نا کہ آپ نہیں جا رہے تو بس آپ کہیں نہیں جا رہے۔''

زینی نے اٹل لہجے میں مان سے کہا۔

''زینی! کیوں ضد کر رہی ہو بچوں کی طرح۔ بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، ابھی اس دن تو کہہ رہی تھی کہ اب میں بڑی ہو گئی ہوں، تو پھر بڑوں کی طرح بی ہیو کرو نا!''

اذلان نے حتی الامکان اپنے لہجے کو نرم رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو بڑے ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے نا کہ انسان جذبات اور احساسات سے ہی عاری ہو جائے۔'' زینی نے روٹھے ہوئے لہجے میں منہ پھلا کر کہا۔

''میرے کہنے کا مطلب وہ نہیں تھا، لیکن تم بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر تم ایسے کرو گی تو میں نہیں جا سکوں گا۔''

وہ تھکے ہوئے لہجے میں ہار مانتے ہوئے بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے! آپ واپس کب تک آئیں گے؟''

زینی نے ہتھیار ڈالتے ہوئے سوال داغا۔ اب اسے نئی فکر لاحق ہوگئی تھی۔

''دیکھو، کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

''پھر بھی! کچھ دنوں تک رمضان شروع ہونے والا ہے اور پھر عید ہے۔ کیا آپ روزے اور عید بھی ہیں کریں گے؟''

زینی نے بہت دور کی سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں! رمضان تو وہیں گزرے گا۔ لیکن عید تک پہنچنے کی میں پوری کوشش کروں گا۔''

ازلان نے اس کی فکرمندی پہ مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے اس کا یوں اپنے لیے پریشان ہونا اچھا لگ رہا تھا۔

''اتنے دن میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟ میرا تو آپ کے علاوہ کوئی دوست بھی نہیں ہے۔''

زینی نے اضطراب بھرے لہجے میں کہا۔ اسے تو اس کے جانے کا تصور ہی مار رہا تھا۔ اگر وہ چلا گیا تو کیا ہوگا۔

'جیسے میں وہاں تم سب کے بغیر رہوں گا، ایسے تم لوگ بھی میرے بغیر یہاں رہ لینا۔''

ازلان نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ وہ تو ابھی اس بارے میں سوچ ہی نہیں رہا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ سوچ اس کے بڑھتے ہوئے قدم روک لے گی۔

''آپ مجھے مس کریں گے؟''

زینی نے آس بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ جن سوچوں سے کافی دیر سے نظریں چرا رہا تھا وہ سوچیں خود سراپا سوال بن کے اس کے سامنے کھڑی تھیں تو پھر وہ کیسے مزید نظریں چرا سکتا تھا۔

''سب سے زیادہ۔''

ازلان نے اپنے ڈوبتے دل پہ ہاتھ رکھ کے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔ وہ اسے کیسے بتاتا کہ وہ تو یہاں سے صرف ایک بے جان جسم لے کر جائے گا۔ وہ اپنی روح اور زندگی تو یہیں چھوڑ کے جا رہا ہے۔

''اور تم!''

''خود سے زیادہ۔''

ان دونوں کی کیفیات بالکل ایک جیسی تھیں۔ دونوں کے دل میں محبت کا آتش فشاں دہک رہا تھا جس نے ان دونوں کے وجود میں آگ لگا رکھی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنا آپ چھپا رہے تھے مگر وہ ناداں یہ نہیں جانتے تھے کہ محبت کبھی چھپائے نہیں چھپتی۔

''اچھا یہاں بیٹھو! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

ازلان نے اسے کندھے سے تھام کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ خود بھی تھوڑے فاصلے پہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

وہ صوفے پہ بیٹھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو کارپٹ پہ نظریں جمائے نجانے کن سوچوں میں گم تھا۔ شاید وہ ہمت اور الفاظ مجتمع کر رہا تھا وہ سب کہنے کے لیے جو وہ کہنا چاہ رہا تھا۔

''زینی! پچھلے کچھ دنوں سے مجھے اس احساس نے بہت مضطرب اور بے چین کر رکھا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم اور زیادتی کی ہے۔ میں نے زبردستی اور جبر کے ساتھ تمہیں اس بندھن میں باندھا ہے جسے شاید عام حالات میں تم قائم کرنے کا تصور بھی نہ کرتیں۔ یہ احساس ندامت میری روح کو گھائل کر رہا ہے کہ میں نے تم سے تمہاری آزادی اور حق رائے چھینا جو اللہ نے تمہیں دیا تھا۔ میں نے تمہیں بلیک میل کر کے ساری زندگی کے لیے ایک ایسے ان چاہے رشتے میں باندھ دیا جس کی شاید تمہیں کبھی تمنا ہی نہ ہو۔''

اس نے تلخ ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں ندامت اور احساس جرم تھا اور اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''لیکن مجھے......''

زینی نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔

''مجھے کہنے دو زینی! بڑی مشکل سے ہمت جمع کر کے یہ سب کہہ رہا ہوں۔ تم بہت اچھی اور معصوم ہو زینی۔ لیکن میں اتنا اچھا نہیں ہوں۔ میں تمہیں کسی ایسے رشتے کا پابند نہیں رکھنا چاہتا کہ جس میں تمہاری رضا ہی شامل نہ ہو۔ میں ساری زندگی اس احساس جرم کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا کہ میں نے تم پہ زور زبردستی اور جبر کر کے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا۔ میں ساری زندگی تمہارا مجرم اور چور بن کر نہیں گزار سکتا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ جانے سے پہلے تم سے اپنے کیے کی معافی مانگ لوں اور تمہیں وہ حق دے دوں جو میں نے جانے انجانے میں تم سے چھین لیا تھا۔''

وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ اس کے چہرے پہ کئی رنگ آئے اور آ کے چلے گئے۔ اس نے تڑپ کے اسے دیکھا جو کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔ وہ ابھی بھی نیچے ہی دیکھ رہا تھا۔ جبکہ زینی کا دل ڈوب رہا تھا۔ اس کا دل اسے کسی غیر معمولی بات کا اشارہ دے رہا تھا۔ شاید وہ مزید ہمت اکٹھی کر رہا تھا کیونکہ وہ جو کہنے والا تھا اس کے لیے اسے بہت ہمت چاہیے تھی۔

''زینی! تم اس رشتے کو نبھانا چاہو یا نہ نبھانا چاہو، دونوں صورتوں میں فیصلہ تمہارا ہو گا۔ تم میری غیر موجودگی میں اچھی طرح سے سوچ لینا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ تم پہ کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ہو گا۔ تم اپنی مرضی سے جو فیصلہ کرنا چاہو، تم آزاد ہو اور مجھے تمہارا ہر فیصلہ دل و جان سے قبول ہو گا چاہے وہ میرے حق میں ہو یا نہ ہو۔''

ازلان نے دل پہ پتھر رکھتے ہوئے اس سے وہ سب کہا جو اسے وہ کبھی کہنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے بات

کرتے ہوئے ایک دفعہ بھی نظر اٹھا کے اسے نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے خوبصورت اور معصوم چہرے کو دیکھنے کے بعد شاید وہ کچھ نہ کہہ پاتا۔

اس نے اپنے بکھرے ہوئے وجود کو سمیٹتے ہوئے لب بھینچ کے اس کی طرف دیکھا، جو پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں کیا نہیں تھا۔ دکھ، غصہ، بے بسی، آنسو۔ ازلان نے تڑپ کر اس کے آنسو چننے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا کیونکہ وہ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا، لیکن اس نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور روتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ اسے جاتا دیکھ کر اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں اور سر صوفے کی پشت پہ ٹکا دیا۔

وہ جا چکا تھا اور جاتے جاتے اس سے وہ کہہ گیا تھا جسے سننا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ تو کچھ اور ہی سننے کی خواہش مند تھی مگر وہ کیا کہہ گیا تھا۔

وہ تو بہت مسرور سی اس کے پاس بیٹھی تھی کہ شاید اب وہ اپنے دل کی بات کہے گا۔ کچھ اس کی سنے گا اور کچھ اپنی بتائے گا۔ محبت کی باتیں اور کچھ عہد و پیماں کرے گا۔ وہ بہت بے چینی سے اس کے پاس بیٹھی اس کے بولنے کی منتظر تھی۔ مگر جب وہ بولا تو اس کے دل میں کھلتی محبت کی نوخیز کلیوں کو ہی مسل گیا۔ اس کے خوش کن خوابوں کو بکھیر گیا۔ ابھی تو اس کی آنکھوں نے خواب دیکھنا سیکھا تھا۔ اور وہ اس کے سارے خواب ہی نوچ کر چلا گیا۔ وہ تو اس سے ملن کے سپنے سجائے بیٹھی تھی۔

اور وہ اسے جدائی پہ اُکسا رہا تھا۔ وہ تو اپنا سب کچھ اسے سونپ چکی تھی اور وہ اب اس کے اختیار اسے لوٹا رہا تھا۔ وہ کیسے یہ سب کہہ سکتا تھا، وہ کیسے یہ سب سوچ بھی سکتا تھا۔ وہ آنکھیں مسلتے ہوئے لب کاٹ کر سوچنے لگی۔ وہ اسے کیا سمجھتا تھا کہ جب دل کیا اپنا لیا اور جب دل بھر گیا تو چند ڈائیلاگ مار کے اچھا بن کے چھوڑ دیا۔ کیا اپنانا اور چھوڑنا اتنا ہی آسان تھا؟ کیا اس کے دل میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں تھا؟ یا غصے اور جلد بازی میں کیے گئے فیصلے پہ وہ پچھتا رہا تھا اور اب بندوق اس کے کاندھے پہ رکھ کے چلانا چاہتا تھا۔ اس کے دل اور دماغ منفی سوچوں کے گرداب میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ یہ سب سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر وقت اور حالات اسے یہ سب سوچنے پہ مجبور کر رہے تھے۔

اس کے جانے سے گھر میں سب کو ہی فرق پڑا تھا۔ سب ہی اُداس اور رنجیدہ ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی دستورِ دنیا کے مطابق سب ہی دو چار دنوں میں نارمل ہو گئے تھے، سوائے اس کے۔ ایک صرف وہ ہی تھی جو ابھی تک نارمل نہیں ہوئی تھی یا شاید اس کی باتیں اسے نارمل ہونے نہیں دے رہی تھیں۔

رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا اور زندگی میں پہلی بار اس نے چھت پہ جا کے چاند نہیں دیکھا تھا۔ اس کے اندر احساسات، جذبات اور خواہشات سب ختم ہو گیا تھا۔ وہ جاتے جاتے اسے جیتے جی مار گیا تھا۔

پتہ نہیں وہ اسے کن گناہوں کی سزا دے کر گیا تھا کہ وہ ایک زندہ لاش بن کے رہ گئی تھی۔ وہ نہ کچھ کھاتی تھی اور نہ پیتی تھی۔ بس

چپ چاپ ہر وقت پڑی رہتی تھی۔ اس کی حالت کے پیش نظر گھر میں سب کو یہ لگتا تھا کہ شاید روزوں کی وجہ سے اس پہ سستی اور نقاہت طاری رہتی ہے۔ اس لیے کوئی بھی اس سے کسی قسم کی کوئی باز پُرس نہیں کرتا تھا۔

بس ایک دعا تھی جو اس کے دل کے حال سے باخبر تھی۔ صرف وہی اس کے اس حال کی وجہ جانتی تھی اور اس کی اس حالت کو دیکھ کر کڑھتی رہتی تھی۔

وہ کمرے میں بیڈ پہ لیٹی ہوئی چھت کو گھور رہی تھی جب چھوٹی ماں اس کے پاس آئیں اور آ کر اس کے سرہانے بیٹھ گئیں۔

''زینی! کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے نا!''

چھوٹی ماں نے اس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''جی ماں! بالکل ٹھیک ہے۔''

اس نے خود کو نارمل رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''تو پھر کیا بات ہے زینی! میں کافی دنوں سے نوٹ کر رہی ہوں کہ تم بہت چپ چپ رہنے لگی ہو، نہ کسی سے بات کرتی ہو نہ ٹھیک سے کھاتی پیتی ہو، تمہارا گھر میں ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ، مجھ سے شیئر کرو۔''

وہ پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

وہ ماں تھیں نا، اور ماؤں کا دل بڑا حساس ہوتا ہے۔ فوراً اپنی اولاد کی پریشانی بھانپ لیتا ہے۔ کسی اور کو نظر آئے نہ آئے، لیکن ماں اپنی اولاد کی ہر پریشانی اس کے چہرے سے ہی پڑھ لیتی ہے۔ انسان دنیا میں ہر کسی سے اپنا آپ چھپا سکتا ہے سوائے اپنی ماں کے۔

''نہیں ماں! بھلا مجھے کیا پریشانی ہونی ہے۔ آپ کو ایسے ہی وہم ہو رہا ہے۔ بس روزہ ہونے کی وجہ سے سستی چھائی رہتی ہے، ورنہ اور تو کوئی بات نہیں ہے۔''

اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھتے ہوئے انہیں یقین دہانی کرائی۔

اس نے احتیاطاً اپنا چہرہ ان کی گود میں چھپا لیا، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا چہرہ اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے گا اور اسے خدشہ تھا کہ کہیں ماں اس کے چہرے پہ اس کے اُجڑے ہوئے دل کا حال نہ دیکھ لیں۔ وہ انہیں کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی اور وہ انہیں بتاتی بھی کیا......؟

اور جسے بتانا تھا وہ اس سے بہت دور بیٹھا تھا۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں، تم سچ بول رہی ہو نا؟''

انہوں نے شکی انداز میں پوچھا۔ پتہ نہیں کیوں انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا لہجہ اس کے لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہا۔

''جی ماں! میں بالکل سچ بول رہی ہوں۔ بھلا میں آپ سے کیا چھپاؤں گی۔''

اس کے لہجے کا کھوکھلا پن صاف واضح تھا۔ پتہ نہیں انہیں اس کی بات کا یقین آیا تھا کہ نہیں لیکن وہ چپ سی ہوگئی تھیں۔ انہوں نے پھر اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

''ویسے ماں ایک بات کہوں۔''

''ہاں کہو!''

''آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کی بگڑی ہوئی بیٹی سدھر گئی ہے، لیکن آپ تو خوش ہونے کی بجائے فکر مند ہو رہی ہیں۔''

زینی نے اپنے حواسوں پہ قابو پاتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہا۔

انسان کو بعض اوقات اپنے کچھ پیاروں کی خوشی کی خاطر خود پہ خول چڑھانا پڑتا ہے۔ اپنا غم چھپا کے مسکرانا پڑتا ہے تاکہ ہمارے پیارے ہم سے مطمئن رہیں۔

ایسا ہی بالکل زینی نے بھی کیا تھا۔

''ایسا بھی کیا سدھرنا کہ میں تمہاری آواز سننے کے لیے ہی ترس جاؤں۔''

چھوٹی ماں نے مصنوعی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں پھر سے بگڑ جاؤں۔''

وہ شرارت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی، جس پہ انہوں نے انکار میں گردن ہلاتے ہوئے جلدی جلدی کہا۔

''خیر اب میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔''

ان کے اس انداز پہ زینی بے ساختہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑی۔ اسے ہنستا دیکھ کے وہ بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگیں۔

✿..........✿..........✿

سنو! اس چاند سے کہہ دو

فلک پہ جو نکلتا ہے

سنو! اس چاند سے کہہ دو

میرے دل میں جو رہتا ہے

سنو! اس سے یہ کہہ دو تم، تمہارے بن

نہ صبح گزرتی ہے نہ شام ڈھلتی ہے

میری آنکھوں کے موسم میں تمہاری یاد بستی ہے

سنو! اس سے یہ کہہ دو تم، تمہارے بن

میں سانسوں میں تمہیں بستا ہوا محسوس کرتی ہوں

میں دن رات تمہاری یاد کے گھنے سائے میں رہتی ہوں

سنو! اب لوٹ آؤ نا، مجھے تم کیوں ستاتے ہو

میں تم بن رہ نہیں سکتی، مجھے کیوں آزماتے ہو

چلو!

میں یہ اقرار کرتی ہوں، میں تم سے پیار کرتی ہوں

سنو! اب مان جاؤ نا! اور واپس لوٹ آؤ نا!

سنو! اب لوٹ آؤ نا!

سنو! اب آبھی جاؤ نا!

"مجھے آدھی رات کو اپنے کمرے کے ٹیرس پہ کھڑے ہو کے چودھویں کے چاند کو دیکھنا بہت سحر انگیز لگتا ہے۔"

اسے اپنے کانوں میں اذلان کی آواز کی بازگشت سنائی دی۔

اس نے تڑپ کے اِدھر اُدھر دیکھا، لیکن کوئی نہیں تھا۔ یہ محض اس کا وہم تھا۔

آج چودہ رمضان المبارک کی رات تھی اور اس وقت چاند اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ آسمان پہ چمک رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھولے کھڑی آسمان پہ چمکتے چاند کو اس امید پہ دیکھ رہی تھی کہ شاید وہ بھی کہیں اسے دیکھ رہا ہوگا۔ آج اسے گئے ہوئے پورے بائیس دن ہو گئے تھے اور ان بائیس دنوں میں اس نے ایک دفعہ بھی زینی سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ گھر روز فون کرتا تھا اور سب سے بات کرتا تھا، سوائے اس کے۔ جب اس نے ہی کوئی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تو پھر زینی نے بھی زحمت نہیں کی۔ اور وہ کیوں زحمت کرتی؟ یہ تو اس کا فرض تھا کہ وہ یہاں سے جا کے اس سے رابطہ کرتا۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ وہ کوئی تعلق رکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ جب وہ کوئی واسطہ رکھنا ہی نہیں چاہتا تھا تو کیا زینی اسے مجبور کرتی؟ اس سے اپنی محبت کی بھیک مانگتی؟ نہیں وہ ایسا کیوں کرتی؟ جب وہ اس سے اپنا دامن بچا رہا تھا تو کیا وہ زبردستی اسے اپنی جانب کھینچتی؟ جب اسے اس میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی تو کیا وہ جبراً اسے اپنی جانب مائل کرتی؟ نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ ایسا اس صورت میں کرتی کہ جب دوسرا کوئی رشتہ رکھنے کا خواہاں ہوتا۔ لیکن یہاں تو ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا۔

وہ جاتے وقت اس سے کہہ گیا تھا کہ اس رشتے کو رکھنا یا نہ رکھنا اس کی مرضی پہ منحصر ہے۔ اسے اس کا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔ جو یہ ظاہر

کرتا ہے کہ اسے دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ پھر اس کا یہاں سے جا کے رویہ اس بات پہ مہر تھا کہ وہ اس سے کوئی تعلق رکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ اب اس سے جان چھڑانے کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔

آنسو تھے کہ تواتر سے اس کے چہرے پہ گر رہے تھے۔ اس نے خود کو یہ باتیں سوچ سوچ کے پاگل کر لیا تھا۔ اسے کسی صورت صبر اور چین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا دل کسی بھی قسم کی دلیلیں اور تاویلیں ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسے ازلان سے بس ایک ہی گلہ تھا کہ جب اسے یہی سب کرنا تھا تو پھر اس نے اسے اپنی زندگی میں شامل کیوں کیا تھا۔ اسے محبت کرنا سکھا کے پھر تنہا محبت کے گھپ اندھیرے راستوں پہ ٹکریں مارنے کے لیے کیوں چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو اپنا سب کچھ لٹا کے اب کہیں کی نہ رہی تھی۔ اس نے تو اسے ایک ایسی بند گلی میں لا کے کھڑا کر دیا تھا کہ جہاں سے نہ آگے جانے کا کوئی راستہ تھا اور نہ ہی واپسی کا۔

وہ مسلسل رو رہی تھی۔ وہ اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کب کیسے اس کی زندگی میں اتنی اہمیت کا حامل ہو گیا، اسے پتہ بھی نہ چلا۔ ہوش تو اسے اس وقت آیا جب وہ اپنا سب کچھ لٹا کے تہی دامن تھی۔

''میں انہیں چھوڑنے کا فیصلہ ہرگز نہیں کروں گی۔ وہ چاہے کچھ بھی کر لیں، میں انہیں نہیں چھوڑوں گی۔ اگر وہ مجھ سے زبردستی نکاح کر سکتے ہیں تو میں بھی انہیں زبردستی اپنے ساتھ زندگی گزارنے پہ مجبور کر سکتی ہوں۔ میں کیوں رووں، جب فیصلہ انہوں نے میرے ہاتھ میں دیا ہے تو ٹھیک ہے پھر میں بھی اپنی مرضی کا فیصلہ کروں گی۔''

اس نے اپنی آنکھیں زور زور سے رگڑیں اور فیصلہ کر کے مطمئن ہو گئی۔ اس کا ازلی ضدی پن عود آیا تھا۔ رونا دھونا تو اس کی سرشت میں ہی شامل نہیں تھا، وہ تو صرف اپنی بات منوانا جانتی تھی۔

۞..........۞..........۞

آج چاند رات تھی اور عید کا چاند نظر آ گیا تھا۔ ہر کوئی خوش اور مسرور تھا اور اپنے اپنے طریقے سے چاند رات انجوائے کر رہا تھا۔ بڑی ماں اور چھوٹی ماں نے تو ابھی سے ہی کل کی تیاری شروع کر دی تھی۔ وہ دونوں کچن میں کھڑی کھیر بنا رہی تھیں۔ دعا، رومان اور ذیشان چھت پہ کھڑے چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے اسے بھی بہت اصرار کیا لیکن وہ نہ مانی۔ وہ سب بہت خوش تھے اور ان سب کی خوشی ان کے چہروں پہ دمک رہی تھی۔ بس ایک وہی تھی جس کے اندر ہر احساس مر گیا تھا جسے اب کوئی خوشی، خوشی نہیں لگتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھی سب کے چہرے کھوج رہی تھی۔ وہ سب کے چہروں پہ اس کی کمی کا احساس ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن بہت کوشش کے باوجود بھی وہ ناکام تھی۔ اسے کسی کے بھی چہرے پہ اس کی کمی کا کوئی ملال یا دکھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سب بہت خوش اور مطمئن تھے۔ بس ایک وہی تھی جو اس کے نہ آنے کا سوگ منا رہی تھی۔ جسے عید کی اتنی بڑی خوشی بھی خوش نہیں کر پا رہی تھی۔ جسے اس کے بغیر سب کچھ بے رنگ اور بے سود لگ رہا تھا۔ اور وہ خوش ہو بھی کیسے سکتی تھی۔ وہ عید پہ آنے کا کہہ کر بھی نہیں آیا تھا۔ یہ بات اس کے دل

میں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔ وہ کیوں نہیں آیا تھا؟ اس سوال نے اس کے دل میں ایک طوفان برپا کر رکھا تھا اور اس طوفان کی تباہی کے آثار اس کے چہرے پہ بھی بہت واضح تھے۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اُتر آیا۔ جسے چھپانے کے لیے وہ اٹھ کے کمرے میں چلی گئی۔

دعا، رومان اور ذیشان کے ساتھ بازار جا رہی تھی مہندی لگوانے اور چوڑیاں پہننے۔ وہ کمرے میں آئی اور اسے بھی ساتھ چلنے کا کہا، لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ دعا نے بہت اصرار کیا لیکن وہ پھر بھی نہ مانی۔ پھر ان تینوں نے مل کے اسے پکڑا اور اس کے لاکھ احتجاج کرنے کے باوجود اسے گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے۔ اس نے گاڑی میں بیٹھ کے ان تینوں کو خوب باتیں سنائیں۔ جس پہ وہ تینوں ڈھیٹوں کی طرح ہنستے رہے۔ پھر بازار میں بھی انہوں نے اس کے ساتھ یہی کیا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود اسے زبردستی مہندی بھی لگوائی اور چوڑیاں بھی پہنائیں۔ پھر اس کے بعد انہوں نے آئسکریم کھائی اور گھر آتے آتے انہیں آدھی رات ہو گئی۔ وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔

"مجھے مہندی لگانے والی اور چوڑیاں پہننے والی لڑکیاں پسند ہیں۔"

جیسے ہی اس نے آنکھیں بند کیں تو اذلان کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

اس نے بے چین ہو کے آنکھیں کھول دیں اور اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے دو آنسو بڑی خاموشی سے اس کی آنکھوں سے بہہ کے اس کے تکیے میں جذب ہو گئے۔ وہ ماضی کی یادوں سے لڑتے لڑتے کب سوئی، اسے خبر بھی نہ ہوئی۔

وہ رات کے آخری پہر دبے پاؤں اس کے کمرے میں آیا اور بہت آہستگی سے چلتا ہوا اس کے بیڈ کے پاس آ کے کھڑا ہو گیا۔ کمرے میں روشنی مدھم ہونے کے باوجود بھی سب کچھ بہت واضح تھا۔ اس کی متلاشی نظریں جیسے ہی بیڈ پہ سوئی ہوئی زینی پہ پڑیں تو وہ تھوڑا اور قریب آ کے بیڈ پہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اور اپنی نظریں اس پہ جما کے ٹکٹکی باندھ کے اسے دیکھنے لگا۔ یہ وہ چہرہ تھا جسے دیکھنے کے لیے وہ پچھلے دنوں سب سے زیادہ تڑپا تھا۔ جس کی دید کی طلب اسے ہر وقت بے چین رکھتی تھی۔ جو اس سے دور ہو کے بھی ہر وقت اس کے حواسوں پہ قابض رہتی تھی۔ وہ بنا پلک جھپکے اک ٹرانس کی کیفیت میں اس کے ماورائی حسن کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے ایک ایک نقش کو اپنی آنکھوں کے ذریعے دل میں اُتار رہا تھا۔

وہ سوئی ہوئی اتنی معصوم اور پیاری لگ رہی تھی کہ اسے ٹوٹ کے اس پہ پیار آیا۔ وہ یوں ہی اسے دیکھ کے بے خود ہو جاتا تھا اور اپنی اس بے خودی پہ اسے کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ اپنی اسی بے خودی میں اس کے چہرے پہ بکھرے بال اپنے ہاتھ سے پیچھے کرنے لگا۔ وہ بہت احتیاط سے اس کے بال اپنی انگلیوں کی پوروں سے پیچھے کر رہا تھا کہ اچانک اس کا ہاتھ اس کے چہرے سے ٹکرایا اور وہ وہیں ساکت ہو گیا۔ اس کے پورے وجود میں اک عجیب سی سنسناہٹ پھیل گئی اور اس کا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے گھبرا کے اسے دیکھا

کہ جیسے اسے ڈر ہو کہ اس کی دھڑکنوں کا شور وہ سن نہ لے۔ لیکن اسے سوتا دیکھ کے وہ مطمئن ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے مزید کوئی جسارت کرتا اس نے جانے کا ارادہ کیا۔ اس پہ الوداعی نظر ڈال کے وہ اٹھنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر اس کے ہاتھوں پہ پڑی۔ اس کی مہندی اور چوڑیاں دیکھ کے اس کا دل پھر اس کے اختیار سے باہر ہونے لگا۔ وہ جانے کا ارادہ ترک کرتا بے خود ہو کے اس کے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ جب اس طرح بھی اس کے بے کیف دل کو تسکین نہ ملی تو بے اختیار اس نے ہاتھ بڑھا کے اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔ اس کے ہاتھوں کے لمس نے اس کے بے چین دل کو مزید بے قرار کر دیا۔ اس کا دل اسے اکسانے لگا۔ پھر ایسے ہی کسی کمزور لمحے کی زد میں آ کے اور شدت جذبات کی رَو میں بہہ کے بے اختیار اس نے اس کے ہاتھوں کو چوم لیا۔ جذبات، احساسات اور خواہشات کی شدت نے مل کے اس کے دل میں اک عجیب سی ہلچل مچا رکھی تھی۔ اس کے رواں رواں سے اس کے لیے محبت پھوٹ رہی تھی اور محبت بھی وہ جو جائز اور شرعی تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ اس کا دل مزید کسی حق کو استعمال کرتے ہوئے اسے کسی اور جرأت پہ اُکساتا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ اس پہ ایک بے چین سی نظر ڈال کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ صبح اٹھی اور بہت بے دلی سے تیار ہو کے نیچے آ گئی۔ بے دھیانی میں سیڑھیاں اُترتے ہوئے اچانک ہی اس کی نظر سامنے لاؤنج میں بیٹھے اذلان پہ پڑی تو اس اچانک التفات پہ وہ اپنا بیلنس برقرار نہ رکھ پائی اور لڑکھڑا گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑاہٹ کی وجہ سے سیڑھیوں سے نیچے گرتی، دعا نے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کے اسے تھام لیا اور گرنے سے بچا لیا۔

"سنبھل کے زینی۔"

دعا نے گھبرا کے اسے دیکھا۔

"یہ کب آئے؟"

الفاظ بے ربط اس کے منہ سے نکلے۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز اس پہ نظریں جمائے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کون؟"

دعا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو اس کی نظر اذلان پہ جا کے ٹھہری تو اک شریر سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"اچھا بھائی! وہ رات میں تمہارے سونے کے بعد آئے۔"

"مجھے کسی نے بتایا کیوں نہیں؟"

وہ ابھی بھی شاک کی کیفیت میں تھی اور اس کا دل بہت بے ہنگم انداز میں دھڑک رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے دیکھ کے اسے بے پناہ خوشی ہوئی تھی یا زخم ہرے ہونے کی اذیت۔

"تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ تمہارے لیے سرپرائز تھا۔"

دعا نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''چلو، اب نیچے تو چلو، یا یہیں کھڑے رہنا ہے۔''

دعا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور سیڑھیاں اُترنے لگی۔ اس نے اس کا ہاتھ قصداً تھاما تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس وقت اسے ایسے کسی سہارے کی شدت سے ضرورت تھی۔ وہ اس کی حالت دیکھ کے سمجھ گئی تھی کہ وہ اس وقت ذہنی ابتری کا شکار تھی اور خود سے ایک قدم بھی چلنے کی سکت نہ رکھتی تھی۔

وہ بہت خاموشی سے بتائے بغیر سیڑھیاں چڑھ کے چھت پہ آ گئی۔ اس کی ذہنی حالت اس قدر اتنی عجیب ہو رہی تھی کہ وہ کسی کا بھی سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہ پاتی تھی۔ وہ تو خود سے بھی نظریں چرائے پھر رہی تھی۔ بار بار اسے اپنے سامنے دیکھ کے اس کی حالت اتنی غیر ہو رہی تھی کہ وہ خود سے بھی گھبرا جاتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے دل کا حال اس پہ آشکار ہو۔ اس لیے کہ جب اسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا تو وہ کیوں اپنا آپ اس پہ ظاہر کرتی۔

وہ جب سے آیا تھا اس سے لاتعلق سا نظر آ رہا تھا۔ اسے مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔ سلام دعا کے علاوہ اس سے بات تک نہ کر رہا تھا اور یہی چیز اس کے دل کا منوں بوجھ بڑھا رہی تھی۔

اسے یہ ڈر بار بار ستا رہا تھا کہ اب جب وہ اس سے اس کا فیصلہ پوچھے گا تو وہ کیا جواب دے گی، کیا بتائے گی، کیسے انکار کرے گی۔ وہ اپنی اَنا اور خودداری کو اپنے قدموں تلے روند دے گی یا اپنی محبت سے دستبردار ہو جائے گی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے گی۔ اسے اپنی بے بسی پہ رونا آ رہا تھا۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ رو رہی تھی۔ وہ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کے چھت پہ آ گیا۔ اور بہت آہستگی سے بنا آہٹ کیے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

''عید مبارک!''

اس نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ وہ اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ اس کا چہرہ اس کے بالوں کو چھو رہا تھا۔ وہ اس کی سرگوشی پہ فوراً ہی بل کھا کے مُڑی اور اسے اپنے سامنے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

''کیا ہوا زینی، تم رو کیوں رہی ہو؟''

اس نے بے چین ہو کے پوچھا۔

وہ تڑپ کے اس کے آنسوؤں سے تر چہرے سے اپنی انگلیوں کی پوروں سے آنسو چننے لگا۔

بس اس کی اتنی سی ہی ہمدردی پہ وہ اپنا ضبط کھو بیٹھی اور بے اختیار اس کے سینے سے لگ گئی اور پھر جو اس کے منہ میں آیا کہتی چلی گئی۔

''آپ چاہے جو بھی کر لیں میں آپ کو نہیں چھوڑوں گی۔ چاہے آپ جتنا بھی دور بھاگ لیں مجھ سے، میں پھر بھی آپ کا پیچھا کروں گی۔ مجھے تو محبت کا مطلب بھی نہیں پتہ تھا، آپ نے ہی مجھے محبت کرنا سکھایا ہے۔ مجھے محبت کے راستے پہ ڈال کے اب آپ اپنی جان نہیں بچا سکتے۔ میں آپ کو ہرگز ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ چاہے آپ کو مجھ سے محبت ہے یا نہیں، لیکن آپ کو اب میرے ساتھ ہی رہنا ہوگا۔ میں آپ کو اتنی آسانی سے اپنا دامن نہیں چھڑانے دوں گی۔ چاہے آپ اسے زبردستی سمجھیں یا جو بھی، لیکن میں آپ کو خود سے الگ نہیں ہونے دوں گی۔ میں ساری زندگی آپ کے ساتھ رہوں گی چاہے آپ رکھنا چاہیں یا نہیں۔''

وہ روتے ہوئے بے ربط اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔ وہ اس کے سینے کے ساتھ لگی یہ ثابت کر رہی تھی کہ محبت میں ''میں'' نہیں ہوتی۔ محبت میں صرف ''محبت'' ہوتی ہے۔ اور وہ لوگ جو محبت میں ''میں'' کو آگے رکھتے ہیں محبت ان پہ کبھی مہربان نہیں ہوتی اور وہ جو محبت اپنی ''میں'' کو ختم کر کے خود کو فنا کر دیتے ہیں تو پھر انعام کے طور پہ محبت بھی ان کے دَر کی باندی بن جاتی ہے۔

''تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں، بھلا کوئی اپنی زندگی کو بھی چھوڑ کے زندہ رہ سکتا ہے۔''

ازلان نے اس کے بالوں کو اس کے چہرے سے پیچھے کرتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''مطلب؟''

وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''مطلب یہ کہ اگر تم میں تھوڑی سی بھی عقل ہوتی تو شاید آج یہ نوبت ہی نہ آتی۔''

اس نے دلچسپی سے اس ناقص العقل اور بیوقوف لڑکی کی روتی ہوئی آنکھوں کو دیکھا۔ وہ ابھی بھی الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

''تم سے کس نے کہا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا؟ مجھ پہ تو تمہارا پہلا وار ہی اتنا کاری تھا کہ میں اپنے معصوم دل کو تمہارے ظلم سے نہ بچا پایا۔ تمہیں تو شاید یاد بھی نہیں ہوگا کہ تم نے مجھ پہ پہلا وار اسی چھت پہ پتنگ اُڑاتے ہوئے کیا تھا اور پھر اس کے بعد دن بدن تمہارے وار بڑھتے چلے گئے اور میں چپ چاپ تمہارا ہر وار سہتا گیا۔ تم نے اپنے ہر وار سے میرے معصوم دل کو اپنی محبت سے لہولہان کیا لیکن میں پھر بھی چپ رہا اور تم سے کبھی کچھ نہیں کہا۔ اور شاید میں صحیح وقت آنے تک تم سے کچھ کہتا بھی نہ، لیکن تم میری محبت کو میری آنکھوں کے سامنے اپنے پاؤں تلے روند کے کسی اور کے ساتھ جا رہی تھیں تو پھر میں کیسے چپ رہتا۔ میں نے تمہیں غصے اور ضد میں نہیں بلکہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے اپنایا تھا۔''

وہ حیرت زدہ سی بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا وہ سمجھ کر بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

وہ تو اپنے دل میں محبت کا طوفان دبائے بیٹھا تھا اور وہ کیا سمجھ رہی تھی۔ اسے اب اپنی تمام منفی سوچوں پہ شرمندگی ہو رہی تھی۔

''تو پھر آپ نے کبھی کچھ کہاں کیوں نہیں۔''

وہ بمشکل آواز نکالتے ہوئے بولی۔

''اس لیے کہ وہ صحیح وقت نہیں تھا۔ اگر میں اس وقت تم سے اپنے دل کی بات کہتا تو شاید تم سمجھ نہ پاتیں اور اپنی محبت کی توہین مجھ سے کبھی برداشت نہ ہوتی۔ میں اگر اس وقت تم سے اپنی محبت کا اظہار کرتا تو شاید تم میری محبت اور ہمارے درمیان رشتے کی خاطر یہ سب قبول کرتیں جو مجھے کبھی قبول نہ ہوتا۔

میں تمہاری محبت بھیک میں نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم مجھ تک میری محبت اور میری خاطر نہ آؤ، بلکہ اپنی محبت اور اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے آؤ۔ اور دیکھو ایسا ہی ہوا۔''

وہ بازو سینے پہ باندھے ہوئے بڑی محظوظ نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑی زینی کو دیکھتے ہوئے بولا، جو اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کا صبر آزما رہی تھی۔

''تو پھر وہ سب کیا تھا جو آپ نے جاتے ہوئے کہا تھا۔''

اس نے اذلان کے آخری جملے پہ جھینپ کے پوچھا۔ یہ وہ ایک بات تھی جو ابھی بھی اس کے دل میں کھٹک رہی تھی۔

''وہ سب بھی اپنی جگہ ٹھیک تھا۔ تم یوں سمجھ لو کہ اگر میں وہ سب نہ کہتا تو شاید ہم آج ایسے نہ کھڑے ہوتے۔ ہمارے درمیان آج بھی محبت کی آنکھ مچولی چل رہی ہوتی۔ تم میرے اور میں تمہارے بولنے کے انتظار میں ہوتا اور یوں ہم کبھی بھی اپنے دل کی بات نہ کہہ پاتے۔''

اب وہ اس پاگل اور نادان لڑکی کو کیا بتاتا کہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اس کا وہ سب کہنا بھی ضروری تھا، کیونکہ جانے انجانے میں اس نے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اور پھر اس زیادتی کی تلافی تو بنتی تھی۔

''آپ کو پتہ ہے آپ نے مجھے کتنا ستایا ہے۔ اس نے روٹھے ہوئے لہجے میں منہ پھیر کے شکوہ کیا۔ اس کے دل سے ساری بدگمانیاں ختم ہو گئی تھیں۔ وہ اپنا مقام اس کے دل میں دیکھ چکی تھی اس لیے وہ بہت مسرور تھی۔

''اور جو تم نے مجھے ستایا ہے، اس کا حساب کون دے گا۔''

اذلان نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچا اور بے خود ہو کے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جذبات سے بوجھل لہجے میں بولا۔

''میں نے کیا کیا ہے؟''

اس نے اس کی بانہوں میں مچلتے ہوئے معصومیت سے آنکھیں بڑی کرتے ہوئے پوچھا، جس پہ وہ اپنا ضبط کھونے لگی۔

''میں بتاؤں، تم نے کیا کیا ہے۔''

اس نے اپنے بے قابو دل پہ بے بس ہوتے ہوئے جارحانہ انداز میں کہا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنا حق استعمال کرتے ہوئے کوئی جسارت کرتا، وہ خود کو اس کی گرفت سے آزاد کراتی ہوئی بھاگ گئی۔

''رُکو زینی!''

ازلان نے اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اسے آواز دی۔

اگر مرد کی محبت ازلان سکندر کی طرح پاکیزہ، شفاف اور گہری ہو تو عورت اپنا سب کچھ اس پہ نچھاور کرنے میں دیر نہیں کرتی۔

مگر شرط پاکیزہ، شفاف اور گہری محبت ہے۔

ختم شد